کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری

مترجم
علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۰ لاہور

کلامُ المرغُوبُ

ترجمۂ

کشف المحجُوب

تصوّف کی لازوال اور شہرۂ آفاق کتاب

تصنیفِ عظیم

ابوالحسن سیّد علی بن عثمان ھجویری قدس سرہ العزیز

مترجم

علامہ ابوالبرکات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق جامع حسنات العلوم نزد مسجد وزیر خان محفوظ ہیں

نام کتاب	کشف المحجوب
تصنیف عظیم	ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	ابوالحسنات سید محمد احمد قادری
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	اپریل 2002ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوزر کوڈ	1Z41
قیمت	-/150 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

marfat.com

Marfat.com

ترتیب

باب	عنوان	صفحہ
	دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری	۵
	مقدمہ از حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	۶۵
۱	اثباتِ علم	۸۲
۲	اثباتِ فقر	۱۰۱
۳	تصوف	۱۱۹
۴	خرقہ پوشی	۱۳۹
۵	فقر و صفوت	۱۵۷
۶	ملامت	۱۶۲
۷	صحابۂ کرام	۱۷۲
۸	اہلِ بیت	۱۸۱
۹	اصحابِ صُفّہ	۱۹۵
۱۰	ائمۂ تابعین	۱۹۸
۱۱	تبع تابعین تا بہ زمانۂ حال	۲۰۶
۱۲	صوفیائے متاخرین	۲۱۷
۱۳	مختلف ممالک کے مشائخ متاخرین	۲۳۱
۱۴	صوفیاء کے مختلف مکاتب و مذاہب	۲۳۶
۱۵	توبہ اور متعلقاتِ توبہ	۴۸۴
۱۶	محبت اور متعلقاتِ محبت	۴۹۷
۱۷	صحبت اور متعلقاتِ صحبت	۵۲۵

Marfat.com

باب	عنوان	صفحہ
۲۱	آدابِ صحبت	۵۳۸
۲۲	آدابِ صحبتِ اقامت	۵۴۳
۲۳	آدابِ صحبتِ سفر	۵۴۶
۲۴	کھانے کے آداب	۵۴۹
۲۵	چلنے پھرنے کے آداب	۵۵۱
۲۶	سفر و حضر میں سونے کے آداب	۵۵۳
۲۷	بولنے اور چپ رہنے کے آداب	۵۵۷
۲۸	آدابِ سوال و ترکِ سوال	۵۶۱
۲۹	آدابِ نکاح و تجرد	۵۶۵
۳۰	سماعِ قرآن اور اس کے متعلقات	۶۰۰
۳۱	سماعِ شعر اور اس کے متعلقات	۶۰۷
۳۲	سماعِ لحن و نغمہ	۶۰۹
۳۳	احکامِ سماع	۶۱۳
۳۴	اختلافِ سماع	۶۱۷
۳۵	مقاماتِ سماع	۶۱۸
۳۶	وجد، وجود، تواجد	۶۲۵
۳۷	رقص اور متعلقاتِ رقص	۶۲۸
۳۸	جامہ دری	۶۳۰
۳۹	آدابِ سماع	۶۳۱

marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

از حکیم محمد موسیٰ امرتسری

حامداً و مصلیاً

مخدوم الاولیاء، سلطان الاصفیاء حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز اس قدسی گروہ کے سرخیل ہیں جو امام رسل ہادی سبل حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم کی کمال محبت ومتابعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند مراتب پر فائز ہو کر خلافت الٰہیہ اور حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر متمکن ہوتے ہیں اور چونکہ انھوں نے اپنے آپ کو محبوب خدا کی محبت میں فنا کر دیا ہوتا ہے انہیں بھی مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے اور وہ زمین پر خلیفۃ اللہ اور مظہر انوار خدا اور نائب محبوب خدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا

۱ - ان کی ظاہری زندگی میں بے پناہ فیض رشد و ہدایت جاری ہوتا ہے۔

۲ - برزخی زندگی میں قاسم فیوض و برکات ہوتے ہیں اور ان کا روحانی فیض عوام و خواص کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

۳ - ان کی تعلیمات و ارشادات طالبان راہ خدا کے لئے مرشد طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ استعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

چنانچہ بہ عطائے الٰہی و بہ فیض سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے

۱ - اپنی حیات مبارکہ میں کفرستان ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت اور نظر کیمیا اثر کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفر و ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور فرمایا۔

۲ - بعد وصال حضرت شیخ کا مزار پر انوار فیض رسان عالم اور منبع روحانیت و طمانیت ہے ع

Marfat.com

نام فقیر تنہا ندا یا ہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

۳- ان کے ارشادات گرامی و افاضات عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرضکہ ایسی محبوبیت و مقبولیت امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت کم اولیاء کرام کو حاصل ہوئی ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حالاتِ زندگی

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ برصغیر پاک و ہند کے اوّلین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر باران کے فیضان کی وجہ سے عرصہ نو سو سال سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے اور ان کی کشف المحجوب اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی وجوہ یہ ہیں۔

(ا) جس زمانے میں حضرت داتا صاحب نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی۔ اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا۔ انھوں نے تاریخ کو اپنے آقایان نعمت (فاتحین) کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔ اور بعد کے مورخین صرف ان بزرگوں کے مختصر حالات لکھے۔ جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو شرفِ حاضری نصیب ہوا۔

(ب) جن حضرات نے بادشاہوں سے ہٹ کر صرف ان نفوس قدسیہ، جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی، کے حالات زندگی اور ان کی اسلامی و روحانی خدمات جلیلہ کی تفصیلات کو قلم بند کیا ان کی تالیفات کو اس خطے کی ازلی بدنصیبی (بہ سلسلہ اتلاف کتب) نے محفوظ نہیں رہنے دیا۔

ظاہر ہے کہ بزرگان دین کے تذکرہ نویسوں میں سے اکثر فن تاریخ کے ماہر نہ تھے۔ لہٰذا وہ بزرگوں کے حالات لکھتے وقت، واقعات کے سنین کا صحیح تعین نہ کر سکے۔ جس کے باعث تاریخ دانوں کو ... پر بدظنی کا موقع مل گیا۔

marfat.com
Marfat.com

بہرحال حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ پر بھی ضرور کام ہوا ہوگا۔ مگر وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ جہانگیری عہد کے مشہور تذکرہ نگار محمد غوثی بن حسن شطاری، حضرت داتا صاحب کے حالات کے ذیل میں بسال ۱۰۲۲ھ لکھتے ہیں:

"تواریخ مشائخ کے سابقہ مصنفین کا خیال ہے کہ کشف المحجوب کے مصنف وہ بزرگ ہیں جن کا مزار مبارک لاہور میں ہے۔"[۱]

محمد غوثی نے سابقہ مصنفین کا جو حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کے حالات کے بہت سے مآخذ تلف ہو چکے ہیں ——— ان مآخذوں کے اتلاف کا نتیجہ ہے کہ

چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کے مصداق یہاں کے دانشور، تاریخ وتحقیق کے نام پر کوئی نہ کوئی نیا افسانہ پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔[۲]

بہرحال موجودہ معلوم تذکروں میں سے تذکرۃ الاولیاء از شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ میں صرف دو جگہ حضرت داتا صاحب کا اسم گرامی درج ہے۔ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات فوائد الفواد اور قدر نظامی میں بھی ان کا ذکر خیر ہوا ہے۔ ان کے بعد کے ایک ایسے مآخذ سے ایتھے (ETHE) نے علمی دنیا کو متعارف کرایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ اس کا نام رسالہ ابدالیہ ہے جو حضرت مولانا محمد یعقوب بن عثمان غزنوی کی تالیف ہے۔[۳] پھر مولانا جامی نے نفحات الانس میں، شیخ احمد زنجانی نے تحفۃ الواصلین (غیر موجود) میں، ابوالفضل نے آئین اکبری میں، عبدالصمد بن افضل محمد نے اخبار الاصفیا (خطی) میں، لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس (خطی) میں، مولانا محمد غوثی نے گلزار ابرار[۴] میں، محمد داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں، مولانا محمد بقا اور بختاور خاں نے ریاض الاولیاء[۵] میں ذکر کیا ہے۔ حضرت داتا صاحب کے حالات ہی

---

[۱] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، تالیف محمد غوثی طبع آگرہ ۱۳۲۶ھ ص: ۲۵ [۲] اس سلسلہ کی ایک کڑی "حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش" مؤلفہ پروفیسر شیخ عبدالرشید ہے، جسے مرکزی اردو بورڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

[۳] رسالہ ابدالیہ نمبر ۱۷۷۴، انڈیا آفس لائبریری لندن مشمولہ کشف المحجوب۔ [۴] اس کے خطی نسخے بعض لائبریریوں میں موجود ہیں مفتی غلام سرور نے داتا صاحب کے حالات کے سلسلے میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ [۵] کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۱۵

Marfat.com

قدیم ماخذ ہیں۔ ان کے بعد لالہ سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں ضمناً ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے لالہ گنیش داس وڈیرہ نے چار باغ پنجاب میں، مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاصفیا اور حدیقۃ الاولیاء میں، مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقاتِ چشتی میں حالات لکھے ہیں اور ان کے بعد کے مؤلفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند اور قابلِ استناد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح سن پیدائش بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ تاریخ وصال میں بھی اختلاف ہے۔ اور حضرت کے ورود لاہور کا مسئلہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔ غرض کہ حضرت داتا صاحب کے مستند حالاتِ زندگی، اسی قدر ملتے ہیں جتنے اُنھوں نے خود کشف المحجوب میں بیان کئے ہیں۔

نام و نسب

ابو الحسن کنیت، علی اسم گرامی ہے ——— مفتی غلام سرور نے بحوالۂ تاریخ متقدمین شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے۔

حضرت مخدوم علیؒ، بن عثمانؒ، بن سید علیؒ، بن عبدالرحمٰنؒ، بن شاہ شجاعؒ، بن ابو الحسن علیؒ، بن حسین اصغرؒ، بن سید زید شہیدؒ، بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بن علی کرم اللہ وجہہٗ[1]

مشہور ماہرِ علم انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (م ۱۳۸۱ھ) نے یہی شجرۂ نسب تاریخ جلیلہ[2] اور بزرگانِ لاہور میں درج کیا ہے۔ مگر پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ اور قوسین میں شجاع شاہ تحریر کیا ہے[3] اور درج ذیل نوٹ دیا ہے:

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم، ص: ۲۳۲

[2] تاریخ جلیلہ طبع دوم، ص: ۲۰۳

[3] بزرگان لاہور، ص: ۱۰۴

marfat.com

Marfat.com

"مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے، وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین، بن علی کے فرزند تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

آریانا دائرۃ المعارف میں حضرت داتا صاحب پر جو مختصر اور غیر تحقیقی مقالہ درج ہے اس میں لکھا ہے

"مولوی غلام سرور لاہوری در خزینۃ الاصفیاء در شرح حال او از سیادت او ذکر می نماید، فاز ماخذ خود نام نمی برد، جز اینکہ می گوید در تواریخ قدیم نسب او را چنیں شمردہ اند .... بہ ہر حال در ذکر نسب او آنچہ مورد اعتماد است و جامی و دارا شکوہ نیز آں را واثق دانستہ اند، ہماں ذکر مختصر یست کہ خود شیخ در کشف المحجوب نمودہ و دراں ہیچ گونہ اشارتی نہ تصریحاً و نہ کنایتاً بہ طرف سیادت خود نمودہ است تنہا در غزنی خانوادہ کہ خود را بہ شیخ منسوب و اولاد او می دانند خود را سید می شمارند۔"[1]

ترک نسب شانِ فقر اور نشانِ عشق ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اسی بنا پر سیدنا غوث الثقلین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصیدہ غوثیہ جو ایک خاص حالت میں لکھا گیا، کے سوا کہیں اپنے آپ کو سید نہیں لکھا۔ لہٰذا صاحب مقالہ مذکور کا اس طرف خیال جانا تعجب کی بات ہے۔ بہ ہر حال ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ دارا شکوہ سے دو سو سال پہلے فوت ہونے والے سید محمد نوربخش جو ماہر انساب بھی تھے نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب شجرۃ الاولیاء میں حضرت داتا صاحب کو سید لکھا ہے[2] اور جو یہ لکھا ہے کہ "غزنی میں وہ خانوادہ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ سے منسوب

---

[1] آریانا دائرۃ المعارف، جلد اول، طبع کابل، ص: ۱۲۰

[2] سلسلۃ الذہب شجرۃ الاولیاء، حصہ دوم، ص ۲۲

Marfat.com

کرتا ہے اور ان کی اولاد جانتا ہے اور اپنے آپ کو سادات میں شمار کرتا ہے۔" کچھ عجیب سی بات ہے۔ یہ لوگ حضرت داتا صاحب کے ہم جد ہوں گے۔

مولد و موطن

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ افغانستان کے شہر غزنی کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں :

"علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری۔"

دارا شکوہ لکھتا ہے :

"حضرت غزنی کے رہنے والے تھے۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے۔ پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے والد ماجد کی قبر غزنی میں ہے ...... اور ان کی والدہ محترمہ کی قبر بھی ان کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے، اور ان کے خاندان کے تمام افراد صاحب زہد و تقویٰ تھے[1] ...... میں ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں[2]۔"

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے تحریر کیا ہے۔

"زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ (زبیری صاحب) غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا[3]۔"

سال ولادت

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کا سال ولادت کسی قدیم کتاب میں درج نہیں۔ اس دور کے مؤلفین نے ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے :

---

[1] سفینۃ الاولیاء (فارسی) طبع کانپور ۱۹۰۰ء بار دوم، ص : ۱۶۴

[2] " " ص : ۱۶۵

[3] مقالات دینی و علمی، حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ۱۹۸۱ء ص : ۲۲۲

marfat.com

Marfat.com

"ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری دھاکہ میں یا گیارھویں صدی کے ابتدائی دھاکہ میں ہوئی ہوگی[۱] یعنی ۴۰۱ھ تا ۴۱۰ھ

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں :

"اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی"[۲]

ڈاکٹر معین الحق کی رائے یہ ہے :

"بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال ۴۰۰ھ لکھا ہے۔ لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔"[۳]

منشی محمد دین فوق رقم فرماتے ہیں :

"ان کی پیدائش کا فخر ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ کو حاصل ہوتا ہے۔"[۴]

سال ولادت کے باب میں مذکورۃ الصدر قیاس آرائیوں کی تائید رسالہ ابدالیہ سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی رسالۂ مذکور کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویری وقتاً فوقتاً محمود غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انھوں نے عنفوانِ شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔[۵] عنفوانِ شباب سے بیس اکیس سال عمر فرض کر سکتے ہیں۔ محمود ۴۲۱ھ میں فوت ہوا لہٰذا رسالہ ابدالیہ کی اس روایت کی بناء پر حضرت کا سالِ ولادت ۴۰۰ھ کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

بقولِ لین پول، محمود غزنوی ۳۸۸ھ/۹۹۸ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ گویا حضرت داتا صاحب، سلطان محمود کے دورِ حکومت میں اس وقت پیدا ہوئے۔ جب کہ وہ پاک و ہند پر متعدد بار حملہ آور ہو چکا تھا۔ اور حضرت داتا صاحب اس غازی کے پاس اس کی زندگی کے آخری دو برسوں میں آتے جاتے رہے ہوں گے۔

---

۱ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن، ص ۱۱ (دیباچہ) ۲ مقالات دینی وعلمی، ص : ۲۲۲

۳ معاشرتی وعلمی تاریخ طبع کراچی ص : ۲۱ ۴ داتا گنج بخش ص : ۵

۵ فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری مرتبہ ایتھے، ۱۰۷۴ اور دیباچہ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن، ص : ۱۰

Marfat.com

اساتذہ

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ علوم ظاہری و باطنی کے بحرِ زخار تھے۔ ان کی یہ فضیلت اسی کی واضح دلیل ہے۔ کہ انھوں نے متعدد علماء و فضلاء سے اکتساب علوم کیا ہوگا۔ مولانا جامی نے صرف "عارف و عالم بودہ" لعل بیگ لعلی نے "در فنون علوم ماہر بود" اور مفتی غلام سرور نے "جامع بود میاں علوم ظاہر و باطن" لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مگر کشف المحجوب جہاں داتا صاحب کے مختصر حالات سے آگاہ کرتی ہے وہاں ان کے ایک باقاعدہ استاد کے نام نامی کی بھی نشاندہی کرتی ہے ــــ حضرت نے اپنے ایک اُستادِ گرامی حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں،

"مرا با وی انسی عظیم بود و وی را بر من شفقتی صادق، و در بعضی از علوم استادِ من بود ....."[1]

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ جواں عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے۔ انھیں فطرتاً ولی اللہ ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ یعنی وہ بطنِ مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔ صاحب رسالۂ ابدالیہ کا بیان ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری نے سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کی موجودگی میں بمقام غزنی ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کیا اور اسے اپنی روحانی قوت سے ساکت و صامت کر دیا[2] ــــ ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ سلطان محمود کی زندگی کے آخری برسوں میں ہوا ہوگا اور اس وقت حضرت کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔

مرشدِ ارشد

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی[3]

---

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۲۱۰

[2] دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ از نکلسن) ص: ۱۰

[3] خُتّل یا خُتلان، بدخشاں کے مغرب میں دریائے جیحوں کے دائیں کنارے پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔

marfat.com
Marfat.com

قدس سرۂ (م ۳۵۷ھ) سے بیعت تھے۔ شجرۂ طریقت سلطان ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے :

"حضرت شیخ علی ہجویری مرید شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی کے وہ مرید حضرت شیخ حصری کے وہ مرید شیخ ابو بکر شبلی کے وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید شیخ سری سقطی کے وہ مرید حضرت معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے، وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے وہ مرید حضرت حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیر و مرشد کے علوِ مقام کے بارے میں لکھتے ہیں :

"صوفیۂ متاخرین میں سے اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی ہیں۔ طریقت میں میری اقتدا (بیعت) ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر اور روایات (حدیث) کے عالم تھے ۔ اور تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت حصری کے رازدار مرید تھے، ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ صحیح گوشہ نشینی کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور مخلوق کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ زیادہ تر جبلِ لکام[۱] میں قیام پذیر رہے۔ عمر طویل پائی۔ اپنی ولایت کی بہت سی دلیلیں اور نشانیاں رکھتے تھے لیکن صوفیہ کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسوم میں جکڑے ہوئے صوفیوں سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کو با ہیبت نہیں دیکھا"[۲]

جس روز حضرت ختلی کا وصال ہوا حضرت داتا صاحب ان کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشدِ ختلی نے مرید ہجویری کی گود میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی تھی۔ اس واقعہ

---

[۱] جبلِ لکام، سلسلۂ کوہ لبنان کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور مصیصہ سے متصل ہے

[۲] کشف المحجوب طبع تہران، صفحہ: ۲۰۸

Marfat.com

کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے گھاٹی پر جو بانیار (رود بانیاں) اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ دم رحلت ان کا سر میری گود میں تھا، اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ اس حالت میں انھوں نے فرمایا: اے بیٹا میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عز و جل ہے، لہٰذا اس کے کسی فعل پر کبیدہ نہ ہونا، اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا ــــ اس کے سوا اور کوئی لمبی وصیت نہیں کی اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔"[۱]

حضرت بایزید بسطامی اور مشائخ طیفوریان (رحمہم اللہ) سُکر کو ترجیح دیتے تھے۔ اور حضرت جنید اور ان کے پیرو صحو کو سکر پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ختلی اور حضرت ہجویری (رحمہما اللہ) جنیدی ہونے کی وجہ سے صحو کی افضلیت کے قائل تھے۔ کشف المحجوب میں اپنے مرشد کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ سُکر بازیچۂ اطفال اور صحو مردوں کا میدان فنا ہے:

"شیخ من گفتی و وی جنیدی مذہب بود کہ سکر بازی گاہ کودکان است و صحو فنا گاہ مردان و منکہ علی بن عثمان الجلابی ام، می گویم: بر موافقت شیخم"[۲]

سید محمد نوربخش رحمہ اللہ (م ۸۶۹ھ) بانی سلسلہ نوربخشیہ، جن کے سلسلے کے منتسبین اپنے شیخ کے مسلک سے ہٹ کر گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں، نے حضرت داتا صاحب کو دو بزرگوں شیخ ختلی اور شیخ ابو القاسم گرگانی کا مرید و خلیفہ لکھا ہے:

"..... حضرت علی ہجویری ہم از یں سلسلۂ (جنیدیہ) منسلک است

---

[۱] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۱۰۹

[۲] ایضاً ص: ۲۳۲

marfat.com

Marfat.com

کہ او مرید (دو) خلیفہ دو مشائخ اند ، یکے شیخ ابوالقاسم گرگانی .... دوم شیخ ابوالفضل ابن ختلی .....[1]

مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ گرگانی ، داتا صاحب کے شیخ صحبت یا شیخ تربیت ہیں نہ کہ پیر بیعت۔

ہم عصر مشائخ سے استفادہ

حضرت شیخ ختلی کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کے فیض صحبت و شرف مکالمت سے بہرہ یاب ہوئے جن کا ذکر خیر کشف المحجوب میں مسطور ہے۔ مثلاً ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی قدس سرہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں :

"مرا بادی اسرار بسیار بود و اگر باظہار آیات مشغول شوم از مقصود باز مانم"[2]

ابوالقاسم امام قشیری قدس سرہٗ سے بھی صحبتیں رہیں۔ اور ان کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے :

"استاد امام و زین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانۂ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ و معلوم ست اہل زمانہ را از روزگار وی و انواع فضلش ، اندر ہر فن وی را لطائف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ باتحقیق و خداوند تعالیٰ حال وزبان وی را از حشو محفوظ گردانیدست"[3]

حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی قدس سرہٗ کے ساتھ ماوراء النہر میں محبت و دوستی رہی۔ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں :

---

[1] کتاب سلسلۃ الذہب مشجرۃ الاولیاء از سید نور بخش۔ طبع لاہور ۱۹۰۲ء حصہ دوم۔ ص - ۲۲

[2] کشف المحجوب طبع تہران - ص : ۲۱۲

[3] ایضاً ص : ۲۰۹

Marfat.com

"خواجہ احمد حمادی سرخسی مبارز وقت و مدتی رفیق من بود و از کار وی عجائب بسیار دیدم، وی از جواں مردانِ متصوفہ بود ..." [1]

حضرت ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی قدس سرہٗ، جو صاحب تصانیف عالم و عارف تھے، ان کی تصانیف ان ہی کے روبرو پڑھیں:

"شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی از روسا متصوفہ بود و زبانی نیکو داشت اندر تحقیق، و میلی عظیم داشت بہ حسین بن منصور و بعضی از تصانیف وی بر و خواندم۔" [2]

حضرت ابو سعید ابو الخیر، شیخ ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمہما اللہ اور متعدد دیگر اولیاء اللہ سے ملاقاتوں کا حال کشف المحجوب کے مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ صرف خراسان میں تین سو صوفیہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ [3]

حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ

لعل بیگ لعلی نے لکھا ہے حضرت شیخ علی ہجویری بہت سے اولیاء وقت کو ملے اور ان کے ہم صحبت رہے نیز حضرت خضر علیہ السلام سے گہری دوستی رکھتے تھے اور ان سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا:

"و بسیاری از اولیا روقت را دریافتہ و با ایشاں ہم صحبت بودہ و با خضر علیہ السلام دوستی عظیم داشتہ و از وی علم ظاہری و باطنی فرا گرفتہ" [4]

حنفی المذہب

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی المذہب تھے، سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اسی سبب سے انھوں نے امام موصوف کا نام نامی و اسم گرامی

---

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۲۱۶

[2] کشف المحجوب طبع تہران، ص ۲۱۱

[3] کشف المحجوب طبع سمرقند، ص: ۲۱۶

[4] ثمرات القدس خطی (ملک صاحبزادہ حضرت نوشاہی، دستگیر شریف)

marfat.com

Marfat.com

نہایت تعظیم و تکریم سے اس طرح رقم فرمایا ہے:

"امام اماماں و مقتدائی سنّیاں، شرف فقہاء و عزِ علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ" [1]

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کمالات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنا ایک ایمان افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے، فرماتے ہیں:

"میں ملک شام میں تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضۂ اطہر کے سرہانے سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے ہیں اور ایک بزرگ شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں جس طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار کے پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں جنہیں حضور نے اٹھایا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ قوت معجزہ میرے اس باطنی خیال سے آگاہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا: یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے۔ مجھے اس خواب سے اپنے آپ اور اپنے وطن والوں سے بڑی امیدیں قائم ہو گئیں، اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی و قائم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے حامل اور رہبر خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انھیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ باقی الصفت ہیں اور جو باقی الصفت ہوتا ہے وہ اجتہادی امور میں مخطی ہوتا ہے یا مصیب۔ چونکہ انھیں اٹھا کر لے جانے والے حضور پر نور ہیں اس لئے وہ اپنی ذاتی صفات سے فانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے باقی ہیں۔ جب پیغمبر سے کسی خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے اس سے بھی خطا کا صدور ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف رمز ہے۔" [2]

نکاح

عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں:

"قید ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی، البتہ ایک مقام پر آپ جیسی

---

۱ کشف المحجوب طبع سمرقند۔ ص ۱۱۷ ۔ ۲ کشف المحجوب۔ طبع سمرقند۔ ص: ۱۲۱

Marfat.com

یوں بیان کر دیا کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان ہے اتنا مجمل کہ تفصیلات کا کچھ پتا نہیں چلتا، لکھا ہے[1]

"منکہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم بتقدیر وی بفتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ با من کردند بی آنکہ رویت بودہ و یک سال مستغرق بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود، تا حق تعالیٰ مرا بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد للہ علی جزیل نعمائہ۔"[2]

پروفیسر نکلسن نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

"ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔"[3]

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

"شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آیند ثابت نہ ہوا۔"[4]

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

"میسور (۲۸۹) یہ خیال کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے۔"

سید صباح الدین عبدالرحمٰن رقمطراز ہیں:

"تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔"[5]

مگر اسی مجمل عبارت سے جناب محمد دین فوق مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت نے ایک شادیاں کیں، لکھتے ہیں:

"حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی کہاں ہوئی، جہاں انھوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ "گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا۔ اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے

---

[1] تصوف اسلام، طبع سوم، ص: ۴۷ [2] کشف المحجوب طبع سمرقند، ص: ۲۲۰
[3] دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ نکلسن)، ص: ۱۰
[4] مقدمہ کشف المحجوب، مسند مولوی محمد شفیع ۱۹۳۵ء، ص: ۲ [5] بزم صوفیہ، ص: ۶

marfat.com

Marfat.com

ہی گرفتار ہو گیا ــــ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی"

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں :

"چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں "ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی"۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تادم وصال نکاح کا نام نہیں لیا......" [1]

فوق صاحب نے اس عبارت کا ٹھیک ترجمہ نقل نہیں کیا اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی درست نہیں۔ لہٰذا زیر بحث اقتباس کا ترجمہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

داتا صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں :

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا ــــ مگر بہ تقدیر الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہو گیا اور میرا ظاہر و باطن اس (کسی عورت) کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہو گیا۔ اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا ــــ چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف اور فضل تمام سے عصمت (گناہ سے بچنے کی قوت) کو میرے بیچارہ دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے (اس فتنہ) سے نجات دلائی" [2]

اس عبارت پر غور کیا جائے تو حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

(۱) حضرت نے نکاح کیا تھا، مگر اہلیہ جو ان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں۔ پھر گیارہ سال

---

[1] داتا گنج بخش مطبوعہ ۱۹۵۷ء ص : ۱۳ - ۱۴   [2] کشف المحجوب طبع سمرقند ص : ۳۶۶

Marfat.com

تک تزویج کے تصور و خیال سے بھی ناآشنا رہے۔

(ب) گیارہ سال بعد ایک عورت جسے اُنھوں نے دیکھا بھی نہیں تھا، محض دوسروں سے اس کی خوبیاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں اسیر ہو گئے اور ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔

(ج) صوفیہ کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا ابتلا میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گرفتاری کو مصیبت و آفت سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ تو قدرت الٰہی نے انھیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور مظاہر محسوسہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں، وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں:

ہر کہ شد در عشق صورت مبتلا ہم از آں صورت فتد در صد بلا

حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شادی کی تھی، اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے، جسے اُنھوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا۔ لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔

تصانیف

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نو دیگر تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے۔ بہرحال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ دیوان۔ اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا (کشف، ص ۲) مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ اشعار عربی میں تھا یا فارسی میں، اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا۔ اس کے باوجود کشف الاسرار کے واضع نے ان کا اصلی تخلص گھڑ کر ایک غیر معیاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔

۲۔ کتاب فنا و بقا۔ مسئلہ فنا و بقا میں (کشف، ص: ۹۷)

۳۔ اسرار الخرق و المؤنات۔ ظاہری اور باطنی مرقعہ کے آداب میں (کشف، ص: ۹۳) اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں اسرار الخرق و الملونات درج ہے۔

marfat.com

Marfat.com

۴۔ الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ: مسائل توحید پر (کشف، ص: ۳۹۰) اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ متوفی ۲۴۰ھ کی بھی ہے جو کشف المحجوب کے ماخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

۵۔ کتاب البیان لاہل العیان۔ در معنی جمع و تفرقہ (کشف، ص: ۳۳۳)

۶۔ نحو القلوب۔ مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے (کشف، ص: ۳۳۳)

۷۔ منہاج الدین۔ طریقت تصوف اور مناقب اصحاب صفہ میں ہے اور حسین بن منصور حلاج کا حال بھی بیان کیا ہے (کشف ص: ۲، ۹۶، ۱۹۲) دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

۸۔ ایمان۔ ایمان اور اثبات اعتقاد مشائخ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام نہیں بتایا (کشف، ص: ۳۶۸)

۹۔ شرح کلام منصور۔ حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح (کشف، ص: ۱۹۲)

ژوکوفسکی کا سہو۔۔۔ فاضل موصوف نے حضرت شیخ کی تصانیف میں ایک نام فرق فرق دیا ہے۔[1] حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کشف المحجوب کے ایک باب کا نام ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب نے بغداد شریف کے نواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کا مدعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندقیت کو سہارا دیتا تھا اور حلاج کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا، جس طرح کہ روافض حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں غلو کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"اندر رد کلمات ایشان بابی بیاورم اندر فرق فرق انشاء اللہ عزوجل"[2]

"بابی بیاورم" سے ژوکوفسکی کا ذہن ایک مستقل تصنیف کی طرف منتقل ہو گیا حالانکہ اس کی مصحح و محشی کشف المحجوب کا تیرھواں اور مطبوعہ سمرقند کا یہ چودھواں باب ہے۔

"باب فی فرق فرقہم و مذاہبہم و آیاتہم و مقاماتہم و حکایاتہم"[3]

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب از ژوکوفسکی طبع تہران، ص: ۵۰ [2] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۱۹۲
[3] کشف المحجوب طبع تہران، ص ۲۱۸

Marfat.com

کشف الاسرار: آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحب کی طرف منسوب ہے جو غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا[1]۔ پھر اس کے متعدد اردو ترجمے شائع ہوئے۔ طرفہ یہ کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استناد کرتے رہے، حالانکہ یہ رسالہ بزبانِ حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل مقالہ پیر کبھی لکھا جائے گا۔ سردست اس کی صرف نقاب کشائی کرنا مقصود ہے۔

(ا) کشف الاسرار کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ یہ سبکِ ہندی میں ہے اور کشف المحجوب کی نثر دورِ اول یعنی دورِ سامانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب) اس کا مؤلف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور و معروف بزرگ کے نام سے مشتہر دیکھنے کا خواہاں تھا، یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو داتا صاحب سے پہلے کا بزرگ ثابت کر کے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا[2]، علمی اعتبار سے بھی بے مایہ ہے۔

(ج) یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے یعنی حضرت داتا صاحب کے کئی سو سال بعد ـــــ مگر کشف الاسرار کا واضع لکھتا ہے:

"بعنم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مُشت گرد ہستی"[3]

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے ابا جان کا تذکرہ لکھنے بیٹھیں تو یہ بیان فرمائیں کہ وائسرائے ہند نے انھیں اعلیٰ خدمات کے صلے میں ستارۂ خدمت کا خطاب عطا کیا تھا۔

---

[1] اس رسالہ پر سنِ اشاعت تحریر نہیں، مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ہے کہ چھ ورق کا ایک رسالہ فقر نامہ مشہور بہ کشف الاسرار کے نام سے کشف المحجوب ہی پر مبنی کر کے شاید ۱۸۷۰ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔ (مقالاتِ دینی و علمی حصہ اول ص: ۱۲۸)

[2] حضرت داتا صاحب کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر کئی اور مزاروں کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ داتا صاحب سے پہلے کے بزرگ ہیں اور داتا صاحب یہاں حاضری دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیوں کے مزارات (قبور بی بیانِ پاکدامن) کے مجاوروں نے دورِ آخر کے مؤلفوں سے یہ لکھوا دیا کہ یہ سید زادیاں کربلا کے حادثۂ فاجعہ کے بعد لاہور آ گئی تھیں۔ اسی طرح حضرت پیر کی کے مجاوروں سے غلام سرور مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر کی کو حضرت داتا صاحب کا اُستاد کہنے سے بھی نہیں چوکتے وغیرہ وغیرہ۔ [3] کشف الاسرار طبع لاہور ص ۴

marfat.com

Marfat.com

(ہ) لکھا ہے ...... پسری تولد شد امام بخش نام نہادند[1] ......"

ظاہر ہے کہ داتا صاحب کے زمانہ میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

(و) آخر رسالہ میں تحریر ہے:

"از گفتۂ من رنجی نہ کنی و غصہ نہ کنی کہ من راست گفتہ ام ع

بر رسولاں بلاغ باشد و بس"[2]

سعدی کا مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

(ز) لکھا ہے:

"اے علی! ترا خلق می گوید گنج بخش وانہ پیش خود نہ داری

در دل خود جا مدہ کہ پندار است گنج بخش و رنج بخش حق است"[3]

کشف الاسرار پر اعتماد کرنے والے مؤلفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی ہجویری اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہو گئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ نے انھیں گنج بخش کہا، قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(ح) اس وضاع (مؤلف کشف الاسرار) کی دین سے خبرداری ملاحظہ ہو:

"در تفسیر آمدہ است و از حسام الدین لاہوری شنیدم اگر

مردی بر گور مادر و پدر سجود کند کافر نمی شود"[4]

اب کشف الاسرار اور کشف المحجوب کے بیانات میں تضاد ملاحظہ ہو:

کشف الاسرار	کشف المحجوب
از قبلۂ خود شنیدہ بودم زاد من ہجویر است[5]	علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری

---

[1] کشف الاسرار طبع لاہور، ص: ۱، [2] کشف الاسرار، ص ۸ [3] کشف الاسرار، صفحہ: ۵،
[4] کشف الاسرار ص: ۳ [5] کشف الاسرار ص: ۴

Marfat.com

یعنی ہجویریان کا دوسرا مسکن تھا۔

"..... بمعشوق بگزیں و جان خود را فدای او کن دیگر کہ اگر جان در سر او فدا شود، رواست۔" [۱]

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از بس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم بتقدیر وی بفتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ با من کردند بی آنکہ رویت بودہ یک سال مستغرق بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت باستقبال دل بیچارۂ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد للہ علی جزیل نعمائہ" [۲]

حضرت داتا صاحب عشق مجازی سے نجات پر خدا کا شکر بجا لا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا مگر صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کر رہا ہے۔ اگر اس سے عشق حقیقی مراد ہو تو بھی یہ داتا صاحب کا انداز بیان نہیں ہے۔

چوں در ہندوستان آمدم نواحی لاہور را جنت مثال یافتم [۳]

من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است در میان ناجنساں گرفتار شدہ بودم [۴]

کشف المحجوب کی عبارت تو یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت داتا صاحب لاہور میں اپنے آپ کو ناجنسوں میں قید مجبور رہے ہیں اور کشف الاسرار ان کے لئے اس ماحول کو جنت مثال قرار دے رہی ہے اور داتا صاحب کے زمانے میں لاہور کو لہانور یا لہاور وغیرہ لکھا جاتا تھا۔ لاہور اس وقت نہیں لکھا جاتا تھا۔

---

[۱] کشف الاسرار، ص: ۲

[۲] کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص: ۴۲۷

[۳] کشف الاسرار، ص: ۳

[۴] کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص: ۱۵۱

marfat.com
Marfat.com

"بیت و اشعار بسیار گفته ام دیوانی گفتم بسیار طبعها و پسندیده و از تطرّ خود گزیبان برآمده: اے طالب من! ہر روز برائے دیدن دیدار یار می روم، لیکن گاہی گاہی بنظر من آں ماہ خنداں می آید و دیوان را بدیں حالت گفته بودم وقتی کہ روی یار دیدمی غزل اندہا نم بے فکر برآمدی میان فکری نکرده ام۔ [۱]

.......: مرا ایں حادثہ افتاد دو بار: یکی آنکہ دیوان شعرم کسی بخواست و باز گرفت و اصل نسخہ جز آں نہ بود، آں جملہ بگردانید و نام من از سرِ آں بیفگند و سعیِ من ضائع گردانید تاب الله علیہ۔" [۳]

کشف الاسرار کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ یہ اندازِ بیان اور طرزِ زندگی صاحبِ کشف داتا صاحب کا نہیں ہے۔ اور انھوں نے اپنے دیوان کے سرقہ کا ذکر بڑے دکھ کے ساتھ کیا ہے نیز پوری کشف المحجوب میں اپنا کوئی شعر درج نہیں کیا۔ مگر اس وضاع نے ایک غیر معیاری غزل اور دو شعر بھی ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔

قارئین کرام کی تفریحِ طبع کے لئے ایک اور اقتباس نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں:

"پیری بُود شیخ بزرگ نام او شان مرا گفتند کہ اے علی کتابی درین عصر تصنیف بکن کہ یادگاری تو باند گفتم یَا اَیُّهَا الشَّیْخُ اِنْ لَا یَعْلَمْ مَنْ عَلِمَ بسیار چیپید سن من الحال اِثنا عشر کہ ہستند، درمیان ہمیں عمر در بلدۂ ہجویر تصنیف کرده ام، او را دادم او مرا گفت کہ تو بزرگ خواہی شد...." [۲]

اس زبان کی خوبیاں اور لطافتیں تو عیاں ہی ہیں مگر کشف المحجوب میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا —— تفریحِ طبع کا سامان اس میں یہ ہے کہ اس کا مؤلف چونکہ لاہور کا باشندہ ہے اور یہاں بے حد اصرار کرنے والے کو کہتے ہیں "چمڑا ہی گیا ہے" یعنی چمٹ ہی گیا ہے۔ لہٰذا اس نے شیخ بزرگ کے بہت زیادہ اصرار کو "بسیار چیپید" سے

---

[۱] کشف الاسرار، ص: ۷

[۲] کشف الاسرار، ص: ۳

[۳] کشف المحجوب، ص ۲۰

Marfat.com

کے ذریعے واضح کیا ہے۔

کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف کشف المحجوب جو انھوں نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے۔ نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے[1] اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ کشف المحجوب کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے۔ اور شک و شبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اکابر اولیاء اللہ نے خود اس سے استفادہ کیا اور طالبانِ حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامانِ ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف فصوص الحکم وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

---

[1] اگرچہ "کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف" (عربی) تالیف امام ابوبکر بخاری کلابادی قدس سرہٗ (م ۳۸۰ھ یا ۳۹۰ھ) کی نفیس فارسی شرح بنام "شرح تعرف" تالیف امام ابراہیم بن اسمٰعیل مستملی بخاری قدس سرہٗ (م ۴۳۴ھ) جو ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں پہلی بار لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی تھی۔ مگر یہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ عربی متن (تعرف) کی فارسی شرح ہے۔

marfat.com

Marfat.com

وجہ تسمیہ و کیفیت کشف المحجوب

کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے جو انھوں نے جناب ابو سعید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر لکھی اور ان کے سوالات کی اساس پر یہ نورانی صحیفہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور غایت تصنیف حضرت شیخ کے قلم اعجاز رقم نے یہ لکھی ہے۔

"یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو کشف المحجوب (پنہاں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع اور مطالب کو عیاں کر دے اور اہل بصیرت اس کا نام سنتے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح رہے کہ اولیاء اللہ اور عزیزان بارگاہ خداوندی کے سوا تمام عالم (دعالمیان) رموز و اسرار خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب و مستور ہیں، چونکہ یہ کتاب سیدھی راہ بتانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح و توضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لہٰذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حجاب کا اٹھنا محجوب (پوشیدہ) کی موت ہوتا ہے۔ اسی طرح حجاب کا آنا مکاشف (ظاہر شدہ) کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔۔۔" [1]

حضرت نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تحریر فرمائی اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔ وہ ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں:

"اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہیں، اس لئے کہ میری کتابیں غزنی (حرسہا اللہ) میں رہ گئی ہیں اور میں ہند کے شہر لاہور میں جو مضافات ملتان میں سے ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں" [2]

حضرت نے اپنی کتابوں کے غزنی رہ جانے کا جو ذکر کیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھا جانا چاہئے کہ ان کے پاس کتابیں بالکل نہیں تھیں بلکہ وہ شاکی اس کے ہیں کہ ایک متبحر عالم اور فاضل مصنف کو جس بہتات

---

[1] کشف المحجوب طبع تہران، ص: ۴ [2] کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص: ۱۱۵

Marfat.com

سے کتابوں کی ندرت ہوتی ہے، وہ یہاں پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

"امام قشیری کی طرح شیخ ہجویری نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب[1] لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، شیخ کے خیالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گیرائی ہے، تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں، اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی، حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔"[2]

پھر لکھتے ہیں:

"شیخ ہجویری کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں"[3]

شیخ ابو سعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویری نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعہ تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچایا ہے"[4]

کشف المحجوب

صوفیۂ کرام اور مورخین کی تقریظیں

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہٗ (م ۷۲۵ھ) کی نہایت اہم بات ان کے ملفوظات دُررِ نظامی (خطی)[5] مرتبہ شیخ علی محمود جاندار میں درج ہے:

---

۱ نظامی صاحب نے یہ فیشن کے طور پر لکھ دیا ہے۔ ورنہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں۔

۲ تاریخ مشائخ چشت طبع دہلی، بار اول ۱۹۵۲ء، ص ۹۰

۳ ایضاً، ص ۹۹

۴ ایضاً، ص ۱۰۲

۵ دُررِ نظامی کا اردو ترجمہ دہلی سے چھپ چکا ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔

marfat.com

Marfat.com

"ومی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ سرہ العزیز
اگر کسے را پیرے نہ باشد، چوں ایں را مطالعہ کند او را پیدا شود......
من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام"[1]

چنانچہ حلقہ بگوشان حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، جن کتب تصوف کے مطالعہ کے شائق تھے ان میں کشف المحجوب شامل تھی۔ برنی لکھتا ہے:

"واشراف و اکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند در مطالعہ کتب سلوک و صحائف احکام طریقت مشاہدہ می شد و کتاب قوت القلوب و احیاء العلوم و ترجمہ احیاء العلوم و عوارف و کشف المحجوب و شرح تعرف و رسالہ قشیری و مرصاد العباد و مکتوبات عین القضاۃ و لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری و فوائد الفواد امیر حسن را بواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند و مردمان بیشتر از کتابیان از کتب سلوک و حقائق باز پرس کردندی"[2]

سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۳۰ھ) خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد ارشد (حضرت رکن الدین) کی شان میں متعدد مدحیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نظم میں اپنے مرشد کے کمالات کو تیس معتبر کتب کے اسماء سے بیان کیا ہے۔ کشاف اور کشف المحجوب کی بندش ملاحظہ ہو۔

گشت کشاف کشف ہم محجوب ــــــ فہم تو اے فہیم ذوالاقدار[3]

شہزادہ محمد دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ) نے لکھا ہے:

"حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بران سخن نیست و مرشدی است کامل

---

[1] بحوالہ تصوف اسلام از عبدالماجد دریابادی طبع اعظم گڑھ، بار سوم، ص: ۵۲

[2] تاریخ فیروز شاہی برنی سر سید ایڈیشن کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص: ۳۴۶

[3] گلزار (دیوان حاکم)، مرتبہ تائب طبع لاہور ۱۹۳۶ء، ص: ۱۳۰

Marfat.com

در کتب تصوف بجز آن در زبان فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ" [1]

شیخ محمد اکرم براسوی صابری علیہ الرحمۃ (م ۱۱۵۹ھ) اپنی مشہور تصنیف اقتباس الانوار جو ۱۱۳۲ھ میں لکھی گئی، میں رقم طراز ہیں:

"صوفیہ کے طبقۂ اول میں علوم و اسرار مشائخ، طالبوں کو رموز و اشارات میں تعلیم کئے جاتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور چند تصانیف بھی ان کی تھیں، جنہیں عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے. مگر طبقۂ ثانی میں جب سید الطائفہ جنید بغدادی، خواجہ ابوالحسن نوری، خواجہ ابوسعید خراز اور خواجہ ابوبکر شبلی کا دور دورہ ہوا تو انھوں نے رموز و اشارات یعنی اخفا کے طریقہ کو ترک کرکے طالبوں کو ان علوم کا علانیہ درس دینا شروع کر دیا، اس وقت سے ہر سلسلہ کے مشائخ نے تصوف پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی لہٰذا اس موقع پر صرف ان چند معتبر کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا مطالعہ جمیع مشائخ کا معمول ہے۔ پہلی کتاب جو خانوادۂ جنیدیہ میں لکھی گئی طبقات صوفیہ تصنیف ابو عبدالرحمن سلمی ہے، اور اس کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری غزنوی جنیدی نے کشف المحجوب لکھی ....." [2] (ترجمہ بتغییر یسیر)

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

"شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب از مشہور و معروف ترین کتب وی است و ہیچ کس را بروی جائے سخن نی، بلکہ پیش ازیں در کتب تصوف ہیچ کتابی بہ زبان فارسی تصنیف نہ شدہ بود" [3]

محمد بن عبدالوہاب قزوینی (ایران) مقدمہ تذکرۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں:

---

[1] سفینۃ الاولیاء طبع کانپور، ص ۱۶۳

[2] اقتباس الانوار (فارسی)، مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ۱۸۹۵ء، ص ۲۹

[3] خزینۃ الاصفیاء طبع لکھنؤ، جلد دوم، ص ۲۳۲۔

marfat.com
Marfat.com

"ولی در زبانِ فارسی آنچه در نظر است دو کتاب است کہ قبل از
تذکرۃ الاولیاء تالیف شدہ: یکی کشف المحجوب لارباب القلوب[1] لابی الحسن علی
بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی المتوفی سنہ ۴۶۵ ....
و دیگر ترجمہ طبقات الصوفیہ .... للسلمی کہ آں را شیخ الاسلام
ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری الخزرجی المتوفی ۴۸۱ھ در مجالسِ وعظ
و تذکیر املا نمودہ"[2]

کشف المحجوب
بحیثیت مأخذ کتبِ تصوف

کشف المحجوب کو صوفیۂ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں
کا مآخذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے —— حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ
علیہ (م ۶۲۷ھ) نے اپنی معروف ترین کتاب تذکرۃ الاولیاء میں کشف المحجوب سے صوفیۂ
متقدمین کے حالات اور ان کے اقوال معمولی سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ نقل کیے ہیں۔
ملک الشعرا بہار نے لکھا ہے:

"عطار ظاہراً از کتاب کشف المحجوب استفادہ کردہ است و غالباً
عبارات آں بدونِ ذکرِ خودِ کتاب یا مؤلف با اندک تصرفی کہ تبدیل کنندہ
بنو باشد نقل نمودہ است"[3]

ملک الشعرا بہار نے سبک شناسی (ص: ۲۰۹-۲۰۶) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش
کی ہیں۔

---

[1] کشف المحجوب کے نام کے ساتھ "لارباب القلوب" کا اضافہ غلط ہے اس غلطی کا سبب آئندہ بیان ہوگا۔

[2] مقدمہ تذکرۃ الاولیاء طبع تہران بار سوم، ص۔ ۸

[3] سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی از شاعر دوران محمد تقی بہار "ملک الشعرا" جلد دوم
طبع تہران بار دوم، ص: ۲۰۶

Marfat.com

روسی مستشرق ژدکوفسکی کی تحقیق یہ ہے:

"شیخ عطار در تذکرۃ الاولیا، خود مکرر از کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی استفادہ کردہ و در موارد متعدد بدون ذکر مأخذ، از او اقتباسات کردہ است و در اغلب ایں موارد فقط بذکر عبارت (نقلست) اکتفا ورزیدہ"[1]

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں صرف دو مقام پر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کا اسم گرامی تحریر کرکے ان کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اول سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (م ۱۵۰ھ) کے حالات میں[2]۔ دوم: حضرت ابن عطا رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۳۰۹ھ) کے ذکر میں[3]۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا استفادہ:

نفحات الانس میں مولانا جامی نے کشف المحجوب سے چند بزرگوں کے حالات لئے ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ ختلی قدس سرہٗ کے حالات کشف المحجوب ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اخذ و استفادہ کیا ہے۔ ــــــ اس موقع پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ زمانۂ قدیم میں اخذ و استفادہ کا یہی طریقہ تھا لہٰذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ (م ۷۸۲ھ) اپنے مکاتیب شریفہ میں کشف المحجوب کی عبارات بطورِ سند نقل کرتے ہوئے، حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

"صاحب کشف المحجوب کہ مقتدای عصر خود بودہ است"[4]

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ (م بعد از ۸۲۵ھ) کے مجموعۂ ملفوظات

---

[1] ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب مصحح ژدکوفسکی طبع تہران، ص: ۱۰

[2] تذکرۃ الاولیاء، طبع لاہور، ص: ۱۳۴، طبع تہران حصہ اول، ص: ۱۹۰

[3] ایضاً، ص: ۳۵۰، طبع تہران حصہ دوم، ص: ۵۸

[4] سہ صدی مکتوبات از شیخ یحییٰ منیری، طبع لاہور ۱۳۱۹ھ حصہ اول، ص: ۲۹۰

marfat.com

Marfat.com

لطائف اشرفی مرتبہ حضرت نظام غریب یمنی میں متعدد مقامات پر کشف المحجوب کے حوالے ملتے ہیں: مثلاً

۱۔ "می فرمودند کہ صاحب کشف المحجوب را . . . . ."[1]

۲۔ "صاحب کشف المحجوب گوید . . . . ."[2]

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲۲ھ) کا استفادہ:

حضرت خواجہ پارسا نے اپنی مایۂ ناز تصنیف فصل الخطاب کی متعدد فصول اور مختلف مقامات پر کشف المحجوب کی عبارتیں نقل کی ہیں اور نہایت تعظیم و تکریم سے حضرت داتا گنج بخش کا ذکر کیا ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"شیخ عالم، عارف، زاہد، مجاہد شیخ الشیوخ قدوۃ اہل الطریقۃ کاشف اسرار الحقیقت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی رحمہ اللہ کہ از اقران سلطان طریقت و برہان حقیقت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر فضل اللہ بن محمد بن احمد المیہنی است قدس اللہ تعالیٰ روحہ و اقتدای ہر دو بزرگوار طریقت بزین اوتاد و شیخ عباد ابوالفضل محمد بن الحسن السرخسی است قدس اللہ روحہ در کتاب کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است . . . . ."[3]

التباس حضرت پارسا رحمہ اللہ

حضرت خواجہ پارسا رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری اور حضرت ابوسعید بن ابی الخیر (رحمہما اللہ) حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی رحمہ اللہ کے مرید تھے، صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے پیران طریقت کا ایک ہی نام تھا مگر مسکن

[1] لطائف اشرفی طبع دہلی ۱۲۹۵ھ، جلد اول، ص ۱۶۲، س ۱۵۔

[2] ایضاً جلد دوم، ص ۵۸، س ۱۹

[3] فصل الخطاب خطی، ص ۲ (مملوکہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ العالی۔ لاہور) یہ کتاب تاشقند سے طبع ہو چکی ہے لیکن یہاں کمیاب ہے۔

Marfat.com

علیحدہ علیحدہ ــــ محض ہم نامی کی وجہ سے انھیں یہ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت ابو سعید کے حالات کے سلسلے میں کشف المحجوب میں بتایا گیا ہے کہ ان کے مرشد سرخس میں رہتے تھے۔

"دران وقت والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن بود۔"[1]

مولانا جامی قدس سرہٗ نے شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہٗ کے حالات کے شروع میں لکھا ہے :

"شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہٗ نام وی محمد بن الحسن است، وی مرید ابونصر سراج است : پیر شیخ ابوسعید ابوالخیر"[2]

پھر شیخ ابوسعید کے حالات میں رقم فرمایا ہے :

"پیر وی در طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔"[3]

ہم نامی کی وجہ سے جو التباس و اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر حضرت داتا صاحب نے مرشد ارشد کے حالات لکھتے وقت شروع ہی میں وضاحت کر دی ہے :

"ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہٗ وی غیر ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔"[4]

معلوم ہوتا ہے کہ فصل الخطاب، حضرت خواجہ یعقوب چرخی غزنوی صاحب رسالہ ابدالیہ کے پیش نظر تھی لہٰذا انھوں نے فصل الخطاب کے اس بیان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر اور حضرت علی ہجویری دونوں بھائی (پیر بھائی) تھے۔ اور خواجہ پارسا کے تتبع میں کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کا اضافہ بھی روا رکھا ــــ کشف المحجوب کے نام کے ساتھ لارباب القلوب کے اضافے پر بحث آگے آئے گی۔ انشاء اللہ۔

---

[1] کشف المحجوب، طبع تہران، ص ۲۰۹

[2] نفحات الانس، طبع لکھنؤ، ص ۲۹۲

[3] ایضاً، ص ۲۰۰

[4] ایضاً، ص : ۲۹۰

[5] فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۰۷۴ (۲)

marfat.com

Marfat.com

حضرت ابو فتح سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز (م ۸۲۵ھ)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنی بے مثل تصانیف میں کشف المحجوب سے حوالے دیئے ہیں۔ ان کے مکتوبات شریف کا مجموعہ پیش نظر ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"آں محقق مدقق آں شیخ بر حق آں صوفی معنوی وصوری ابو علی عثمان (علی بن عثمان) ہجویری قدس نقل کردہ است" [1]

ان مکاتیب شریفہ کا متن اغلاط سے پُر ہے۔ مصحح نے تصحیح کی امکانی کوشش کی ہے مگر پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ حضرت داتا صاحب کے اسم گرامی کو جو "ابو علی عثمان" لکھا ہے یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

شیخ محمد اکرم صابری رحمہ اللہ نے اقتباس الانوار کے ماخذوں کی فہرست اس کے صفحہ ۳ پر دی ہے۔ جس میں کشف المحجوب کا نام درج ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے:

" در تالیف و تدوین سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، نامۂ دانشوران [2] و طرایق الحقائق [3]، نیز از کشف المحجوب استفادہ ہای بسیار و اقتباسات مکرر و متعددی شدہ است" [4]

---

[1] مکتوبات حضرت خواجہ گیسو دراز مرتبہ مولانا رکن الدین ابو فتح علاء قریشی طبع حیدر آباد دکن ۱۳۶۲ھ ص ۸۰۱

[2] عصر حاضر کی مشہور تصنیف جو ایران کے متعدد فضلا کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

[3] طرایق الحقائق تالیف نائب الصدر حاج میرزا معصوم بن رحمت علی شاہ قزوینی نعمت اللہی شیرازی متوفی ۱۳۴۴ ق، ۳ جلد تہران (فہرست کتب ہای چاپی جلد اول از خان بابا مشار طبع تہران (کالم ۱۰۹۰)

[4] ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب طبع تہران، ص ۶۱

Marfat.com

مراجع ومنابع کشف المحجوب

کشف المحجوب سے استفادہ واستفاضہ کرنے والے اولیا کرام اور مؤرخین کے ذکر کے بعد حضرت گنج بخش قدس سرہٗ کی نورانی تصنیف کے مراجع ومنابع کا بیان اشد ضروری ہے ۔

(ل) فیضِ عالمِ قدس - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام ع ۱۵) یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ــــ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ـ یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہوتا ہے ــــ اور جسے حق تعالیٰ شرح صدر کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اُسے اپنے انوار و تجلیات سے نوازتا ہے اور عالم قدس سے جو انوار اس کے قلب پر وارد ہوتے ہیں ان کی برکات سے کشف حقائق ہوتا ہے اور رموزِ حقیقت و اسرارِ معرفت منکشف ہوتے ہیں - قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا صحیح فہم و ادراک حاصل ہوتا ہے - غرض کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف کا منبع اول یہی فیضِ عالم قدس ہے -

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ

(ب) قرآن مجید

(ج) احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

پروفیسر ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے دقیق مطالعہ کے بعد اس کے منابع و مآخذ تلاش کئے ہیں اور اپنے مقدمۂ کشف المحجوب میں ان کے نام درج کئے ہیں:

۱ - تاریخ اہل صفہ - تالیف حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی متوفی ۴۱۲ھ (کشف[۱]، ص ۹۹) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس تالیف کا نام نہیں لکھا مگر تاریخ اہل الصفوۃ کا ذکر کیا ہے - ممکن ہے کہ یہ زیر بحث کتاب ہی ہو (جلد دوم - نمبر شمار ۲۱۶۸)

۲ - کتاب سلمی - (کشف - ص ۱۴۱) جو بعد میں طبقات الصوفیہ کے نام سے مشہور ہوئی -

---

[۱] کشف المحجوب کے صفحات نمبر چاپ تہران سے دیے گئے ہیں اور کشف سے مراد کشف المحجوب ہے -

marfat.com

Marfat.com

۳۔ کتاب قشیری۔ (کشف، ص۔ ۱۴۱) جو الرسالۃ القشیریہ کے نام سے معروف ہے۔

۴۔ کتاب محبت۔ (کشف، ص۔ ۲۹۹) تالیف عمر بن عثمان کی متوفی ۲۹۱ھ/۲۹۷ھ۔ شیخ عطار نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے (تذکرہ طبع لاہور، ص ۲۴۳)

۵۔ لمع (فی التصوف) تالیف ابونصر سراج (یافعی نے مرآۃ الجنان میں لکھا ہے کہ اس کا سال اتمام تصنیف ۳۷۸ھ ہے)

۶۔ تاریخ المشائخ۔ تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی (کشف، ص۔ ۵۰)

۷۔ کتاب مقدسی۔ (کشف، ص۔ ۳۴۴) ممکن ہے کہ یہ وہی رسائل اخوان الصفا ہوں جن کے مؤلفین میں سے ایک ابوسلیمان البستی المقدسی ہے۔

۸۔ حکایات عراقیاں۔ (کشف، ص۔ ۵۶) از تصانیف شیوخ صوفیۂ عراق۔

۹۔ حکایات۔ حضرت علی ہجویری قدس سرہ نے کشف المحجوب میں بار بار فرمایا ہے: اندر حکایات یافتم۔ بنا بریں یہ واضح ہے کہ یہ کتاب کشف المحجوب کے مآخذوں میں سے ہے۔

منابع درجہ دوم

مشہور اور اہم کتابیں جو کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت دوسرے درجہ پر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر رہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ تصانیف حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ۔ کشف المحجوب کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پچاس اور اطراف و اکناف خوزستان، فارس اور خراسان میں منتشر ہو چکی ہیں (کشف، ص۔ ۱۹۱)

۲۔ تالیف ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی ..... (کشف، ص۔ ۲۱۴، ۲۴۴)

۳۔ رسائل ابو العباس سیاری — حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پیروؤں کو مرو اور نسا میں دیکھا، لہٰذا یہ رسائل بھی ان ہی شہروں میں دیکھے ہوں گے۔

۴۔ رسائل حکیم ترمذی — یہ رسائل حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی توجہ کا مرکز رہے (کشف، ص۔ ۱۴۰، ۲۹۹) اور ان کے نام یہ ہیں: بیان آداب المریدین، ختم الولایت، کتاب النہج، نوادر الاصول (فی معرفت اخبار الرسول)

Marfat.com

۵۔ کتاب سماع - از ابو عبدالرحمٰن سلمی (کشف، ص، ۵۲۲)
۶۔ روایات - از ابوالفضل ختلی مرشد ہجویری رحمہا اللہ (کشف، ص ۔ ۱۱۰)
۷۔ غلط الواجدین - از تصانیف ابو محمد رویم - (کشف، ص ۔ ۱۸۰)

اب ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مستقلاً حضرت ہجویری قدس سرہٗ کا مراجع نہیں رہیں بلکہ کبھی کبھی ان کی طرف رجوع کیا گیا۔

۱۔ تصحیح الارادہ - از تصانیف حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ (کشف، ص ۔ ۴۳۹)
۲۔ الرعایہ بحقوق اللہ - از تالیف احمد بن خضرویہ - (کشف ص ۔ ۴۲۹
۳۔ کتاب اندر اباحت سماع - مؤلف نامعلوم (کشف، ص ۔ ۵۲۴)
۴۔ کتاب اندر مرقعہ - از تصانیف ابو معمار اصفہانی (کشف، ص ۔ ۹۲
۵۔ کتاب رغایب - از تصانیف ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی، در اصول تصوف (کشف، ص ۔ ۱۴۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔
۶۔ مرأۃ الحکماء - از تصانیف شاہ شجاع کرمانی (کشف، ص ۔ ۱۶۴)

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مذکورۃ الصدر کتب و رسائل کے علاوہ اور تصانیف و تالیف بھی صاحب کشف المحجوب کے زیر نظر رہی ہیں جن کے مصنفین و مؤلفین کے صرف اسمائے گرامی تحریر کرنے پر اکتفا کی گئی ہے مثلاً تصانیف یحییٰ رازی (کشف، ص ۔ ۱۵۳) تالیف ابوبکر وراق (کشف، ص ۔ ۱۶۹، و ۴۳۱) آثار سہل بن عبداللہ (کشف، ص ۔ ۴۳۹) کتب مشائخ (کشف، ص ۔ ۳۴۴) اور ابو حمدون قصار و صوفیۂ قصاریان کے اقوال کو نقل کیے ہیں۔ (کشف، ص ۔ ۳۲۸)[2]

رسالۂ قشیریہ اور کشف المحجوب

حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ (م ۴۶۵ھ) حضرت شیخ علی ہجویری

---

[1] کشف سے مراد کشف المحجوب ہے۔

[2] بہ تغییر قلیل از مقدمہ کشف المحجوب طبع تہران، ص ۔ ۶۰ - ۵۸ -

marfat.com

Marfat.com

قدس سرہٗ کے معاصر ہیں اور حضرت مخدوم ہجویری نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور کشف المحجوب میں ان کی جلالتِ شان کے معترف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت داتا صاحب کے استاد بھی ہیں۔ مگر کشف المحجوب سے اس خیال کی تائید و تصدیق نہیں ہوتی۔ امام قشیری نے الرسالۃ القشیریہ ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اوائل ۴۳۸ھ میں مکمل کر لیا تھا اور رسالۂ قشیریہ کشف المحجوب کی تصنیف کے وقت حضرت داتا صاحب کے پیشِ نظر تھا ——— یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں' ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے' اسے سمجھنے کے لئے درجِ ذیل آرا مفید ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن مترجم و محشی رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں:

> " ہجویری نے اس کتاب (کشف المحجوب) میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں" [1]

مخدومی پیر صاحب نے حضرت داتا صاحب کو امام قشیری کا متتبع لکھنے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ شیخ ہجویری نے "بعض ایسے امور سے بحث کی ہے، جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں" مگر کشف المحجوب کے مصحح اور مقدمہ نگار ژوکوفسکی نے قشیری کو حضرت داتا صاحب کے شیوخ صحبت میں شمار کرنے کے باوجود یہ تسلیم نہیں کرتا کہ ہجویری نے اپنی تصنیف میں قشیری کا تتبع کیا ہے۔ لکھتا ہے:

> " الرسالۃ القشیریہ فی علم التصوف للامام العالم ابی القاسم عبدالکریم ہوازن القشیری و کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی، اولی بتازی و دومی بپارسی ہر دو از کتب طراز اول تصوف، و ہر دو در حدود اواسط قرن پنجم ہجری تالیف شدہ است. باوجود وحدت کامل موضوع، ہر بحث، نہ در کیفیت و کمیت مسائل موردِ نظر، و نہ در تعبیر و تفسیر مطالب مطرحہ ہیچ گونہ وجہ اشتراکی بین ایں دو اثر نفیس، احساس و مشاہدہ نمی شود فقط گاہ گاہی در بعضی اصطلاحات فنی اندک مشابہتی بین آں دو ملاحظہ می

---

[1] مقدمہ رسالہ قشیریہ مترجم اردو طبع راولپنڈی ۱۹۷۰ء، ص: ۳۹

Marfat.com

گردد (فی المثل قشیری گوید: المحو والاثبات (ص - ۴۶ ، رساله) و ہجویری می نویسد:
النفی والاثبات (ص - ۴۹۴ کشف) وغیرہ۔ [1]

عبدالماجد دریابادی، جو رسالۂ قشیریہ اور کشف المحجوب میں سے کسی کے بھی دیباچہ نگار
نہیں ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے:

"اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری کا عربی رسالۃ القشیریہ ہے، موضوع اس کا بھی تصوف ہے، دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے، برخلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ، مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں، اور مباحث سلوک پر رد و قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے، اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔" [2]

سبک کشف المحجوب

ملک الشعرا بہار نے کشف المحجوب کی نثر کو دورِ اول یعنی دورِ سامانیاں میں شامل کیا ہے لکھتے ہیں:

"این کتاب از حیث سبک بالا تر و اصیل تر و بدورۂ اول نزدیک تر است، تا سائر کتب صوفیہ، ومی توان آن را یکی از کتب طراز اول شمرد کہ ہر چند در قرن پنجم تالیف شدہ و بیش از کتب قدیم دست خوش تازی و لغت ہای آن زمان است، اما باز ہم سبک قدیم را از دست ندادہ و روی ہمرفتہ دارای سبک کہنہ است۔ افعال و لغات کہنہ و غریب و استعمالات دورۂ اول

---

[1] ترجمہ مقدمہ کشف المحجوب روسی ژوکوفسکی، طبع تہران، ص - ۵۰

[2] تصوف اسلام از عبدالماجد دریابادی طبع سوم، ص - ۵۴ - ۵۲

marfat.com

Marfat.com

بتامها در یہ کتاب دیدہ می شود و ازیں گزشتہ اصطلاحات خاصی نیز از خود دارد کہ غالب آں ہا بعد ازیں در کتب تصوف مصطلح گردیدہ است"[1]

اس کے بعد ملک الشعرا نے ذیل کے عنوانات کے تحت داد تحقیق دی ہے :

لغات فارسی — اصطلاحات و کلمات تازۂ عربی — موازنہ و سجع — حذف افعال بقرینہ"[2]

کشف المحجوب کے نام اور زبان کے بارے میں

غلط فہمیوں کا ازالہ

کشف المحجوب کے تمام قدیم خطی نسخوں میں اس کا پورا نام کشف المحجوب ہی لکھا ہے اور قدیم ترین مصنفین نے بھی اس کا یہی نام تحریر کیا ہے ، مگر بعض مصنفین نے اس کا پورا نام کشف المحجوب لارباب القلوب لکھا ہے - اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصل الخطاب میں یوں لکھا ہے :

" در کشف المحجوب لارباب القلوب آوردہ است "[3]

چونکہ کشف المحجوب حاجی خلیفہ کے پیش نظر نہ تھی ، اس لئے اُنھوں نے کشف الظنون میں اس کا نام اور کیفیت فصل الخطاب سے نقل کی -

ژوکوفسکی لکھتا ہے :

" دریں مورد می تواں گفت کہ مشارٌ الیہ (حاجی خلیفہ) اصلاً خود متن کتاب کشف المحجوب را ندیدہ بودہ است ، زیرا معمولاً حاجی خلیفہ ہنگام بحث از کتابہای کہ شخصاً برای العین دیدہ ، آغاز و انجام نسخہ نیز نقل می کند ولی در مورد کشف المحجوب چنیں چیزی نیاوردہ است "[4]

---

[1] سبک شناسی یا تاریخ تطور فارسی ، ص - ۱۸۷ [2] ایضاً - ص - ۱۹۷ — ۱۸۷ -
[3] فصل الخطاب خطی ص - ۲۰ (مملوکہ حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری - لاہور)
[4] مقدمہ ژوکوفسکی کشف المحجوب طبع تہران ، ص - ۵۲ -

Marfat.com

لہٰذا کشف الظنون پر اعتماد کرتے ہوئے متاخرین نے اس کا نام کشف المحجوب لارباب القلوب لکھنا شروع کر دیا۔

پھر لکھا ہے:

"خواجہ محمد پارسا از عرفای طریقہ نقشبندیہ متوفی ہشت صد و بیست و دو ہجری قمری، کہ در حدود دو قرن قبل از حاجی خلیفہ می زیستہ، در تالیف خود بنام فصل الخطاب لوصل الاحباب اظہار داشتہ کہ کشف المحجوب عنوان اختصاری کتاب ہجویری است و نام کامل آن چنین می باشد: کشف المحجب المحجوب لارباب القلوب" [1]

اور حاشیہ میں لکھا ہے:

"در فہرست آغاز نسخہ بدین عنوان آمدہ: کتاب کشف سر المحجوب لارباب القلوب باضافہ کلمۂ سر" (نسخہ خطی دانش گاہ لینن گراڈ) [2]

اس اقتباس میں ژوکوفسکی کی دو باتیں محل نظر ہیں: اول یہ کہ فصل الخطاب کے نام کے ساتھ لوصل الاحباب کا اضافہ غلط ہے۔ اس کتاب کا جو قلمی نسخہ راقم السطور کے پیش نظر ہے اس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ دوم: حاجی خلیفہ نے اس کا نام فصل الخطاب فی المحاضرات لکھا ہے [3] پھر آگے چل کر ایک اور کتاب کا تعارف کرایا ہے جس کا نام فصل الخطاب لوصل الاحباب ہے۔ کشف الظنون کی عبارت ملاحظہ ہو:

"فصل الخطاب لوصل الاحباب — منظوم فی اثنی عشرت الف بیت للشیخ بدر الدین محمد بن محمد المعروف بابن رضی الدین الغزی م ۹۸۴" [4]

---

[1] مقدمہ ژوکوفسکی کشف المحجوب طبع تہران، ص ۱۰

[2] ایضاً، حاشیہ ص: ۵۲

[3] کشف الظنون (فلوگل ایڈیشن) نمبر ۹۰۵۸ جلد چہارم ص۔ ۴۴۲

[4] ایضاً، نمبر ۹۰۶۰

marfat.com

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ ژوکوفسکی کو کشف الظنون دیکھتے وقت غلطی لگی ہے۔ دوسرے جو یہ لکھا ہے۔

"فصل الخطاب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشف المحجوب اختصاری نام ہے اور پورا نام کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب ہے۔"

عجیب بات ہے ——— ۱۱۷ صفحات پر مشتمل فصل الخطاب پیش نظر ہے اس میں تو ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملا۔ اس کتاب میں ساٹھ ستر جگہ کشف المحجوب کے اقتباسات صرف کشف المحجوب کے نام سے نقل ہوئے ہیں بلا کسی وضاحت کے اور صرف دو مقام پر اس طرح کے نام نظر آئے ہیں:

۱۔ "کشف المحجوب لارباب القلوب"[۱۱]

۲۔ "کشف حجب المحجوب لارباب القلوب"[۱۲]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ پارسا جوش عقیدت اور کتاب کے موضوع کی مزید وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے الفاظ بڑھاتے رہے ہیں۔ جیسا کہ نسخہ مخزونہ دانش گاہ لینن گراڈ کی فہرست میں ایک تیسرا اضافہ یہ ہے: "کشف سر المحجوب لارباب القلوب"

غرض کہ فصل الخطاب کے مطالعہ ہی سے رسالہ ابدالیہ اور کشف الظنون کے مولفین کو اشتباہ ہوا ہے ورنہ حضرت داتا صاحب کی کتاب کا نام صرف اور صرف کشف المحجوب ہی ہے۔

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ یونیورسٹی) جو بھارت کے مسلمانوں کے اذہان کو کمیونزم کے زہریلے اثرات سے مسموم کرنے پر مامور تھے، اسی لئے انہیں داراشکوہ کے دور الحاد و زندقہ کی تحریریں بہت پسند تھیں۔ یہ صاحب سن ۱۹۳۱ء میں کابل گئے تو بقول ان کے حضرت نور المشائخ ملا صاحب شور بازار رحمہ اللہ نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا۔ عربی اصل ضائع ہو گئی، فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس رائے کو قبول کر لیا اور آخر تک اس پر قائم رہے[۱۳]

---

۱۱ فصل الخطاب، قلمی ص ۶۔

۱۲ ایضاً ص ۱۲۱۔

۱۳ رسالہ مجلہ علی گڑھ یونیورسٹی علی گڑھ جلد ۲ ص ۱۲ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص ۹۹۔

Marfat.com

خدا جانے حضرت نور المشائخ نے کیا فرمایا اور انھوں نے کیا سمجھا۔ بہرحال یہ بیان بالکل غلط ہے اس کتاب کی نثر شستہ قدیم میں ہے جو بعد میں نہیں لکھی جا سکتی تھی۔ نیز قدیم کتابوں میں جو اس کے اقتباسات ملتے ہیں وہ بالکل اس کے مطابق ہیں۔

کشف المحجوب فارسی کے مطبوعہ نسخے

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کے خطی نسخے بہت جلد اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے تھے جیسا کہ تذکرۃ الاولیاء میں اس کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے قلمی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں اور بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ مگر بخوف طوالت اس وقت ان کی تعداد اور منوں کوائف بیان نہیں کیے جا سکتے۔ صرف مطبوعہ فارسی نسخوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ کشف المحجوب۔ مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور، صفحات ۲۹۲۔ راقم الحروف کے سامنے اس کا جو نسخہ (مملوکہ میاں محمد الدین کلیم) ہے اس کا پہلا صفحہ بوسیدہ ہونے کے باعث سن طباعت بچشم خود پڑھ نہیں سکا۔ ژوکوفسکی نے اپنے مضمون میں اس کا سن طباعت ۱۲۸۱ھ دیا ہے۔[1]

۲۔ مطبوعہ مجادل پریس لاہور، سن طباعت ندارد، صفحات ۴۲۸۔ اس نسخہ میں مطبع پنجابی کے نسخہ کے حواشی من و عن درج ہیں۔ گویا یہ اسی کی نقل ہے۔ یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے اس پر سن طباعت درج نہیں، مگر ژوکوفسکی نے اس کا سن طباعت ۱۳۱۲ھ دیا ہے۔ خدا جانے اس نے یہ کیسے جانا۔ بہرحال یہ نسخہ بے خاصہ قدیم۔

۳۔ مطبوعہ مطبع نامی گرامی حرمت مند سلیانوف (سمرقند) سن طباعت ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء۔ یہ نسخہ بہت شوق سے چھاپا گیا ہے اور آخر میں مصنف کے سوانح دارشکوہ کی سفینۃ الاولیاء سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۴۔ مطبوعہ مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء، صفحات ۴۲۹۔ یہ

---

[1] ص ۲۰ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، جلد ۲ ۱۹۱۲ء، مقالہ کشف المحجوب از ایل۔ ایس ژوکوفسکی

marfat.com
Marfat.com

نسخہ نمبر ۱ اور ۲ کی نقل ہے اور اس کے مصحح ہیں مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ آخر میں مصنف کے مختصر سوانح بزبانِ فارسی مرقومہ منشی حبیب اللہ درج ہیں اور یہ نسخہ سنہ مذکورہ میں دو بار طبع ہوا۔

۵۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت ۱۹۳۱ء، صفحات ۲۲۸۔

۶۔ نسخہ ژوکوفسکی مطبوعہ لینن گراڈ (روس) سن اشاعت ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء صفحات مع فہارس ۶۰۷۔ یہ نسخہ اس کے مرتب پروفیسر والنتین ژوکوفسکی (م ۱۹۱۸ء) کی تصحیح، مقدمہ بزبان روسی اور ضمیمہ ہشت فہارس کے لحاظ سے سب نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کے صرف اڑھائی سو نسخے طبع ہوئے تھے، اس لیے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ راقم نے بھی اس کی زیارت نہیں کی۔

۷۔ نسخہ ژوکوفسکی طبع تہران۔ ژوکوفسکی کا تصحیح کردہ نسخہ ادارہ انتشارات امیر کبیر تہران نے ۱۳۳۶ شمسی/۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ ژوکوفسکی کے مقدمہ کو فارسی میں منتقل کر کے شامل کیا گیا ہے۔ فاضل محمود عباسی نے اس کے ابتدا میں دو مقالے "تجلیات تصوف ایرانی" اور "تحقیقات نوین راجع بکشف المحجوب" شامل کر کے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ محمود عباسی کے پہلے دو مقالے اور ژوکوفسکی کا مقدمہ ۶۲ صفحات کو محیط ہیں اور متنِ کتاب کے ۵۴۴ صفحات ہیں۔ آخری آٹھ فہرستوں کے ۱۶۱ صفحے ہیں۔ غرض کہ یہ بہترین نسخہ ہے۔

۸۔ مطبوعہ نامی پریس لاہور، سن اشاعت ندارد، صفحات ۲۲۸۔ کاغذ اور صحت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔ اس پر سنِ اشاعت تحریر نہیں لیکن راقم کو معلوم ہے کہ قریباً ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کے آخر میں ۲۸ صفحات پر مشتمل فصول و ابواب کی وضاحتی فہرست موجود ہے۔

۹۔ نسخہ مولوی محمد شفیع۔ مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، سن طباعت ۱۹۶۸ء، صفحات ۴۸۱ ناشر احمد ربانی۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی نشری تقریریں بطور پیش لفظ اور مقدمہ دے دی گئی ہیں، چونکہ یہ نسخہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبہ نسخے کی نقل بتایا جاتا ہے، اس لیے حضرت زکریا قدس سرہ کے حالاتِ زندگی مرقومہ مولوی صاحب موصوف بھی شامل کر دیئے گئے ہیں مگر اہل علم اس خطی نسخے کا حضرت زکریا سے انتساب صحیح

Marfat.com

نہیں سمجھتے۔ مولانا نور احمد خان فریدی مولف تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا و مولف کتب کثیرہ رقم فرماتے ہیں:

"العزیز بہاولپور کے شمارہ فروری ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں صاحب مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سید ہجویری کی مشہورِ عالم تصنیف کشف المحجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا، یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب مضمون نے تحریر کیا، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے مترجم عجائب الاسفار کے کتب خانہ میں موجود تھا، خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی، لیکن اس گنج شائیگاں کا پتہ نہیں چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف المحجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے ــــ جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی، انھوں نے اس نسخے کا پہلے اور آخری سنے کا عکس بھی دیا ہے، مگر اسے حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام سنہ ۶۶۲ھ درج ہے، حالانکہ حضرت کا سنہ وصال بالاتفاق سنہ ۶۶۱ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاء الدین ذکریا پر مشتمل ہے، لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے۔ ابو محمد کنیت اور بہاء الدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا، چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسی منکسر المزاج شخصیت اپنے نام سے پہلے اپنے لیے بہاء الدین لکھنا پسند کرتی۔ لہٰذا اس قلمی نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں۔"[1]

مولانا فریدی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت کا سن وصال بالاتفاق سنہ ۶۶۱ھ ہے۔" صحیح نہیں، اختلاف ہے، کسی نے سنہ ۶۶۱ھ تو کسی نے سنہ ۶۶۶ھ لکھا ہے۔ اگر سنہ ۶۶۶ھ ہی کو صحیح قرار دے دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۵ برس سے کچھ اوپر ہوگی، کیا اس عمر میں وہ اتنی ضخیم کتاب کی نقل کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے؟ مزید طرفہ یہ کہ ترقیمہ میں بہاء الدین کو بہاؤ الدین واؤ کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذکریا ذال کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ہرگز ہرگز

---

[1] تاریخ ملتان جلد اوّل، ملتان ۱۹۷۱ء، ص ۱۸۶-۱۸۵

marfat.com
Marfat.com

اس طرح کی غلطیاں نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا اس نسخے کا حضرت شیخ الاسلام کی طرف انتساب کاتب کا جعل ہے ــــ بہرحال یہ نسخہ صحت کے اعتبار سے سمرقندی نسخہ سے بہتر ہے۔

تراجم

پروفیسر نکلسن (م ۱۹۴۵ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں گِب میموریل لندن نے شائع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا نظرثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ پھر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۷ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔

میں سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بار ہا شائع ہوئے۔ اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔

سیاحت

مردانِ خدا کی زیارت اور مزارات اولیاء اللہ سے استفادہ و استفاضہ کی غرض سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے، جو مشاہدہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ حضرت داتا صاحب نے یہ مجاہدہ بھی حدِ کمال کو پہنچا دیا۔ قریباً تمام عالمِ اسلام کی سیاحی کی اور وقت کے اعاظم مشائخ و صوفیہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ انہوں نے جن جن ملکوں اور شہروں کے بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے۔ ان اماکن کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

ماوراءالنہر، آذربائیجان، بسطام، خراسان، کش، کمند، نیشاپور، بخارا، سمرقند، سرخس، طوس، شام، بیت الجن، دمشق، رملہ، عراق، بغداد، فارس، نواحی خوزستان، فرغانہ، شلاتک، اوزکند، میہنہ، مرو، ترکستان، پاک و ہند۔

کشف المحجوب حضرت داتا صاحب کا سفرنامہ نہیں ہے، اس میں ان کے سفر و سیاحت کا ذکر ضمناً ہوتا چلا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحت

Marfat.com

کی، جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں۔ اور ان کا سفر پاک و ہند بھی صرف اس حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک و ہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، یہاں کے علماء سے ملے تھے اور یہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ فنا و بقا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں میرا ایک عالم سے مناظرہ ہوا تھا:

"ہندوستان کے اندر میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا، اس نے مجھ سے فنا و بقا کے مسئلہ پر مناظرہ کیا، جب میں نے اس کی تقریر سُنی تو معلوم ہوا کہ یہ خود فنا و بقا کو بالکل نہیں سمجھتا اور قدیم و مُحدَث کے فرق کو بھی نہیں جانتا" [۱]

حلولیہ کے عقائدِ باطلہ کے بیان میں روح کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"...... اور جملہ اہل ہند و تبت اور چین و ماچین یہی عقیدہ رکھتے ہیں شیعوں قرامطیوں اور باطنیوں کا بھی اسی پر اجماع ہے......" [۲]

محبت کی شہرت اور تعریف کی بحث کے دوران، سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہنود کی قلبی ناراضی اور ان کی بے بسی کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا ہے:-

"ہندوؤں کے نزدیک محبت کی قید محمود کی قید سے بھی زیادہ مشہور ہے ——— اور محبت کا زخم اور داغ ہندوؤں کے نزدیک اس زخم سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے جو محمود نے انہیں لگایا تھا" [۳]

باب سماع الاصوات والالحان میں رقم طراز ہیں:

"مشہور ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں، جو جنگل میں جا کر گاتے اور سُریلی آواز نکالتے ہیں، ہرن جب ان کے غنا اور لحن کو سُنتے ہیں تو وہ ان کی طرف آ جاتے

---

[۱] کشف المحجوب، طبع تہران، ص: ۳۱۴ - ۳۱۳

[۲] ایضاً، ص: ۳۳۰

[۳] ایضاً، ص: ۳۹۹

marfat.com

Marfat.com

ہیں (اژدشکاری) ان کے گرد گھوم کر گھستے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہرن گھاس کی لذت سے مست ہو کر آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور وہ انھیں پکڑ لیتے ہیں" لہ

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا اور اس کی زندگی اسی زہر پر موقوف تھی" ۲ہ

غرض کہ اُنھوں نے بے سر و سامانی میں پاپیادہ اس قدر سفر کئے کہ آج کے ذرائع میں ایک بے سرو سامان فقیر کے لئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے چنانچہ لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

"مسافرت بسیار نمودہ و ریاضت و مجاہدات شاقہ کہ از طاقت بشری بیرون بود، کشیدہ" ۳ہ

لاہور میں ورودِ مسعود

خاک پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت

صبحِ ما از مہرِ اُو تابندہ گشت

دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ نے تجرید و توکل کی بنیاد پر بارہا طویل سفر کئے اور بہت زیادہ سیاحی کے بعد دارالسلطنت لاہور میں اقامت گزیں ہوئے، اور اس شہر کے تمام باشندے ان کے مرید و معتقد ہو گئے:

"بارہا بر قدم تجرید و توکل سفر بسیار کردہ اند و بعد از سیاحی بسیار در دارالسلطنت لاہور رسیدہ اقامت ورزیدند، اہل آں دیار ہمہ مرید و معتقد او گشتند" ۴ہ

لاہور تشریف لا کر اسی مقام پر قیام پذیر ہوئے جہاں ان کا مزار پُر انوار ہے۔ مرزا لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

لہ کشف المحجوب، طبع تہران، ص: ۵۲۲

۲ہ ایضاً۔ ص: ۵۳۱

۳ہ ثمرات القدس (قلمی در ملکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی، شرق پور شریف)

۴ہ سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص ۱۶۴

Marfat.com

"اکنوں قبرش در خطۂ لاہور، در ہماں زمین است کہ روح پاکش از جسد مطہر وی مفارقت کردہ"۔[1]

لاہور کب تشریف لائے؟

اس باب میں مختلف آراء ہونے کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لالہ سجان رائے بٹالوی رقم طراز ہے:

"محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی"۔[2]

یہ روایت واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ بقول سید محمد لطیف مصنف تاریخ لاہور سلطان محمود غزنوی نے لاہور ۳۹۳ھ میں فتح کیا اور بقول لین پول سلطان محمود ۳۹۲ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی طرف متوجہ ہوا۔ گویا اس وقت تک حضرت داتا صاحب کی اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف آوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

فوائد الفواد میں ایک ایسی روایت درج ہے، جو بعض غلط فہمیوں کا باعث ہوئی، لہٰذا وہ آج تک ہدفِ تنقید بنتی چلی آ رہی ہے وھو ھذا:

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قطبِ وقت تھے، شیخ حسین زنجانی (شیخ علی ہجویری سے) پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہو جاؤ —— شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں، پیر نے فرمایا! تم جاؤ اور جب علی ہجویری ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا، صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے ہیں"۔[3]

---

[1] ثمرات القدس قلمی [2] خلاصۃ التواریخ مترجم اُردو از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی۔ ص: ۱۰۶

[3] فوائد الفواد فارسی طبع لاہ...

marfat.com

Marfat.com

اس روایت کی تکذیب و تردید میں راقم احقر اس قسم کی گرما گرم بحث نہیں کر سکتا، جس طرح کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے[۱] اس لئے کہ یہ ان ہی فضلا کا حق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ، جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلائق ہے، ان کا سالِ وفات خزینۃ الاصفیا میں ۶۰۰ھ اور تحقیقات چشتی میں ۶۰۱ھ درج ہے، اور ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور سید یعقوب زنجانی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ ۵۲۵ھ میں وارد لاہور ہوئے[۲] ——حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ساکن چک سادہ شریف (م ۱۳۵۰ھ) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "میں نے شیخ زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سن وصال ۶۰۰ھ کندہ تھا جو مزار کی مرمت کے وقت اٹھا دیا گیا"۔ عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد چشتی نے ان کا سن وصال ۶۰۰ھ اور ۶۰۱ھ اپنی اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود فوائد الفواد کی اس روایت کو حضرت داتا صاحب کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق کر دیا ہے۔ بہر حال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ سے قریباً ایک سو تیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین حسن سجزی (س ج ز ی) چشتی اجمیری قدس سرہٗ (م ۶۳۳ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ جمالی (م ۹۴۲ھ) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی، جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس روحہٗ کے پیر ہیں،[۳] ان

---

[۱] ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد ستمبر ۱۹۸۱ء مقالہ "سید علی ہجویری اور حسین زنجانی" از مخدومی ڈاکٹر پیر محمد حسن اور تاریخی مقالات طبع لاہور از پروفیسر محمد اسلم ملاحظہ ہوں۔

[۲] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم، ص، ۲۵۰۔ [۳] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم ص، ۲۵۲

[۳] مآثر الکرام میں بھی لکھا ہے کہ سعد الدین حمویہ شیخ زنجانی کے مرید تھے۔ "شیخ فخر الدین زنجانی پیر ارشاد شیخ سعد الدین حموی" (ص۔ ۷) شیخ حمویہ ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ جملہ تذکروں میں ان کے پیر کا نام حضرت نجم الدین کبریٰ تحریر ہے۔ حضرت زنجانی سے بھی استفادہ کیا ہوگا۔

Marfat.com

دونوں بقید حیات تھے، حضرت زبدۃ المشائخ والاولیاء معین الحق والدین قدس سرہٗ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہٗ کے درمیان حد سے زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا۔[۱]

ابوالفضل آئینِ اکبری میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"شیخ حسن (حسین) زنجانی فراواں آگہی داشت، خواجہ معین الدین در لاہور بہ صحبتِ او رسید، و خواب گاہ او در انجاست"۔[۲]

مولانا محمد غوثی شطاری رقم طراز ہیں:

"جب خواجہ معین الاولیاء چشتی اجمیری ہند کو تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم راز داری اور خداشناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں"۔[۳]

ملا محمد صالح کنبوہ بھی ان بیانات کی تائید کرتا ہے:

"بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ وز انجا توجہ جانب دہلی اختیار فرمود"۔[۴]

دارا شکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو:

"... شیخ حسین زنجانی را در لاہور دیدہ اند"۔[۵]

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہٗ لاہور کب تشریف لائے؟ مولانا سید عبدالباری معنی اجمیری اپنی تنقیدی تالیف تاریخ السلف میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ ۵۸۱ھ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۵۸۲ھ کو اجمیر شریف پہنچ گئے۔[۶]

---

[۱] سیر العارفین قلمی از شیخ جمالی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری بحوالہ تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم، ص: ۲۸۲

[۲] آئینِ اکبری جلد سوم از ابوالفضل سرسید ایڈیشن ۱۲۷۲ھ۔ ص۔ ۲۰۶

[۳] اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از محمد غوثی بسال ۱۳۲۲ھ طبع آگرہ، ص: ۲۵۰۹

[۴] عمل صالح (شاہ جہان نامہ) طبع لاہور، جلد اول۔ ص: ۵۰

[۵] سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص: ۹۳ [۶] تاریخ السلف طبع آگرہ ۱۳۴۳ھ ص: ۸، ۹۶

marfat.com

Marfat.com

اندریں صورت فوائد الفواد کی اس روایت کو الحاقی سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں۔ مگر جب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سیاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کر لیا ہے تو عنانِ فکر کو اس طرف بھی موڑا جا سکتا ہے کہ حضرت داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لانے والے حسین زنجانی ان سے مختلف ہوں گے اور ان کا مزار اور حالات محفوظ نہیں رہ سکے، مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارسا قدس سرہٗ کے تسامح کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے کہ انھوں نے حضرت داتا صاحب اور حضرت ابوسعید (رحمہما اللہ) دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دے دیا۔ یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفات حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمٰن جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں بھی التباس و اشتباہ کا قوی امکان ہے۔

اندریں حال حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت مندرجہ فوائد الفواد اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتی ہے۔

بہر حال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالاتِ زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے لاہور میں ورودِ مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں لہٰذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

رائے بہادر کنہیا لال نے بسال ۱۸۸۴ء کسی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے:

"یہ بزرگ سلطان مسعود سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا۔"[1]

سید محمد لطیف نے بسال ۱۸۹۲ء سن ورود کا تعین بھی کر دیا:

"آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔"[2]

سید محمد لطیف نے سن کا تعین کر کے اس قیاسی سن کو مزید مشکوک بنا دیا ہے اس لئے کہ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود دورِ ابتلاء میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کر کے اسے شکست

---

۱ تاریخ لاہور از کنہیا لال طبع لاہور ۱۸۸۴ء، ص ۹۱

۲ تاریخ لاہور انگریزی بحوالہ سوانح داتا گنج بخش از محمد الدین فوق، ص ۲۰

Marfat.com

دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خزانہ کو لے کر لاہور آ رہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا (ملخصاً) [1]

اس کے باوجود ۴۳۱ھ پر اکثر مورخین متفق نظر آتے ہیں۔ مگر رائے بہادر کنہیالال کی تاریخ لاہور سے ۲۲ سال قبل لکھی جانے والی کتاب چار باغ پنجاب مؤلفہ گنیش داس میں ان کی تشریف آوری کا سال ۴۵۱ھ تحریر ہے۔

"در ۴۵۱ھ چار صد و پنجاہ و یک ہجری در لاہور تشریف آوردند...... بعد چاردہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی بتاریخ ۴۶۵ھ چار صد و شصت و پنجم ہجری در لاہور ودیعت حیات سپردند۔" [2]

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا صاحب نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے تو پھر گنیش داس وڈیرہ نے جو سن (۴۵۱ھ) دیا ہے اُسے ترجیح دینا چاہیے ۴۵۱ھ کو قرین قیاس قرار دے لیا جائے تو حضرت داتا صاحب سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ لین پول نے ابراہیم کے سر آرائے سلطنت ہونے کا سال ۴۵۰ یا ۴۵۱ھ لکھا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی قدس سرہ کی تاریخ وصال خزینۃ الاصفیا میں ۴۵۲ھ درج ہے اور بقول ذہبی وہ ۴۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ اوران کے وصال کے وقت حضرت داتا صاحب بیت الجن (دمشق) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی تھی ـــ ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے: "وہ یا تو لاہور ۴۶۰ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے" [3]

حق زحرفِ او بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قیام لاہور کے دوران ہزار ہا بُت پرست

---

[1] تاریخ بیہقی مجلد اول طبع تہران۔ ص: ۲۰۲، ۷۸۳

[2] چار باغ پنجاب فارسی از گنیش داس وڈیرہ مرتبہ پروفیسر کرپال سنگھ شائع کردہ سکھ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ خالصہ کالج امرتسر ۱۹۶۵ء ص: ۱۸۱

[3] مقالات دینی و علمی حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ص: ۲۲۸

marfat.com

Marfat.com

کفار کو کلمہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور کیا اور سینکڑوں خداؤں کو پوجنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر مائل کیا اور لاتعداد گم گشتگان بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظر کیمیا اثر کی بدولت ولایت کی بلند مراتب پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں مسلمان ایک "حاکم قوم" کی حیثیت سے رہنے لگے تھے اور یہاں کے کفار مسلم قوم سے بظاہر مرعوب تھے، لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے، مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیۂ کرام بالخصوص حضرت داتا صاحب کے ورود مسعود کے بعد یہاں کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں "نظریۂ وطنیت" خاک میں مل گیا اور "دو قومی نظریہ" کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیۂ کرام کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پکڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر و سناں سے زیر کیا تو ان تابعین مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انھیں تیر نظر سے خدائے واحد کا مطیع و منقاد بنا دیا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ذیل میں ان کے وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں:

سید ہجویر مخدوم اُمم — مرقد او پیر سنجر را حرم
بندہای کوہسار آساں گسیخت — در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزت اُم الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت

لہ اہل تحقیق کے نزدیک سجر لکھنا صحیح ہے۔ اُستاد سعید نفیسی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں پیر سنجر غلط چھپ گیا ہے اصل میں یہ شعر یوں ہونا چاہیے: سید ہجویر مخدوم اُمم ؛ مرقد او پیر سجزی را حرم۔ (ہلال فارسی، کراچی بحوالہ اذکار جمیل از محمد موسیٰ ص: ۵۱)

Marfat.com

عاشق دہم قاصد طیار عشق   از جنبش آشکار اسرار عشق

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے اصل میں یہ اس قطب الاقطاب (علی ہجویری) کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔"[1] حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کفرستان ہند میں جو تخم سجدہ کی کاشت کی تھی، رائے بہادر کنہیا لال نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا ہے:

"مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی۔"[2]

اور گنیش داس وڈیرہ رقم طراز ہے:

"دراں عہد اکثر قوم گوجران ہندو مشرب در لاہور وطن گاہ داشتند معتقد او شدہ اسلام قبول کردند۔"[3]

مولوی نور احمد چشتی نقل کرتے ہیں:

"جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا، اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا۔ اس کی اولاد تاحال خادم و مجاور ہے۔"[4]

تعمیر مسجد اور ایک کرامت

حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی خوابگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ دارا شکوہ لکھتا ہے:

"انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی، جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل ہے، کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے، اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے سب علماء کو جمع کیا اور

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی طبع کراچی، دفتر اول حصہ اول، ص: ۲۳۸

[2] تاریخ لاہور از کنہیا لال، ص: ۹۱   [3] چار باغ پنجاب طبع امرتسر، ص: ۲۶۹

[4] تحقیقات چشتی، طبع لاہور ۱۳۲۶ھ، ص: ۱۴۷

marfat.com

Marfat.com

خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نظر آ گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔" [1]

سالِ وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے سالِ وصال میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں اور شہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان کے سنِ وفات سنہ ۴۶۵ھ اور سنہ ۴۶۴ھ رقم کئے ہیں۔ عہدِ جہانگیر کے ایک عالم و عارف مولانا جامی لاہوری (مدفون بجوار حضرت شیخ طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے قطعۂ تاریخ میں سنہ ۴۶۵ھ نظم کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں، گنیش داس وڈیرہ نے چار باغ پنجاب میں، سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں سنہ ۴۶۵ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مؤلفین نے بھی یہی سن نقل کیا ہے۔ نکلسن نے سنہ ۴۶۵ھ تا سنہ ۴۶۹ھ کا کوئی سا سال کہا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف در اسلام جلد دوم میں در حدود سنہ ۴۷۰ھ تجویز کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبدالحی حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے سنہ ۴۶۹ھ اور حبیبی صاحب نے سنہ ۵۰۰ھ تک کا تعین کیا ہے۔ ان فاضلوں نے کشف المحجوب کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شہادتیں فراہم کی ہیں کہ داتا صاحب نے فلاں فلاں بزرگ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ" یا "رضی اللہ عنہ" لکھا ہے۔ اور فلاں کا ذکر بہ صیغۂ ماضی کیا ہے۔ لہٰذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع سنہ ۴۶۹ھ اور بقول حبیبی سنہ ۴۸۱ھ کے بعد تک لکھی جا رہی تھی۔ حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"لازمی طور پر سنہ ۴۸۱ھ اور سنہ ۵۰۰ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی" [3]

---

[1] سفینۃ الاولیاء، فارسی طبع کانپور ص: ۱۶۴ [2] مقالاتِ دینی و علمی از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع حصہ اول ص: ۲۲۱

[3] مقالات منتخبہ مجلہ دانشکدہ خاور شناسی دانش گاہ پنجاب مقالہ تاریخ وفات داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی از عبدالحی حبیبی۔ فاضل موصوف کا یہ مقالہ پہلی بار اورینٹل کالج میگزین شمارہ فروری سنہ ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔

Marfat.com

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔ مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر "رحمہ اللہ" اور "رضی اللہ عنہ" کاتبوں کے خود ساختہ اضافے ہیں اور اسی طرح "ہست" کو "بود" بھی بنایا ہوا ہے۔ اصل تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متعدد خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔ اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ فاضل حبیبی نے کشف المحجوب نسخہ سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تسوید تھی کہ حضرت امام قشیری قدس سرہ ۴۶۵ھ میں وفات پا گئے تھے۔

"استاد و امام زین الاسلام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمانۂ خود بدیع بود و قدرش رفیع و منزلتش بزرگ" [۱]

مگر یہی عبارت ژوکوفسکی ایڈیشن میں اس طرح ہے:

"استاد و امام زین اسلام عبد الکریم ابو القاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانۂ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ" [۲]

پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں کشف المحجوب کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۰۰۰ھ موجود ہے اس میں بھی:

"اندر زمانۂ خود بدیع ست ....." [۳]

تحریر ہے —— گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ "رحمہ اللہ" وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے تو پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شروع کتاب ہی میں "رضی اللہ عنہ" بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انھوں نے اپنے لئے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر

---

[۱] مقالات منتخبہ، ص: ۲۹۳

[۲] کشف المحجوب طبع تہران ص: ۲۰۹

[۳] تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری مرتبہ منظور احسن عباسی سنہ ۱۹۶۳ء جلد ۱، ص: ۱۵۷۔

marfat.com
Marfat.com

گیا ہے تو دوسرے زندہ بزرگوں کے لئے بھی کر سکتے تھے — بہرحال حضرت کا صحیح سن وصال کسی معاصر نے نہیں لکھا لہٰذا ۴۶۵ھ قطعاً غلط ہے، ۴۶۹ھ تا ۴۸۱ھ ہی قرینِ صحت سمجھا جا سکتا ہے۔[1]

مزارِ پُر انوار

یوں تو بجملہ اربابِ یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ محوِ استراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہِ عالم، قبلۂ اہلِ صفا اور کعبۂ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقاماتِ مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکرِ خدا اور ذکرِ محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا ہے اور یہ تبلیغِ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر وقت حاجتمند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا صاحبؒ کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

حضرت کا مزار فائض الانوار زمانۂ قدیم سے مرجعِ خواص و عوام چلا آ رہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیلِ اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں ؎

خانقاہِ علی ہجویری است خاکِ جاروب از درش بردار
طوطیاں کن بدیدۂ حق بیں تا شوی واقفِ درِ اسرار
چوں کہ سردارِ ملکِ معنی بود سالِ وصلش برآمد از سردار
۴۶۵

---

[1] عبدالحی حبیبی نے اس بحث کا اعادہ مقدمہ طبقات الصوفیہ میں بھی کیا ہے۔ اول اول میں نے ان کی یہ تحقیق اسی میں دیکھی تھی اور میں ان کی ثقاہت کے پیشِ نظر اس کا قائل ہو گیا تھا اور مقدمہ مکتوباتِ امام ربانی لکھتے وقت ان کا اتباع کیا تھا۔ مگر اب کشف المحجوب کے متعدد نسخے دیکھنے سے اس تحقیقِ جدید سے اعتماد اُٹھ گیا۔

[2] مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ی، ہ

Marfat.com

میر عبدالعزیز زنجانی جو غالباً شاہ جہاں کے زمانہ کا شاعر ہے نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا، اس میں حضرت داتا صاحب کے روضۂ انور پر جو زائرین کا ہجوم رہتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مزار در نثار شاہ ہجویری نہ دیدستی	کہ مل آسا بہ پیرامونش جوش انس و جاں بینی
گدای درگہش از منزلت شاہ جہاں یابی	غلام خادمش اندر تبہ مخدوم جہاں بینی[1]

داراشکوہ لکھتا ہے:

"ہر جمعرات کو خلقت انبوہ در انبوہ روضۂ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضۂ شریفہ کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے — فقیر (داراشکوہ) نے بھی ان کے روضۂ منورہ کی زیارت کی ہے۔"[2]

مفتی علی الدین رقم طراز ہیں:

"ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہزارہا مردم برائے زیارت ایشاں مع نذورات می روند، مرادات دلی رامستدعی می شوند۔"[3]

داراشکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھتا ہے:-

"قبر در میانِ شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ۔"	ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے[4]

اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے:

"مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔"[5]

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص: ۸

[2] سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص: ۱۶۵

[3] عبرت نامہ، طبع لاہور جلد دوم، ص: ۶۴۳

[4] سفینۃ الاولیاء طبع کانپور ص: ۱۶۵

[5] ایضاً، اردو ترجمہ از وارث کامل طبع لاہور، ص: ۱۹۸

marfat.com

Marfat.com

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب دارا شکوہ کی یہ تحریر مبہم ہو گئی ہے۔ پھر ترجمہ کرنے والے نے غلط کھائی تو آج سے قریباً پندرہ سال قبل لاہور کے ایک ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیہ کے مزارات پر حاضری بدعت و شرک سمجھتے تھے یہ اعلان داغ دیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں۔ اُن کا مزار تو قلعۂ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے ــــ دارا شکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے،

"دارا شکوہ نے یہ کہا ہے کہ "قبر شہر لاہور کے درمیان' قلعہ کے مغرب میں واقع ہے" یہ کچھ عجیب سا بیان ہے۔ اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے۔ البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابلِ ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابلِ ذکر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ڈیڑھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا۔ اسی ترتیب سے اس مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے"[1]

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہدِ حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں۔ وہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابو سعید ہجویری کی ہیں[2]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ص: ۷ - ۶

[2] تحقیقات چشتی، ص: ۲، ۱۲۵

Marfat.com

کچھ مترجم کے بارے میں

حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خلف اکبر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری (رحمۃ اللہ علیہما) متنوع علوم و فنون کے ماہر اور بے مثل خطیب ادیب اور قاری تھے تحریک پاکستان پھر تعمیرِ پاکستان اور دستورِ اسلامی کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی مساعی ناقابلِ فراموش ہیں۔ جہادِ کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ کی خدماتِ جلیلہ اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جائے۔ اس وقت مولانا کے صاحبزادے مکرمی حکیم سید خلیل احمد قادری کی صرف ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے جس روز کشف المحجوب کا ترجمہ جس کا تاریخی نام "کلام المرغوب" ہے، مکمل کیا تو اسی رات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند مقام پر رونق افروز ہیں اور چاروں طرف بہت زیادہ روشنی ہے۔ لوگوں کی قطاریں بندھی ہوئی ہیں حضرت داتا صاحب کچھ تقسیم فرما رہے ہیں اور لوگ لے لے کر ایک طرف ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی قطار میں علامہ ابوالحسنات بھی شامل ہیں۔ تو جس وقت وہ داتا صاحب کے سامنے ہوئے تو حضرت نے مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں طرف بٹھا لیا۔ اس کے بعد علامہ ابوالحسنات بیدار ہو گئے۔"

علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمۃ نے یہ خواب اپنے صاحبزادے سید خلیل احمد قادری کو سنایا اور اس انعام پر بیحد مسرور تھے۔ چند سال بعد مولانا بیمار ہو گئے اور علالت نے طول کھینچا اور مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ انتقال سے آٹھ روز قبل رات کے آخری حصے میں سید خلیل احمد صاحب کو آواز دی اور جب وہ حاضر ہوئے تو فرمایا میرے کاندھے دباؤ اور دعائیہ الفاظ کے بعد فرمایا مولانا غلام محمد ترنم علیہ الرحمۃ آج میانی کے قبرستان کے کسی کونے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ عنقریب ہم بھی اس کے کسی حصے میں لیٹے ہوئے ہوں گے۔ پھر فرمایا: "ابوالحسنات! ابوالحسنات کیا ہے ابوالحسنات؟ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ ہاں خوش نصیب ہیں

marfat.com

Marfat.com

وہ لوگ جو حضرت داتا صاحب کے جوار میں آسودہ ہیں :

۲- شعبان ۱۳۸۰ھ بروز جمعہ صبح کے وقت صاحب وظائف سے فارغ ہوئے اور یہ شعر زبان پر لائے ؎

حافظا رند زندہ باش مرگ کجا و تو کجا
تو شدۂ فنائے محمد بود بقائے تو

اس کے بعد یہ شعر کہا ؎

کاوشِ عشق بس اتنی ہی رہین ہم کی تھی
ایک ہچکی میں طلسم آرزو باطل ہوا

اس کے بعد حزب البحر کا ورد شروع کردیا اور سید خلیل احمد صاحب کو فرمایا کہ مجھے خوشبو لگادو اور نئے کپڑے پہنادو۔ جناب سید خلیل احمد نے عرض کیا کیا بات ہے ؟ فرمایا جمعہ پڑھنے جانا ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہوگئے اور اسی حال میں ایک ہچکی آئی اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

مولانا امین الحسنات سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی خواہش کے مطابق میں نے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو بہ تصرف داتا صاحب قدس سرہٗ بلا وقت حضرت داتا صاحب کے احاطۂ مزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر راقم السطور نے چند تاریخی مادے نکالے تھے۔ ان میں سے دو (۱) "مشہور زمان مفسر قرآن" (۲) "جلیل المراتب سید ابو الحسنات" ان کی مرقد منور پر کندہ ہیں۔ "لقد دخل الجنۃ مولانا" بھی ان کی تاریخ راقم ہی نے کہی تھی۔

امین الحسنات سید خلیل احمد قادری نے کشف المحجوب کے زیر نظر ترجمہ کا گرانقدر مسودہ رضوی کتب خانہ کو بغرض طباعت مرحمت فرمایا۔ مخدومی جناب مفتی اعجاز ولی خاں رضوی مدظلہ العالی کی نگرانی میں طباعت کے مراحل طے ہوئے۔ تعلیمات گنج بخش قدس سرہ کا یہ سدا بہار گلدستہ رضوی کتب خانہ بارگاہ گنج بخش میں عرس ۱۳۹۲ھ کے مبارک موقع پر نذرانۂ عقیدت کے طور پر ——— پیش کر رہا ہے۔ یہ حضرات سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔
جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت علامہ ابو الحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ جس طرح حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی

Marfat.com

خوشنودی کا باعث ہوا اسی طرح اس عاصی پُر معاصی کی بھی یہ نذرِ عقیدت (دیباچہ) ان کے حضور مقبول ہو اور ان کے غلاموں کے ساتھ محشور ہونا نصیب ہو۔ آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

محمد موسیٰ عفی عنہٗ

لاہور

۴ صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

قطعہ تاریخ طباعت

نتیجۂ فکر سید شریف احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہٗ

بحمد اللہ کتاب کشف محجوب — کہ زو شد معرفت زاں بست مطلوب
ز تصنیف مقدس قطب عالم — کہ نامش گنج بخش پاک محبوب
بتوحید و تصوف لوح عرفاں — برائے سالکاں فیضے ست موہوب
مترجم شد درین اردو زبانے — زبو الحسنات احمد گشت مکتوب
چو افشائے رموزش شد بعالم — ہمہ اعدائے دیں گشتند مغلوب
باحوالش حکیم نیک موسیٰ — بتحقیق و تفکر ہست محسوب

شرافت جست از سال طباعت
شدہ مسموع "باب علم مرغوب"
۱۳ ھ ۹۳

فقیہ عصر حضرت مفتی اعجاز ولی خاں رضوی نے تاریخ طباعت کے حسب ذیل مادے نکالے ہیں:

"مخزن برکات جلیل" — "فیض امام المرسلین"
۱۳۹۳ھ — ۱۳۹۳ھ

marfat.com
Marfat.com

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب داراشکوہ کی یہ تحریر مبہم ہو گئی ہے۔ پھر ترجمہ کرنے والے نے غلطی کھائی تو آج سے قریباً پندرہ سال قبل لاہور کے ایک ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیاء کے مزارات پر حاضری بدعت و شرک سمجھتے تھے، یہ اعلان داغ دیا کہ یہ مزار داتا صاحبؒ کا نہیں، اُن کا مزار تو قلعہ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے۔۔۔ داراشکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے:

''داراشکوہ نے یہ کہا ہے کہ قبر شہر لاہور کے درمیان، قلعہ کے مغرب میں واقع ہے''۔

یہ کچھ عجیب سا بیان ہے۔ اس لیے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے۔ البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو بادشاہی مسجد جو کہ اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحبؒ کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا، اسی ترتیب سے اس مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے''۔(۱)

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرتؒ کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرتؒ کے ساتھ جو دو قبریں ہیں وہ شیخ احمد حمادی سرخسیؒ اور شیخ ابو سعید ہجویریؒ کی ہیں۔(۲) واللہ اعلم بالصواب۔

۱۔ مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص:۷۔۶

۲۔ تحقیقاتِ چشتی، ص:۶، ۱۴۵

Marfat.com

۲؍شعبان ۱۳۸۰ھ بروز جمعہ صبح کے وقت اپنے وظائف سے فارغ ہوئے اور یہ شعر زبان پر لائے۔

حافظِ رند زندہ باش مرگ کجا و تو کجا
تو شدہ فنائے حمد ، حمد بود بقائے تو

اس کے بعد یہ شعر کہا:

کائناتِ عشق بس اتنی مریضِ غم کی تھی
ایک ہچکی میں طلسمِ آرزو باطل ہوا

اس کے بعد حزب البحر کا ورد شروع کر دیا اور سید خلیل احمد صاحب کو فرمایا کہ مجھے خوشبو لگا دو اور نئے کپڑے پہنا دو۔ جناب خلیل احمد صاحب نے عرض کیا، کیا بات ہے؟ فرمایا جمعہ پڑھنے جانا ہے اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے اور اسی حال میں ایک ہچکی آئی اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ !

سید خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی خواہش کے مطابق مَیں نے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا تو بہ تصرف داتا صاحب قدس سرّہٗ بلا دقّت حضرت داتا صاحبؒ کے احاطۂ مزار میں مولانا کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر راقم السطور نے چند تاریخی مادے نکالے ہیں ان میں سے دو:

(۱) ''مشہورِ زمان مفسرِ قرآن''
۱۳۸۰ھ

(۲) ''جلیل المراتب سید ابوالحسنات''
۱۳۸۰ھ

ان کی مرقد منور پر کندہ ہیں'' لقد دخل الجنة مولانا'' بھی ان کی تاریخ راقم ہی نے کہی تھی۔
۱۳۸۰ھ

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ جس طرح حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خوشنودی کا باعث ہوا اسی طرح عاصی پُر معاصی کی بھی یہ نذرِ عقیدت (دیباچہ) ان کے حضور مقبول ہو اور ان کے غلاموں کے ساتھ محشور ہونا نصیب ہو۔

آمین ثم آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

محمد موسیٰ عفی عنہٗ

لاہور: ۲؍صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

Marfat.com

قطعہ تاریخ طباعت

نتیجہ فکر سید شریف احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہٗ

بحمد للّٰہ کتاب کشفِ محجوب — کہ رُشد و معرفت زاں ہست مطلوب
ز تصنیف مُقدّس قطبِ عالم — کہ نامش گنج بخشِ پاک محبوب
بتوحید و تصوف لوحِ عرفان — برائے سالکاں فیضے ست موہوب
مترجم شد دریں اُردو زبانے — ز بوُ الحسنات احمد گشت مکتوب
چو افشائے رموزش شد بعالم — ہمہ اعدائے دیں گشتند مغلوب
باحوالش حکیم نیک موسیٰ — بتحقیق و تفکر ہست محسوب
شرافت جُست از سالِ طباعت — شدہ مسموع "بابِ علمِ مرغوب"

۱۳۹۳ھ

فقیہ عصر حضرت مفتی اعجاز ولی خان رضوی نے تاریخِ طباعت کے حسب ذیل مادے نکالے ہیں:

"مخزن برکات جلیل" — ۱۳۹۳ھ

"فیض امام المرسلین" — ۱۳۹۳ھ

Marfat.com

مقدمہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥
رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ٥
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَشَفَ لِاَوْلِیَآئِهٖ بَوَاطِنَ مَلَکُوْتِهٖ وَقَشَعَ لِاَصْفِیَآئِهٖ سَرَائِرَ جَبَرُوْتِهٖ وَاَرَاقَ دَمَ الْمُحِبِّیْنَ بِسَیْفِ جَلَالِهٖ وَ اَذَاقَ سِرَّ الْعَارِفِیْنَ رَوْحَ وِصَالِهٖ. هُوَ الْمُحْیِیْ لِمَوَاتِ الْقُلُوْبِ بِاَنْوَارِ اِدْرَاکِ صَمَدِیَّتِهٖ وَکِبْرِیَائِهٖ وَالْمُنْعِشُ لَهَا بِرَاحَةِ رُوْحِ الْمَعْرِفَةِ بِنَشْرِ اَسْمَآئِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ .

''تمام محامد اسی وجہِ منیر کو ہیں جس نے اپنے مقربین خاص پر عالم ملکوتی کے امور منکشف فرمائے اور اپنی صاف باطن ہستیوں پہ عالم جبروتی کے راز کھولے اور اپنی شمشیر جلالی و بے نیازی سے اپنے محبوبوں کے خون بہائے اور عارفانِ کامل کو اپنے وصلی تقرب کا ذائقہ چکھایا، وہی ذاتِ مقدس مردہ دلوں کو اپنے صمدیت اور کبریائی کے نور سے زندہ فرمانے والی ہے اور وہی ان زندوں کو اپنے عرفان کی راحتِ روح حیاتِ ابدی عطا فرمانے والی ہے اور اپنے اسماء ذاتی کے اثرات ان پر طاری فرمانے والی ہے۔
اور صلوۃ بے غایت اور سلام بے نہایت اس کے خاص رسول پر جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ان کے متبعین اور اولادِ اطہار پر اور اُن کے اصحابِ کبار پر اور ازواج مطہرات پر۔۔۔آمین!''

Marfat.com

حضرت علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنویؒ فرماتے ہیں جو محلہ ہجویر غزنی کے رہنے والے ہیں کہ مَیں نے استخارہ کیا اور اغراض نفسانیہ کو دے نکالا اور اپنی دلی آرزو کے مطابق ثابت قدم ہو کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی مرادیں پوری فرمائے اور اس کتاب کا نام مَیں نے اس لیے ''کشف المحجوب'' (۴۵۹ھ) رکھا کہ پڑھنے والا مقصود کو نام سے سمجھ لے اور سائل کا جو مقصود ہوتا ہے، مجھے معلوم ہے اس کے ذریعہ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں اور تکمیل کتاب کی توفیق چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے ارادہ وقوت پر بھروسہ نہیں اور اس خیال خام سے میں اظہارِ برأت کرتا ہوں۔

فصل:

ابتداءِ کتاب میں جو مَیں نے اپنا نام لکھا، اس سے دو باتیں مطلوب ہیں: ایک خواص کے لیے، دوسری عوام کے لیے۔ عوام کے لیے تو یہ کہ جب جاہل بے علم کوئی نئی کتاب دیکھتا ہے اور اس پر مصنف کے نام کا پتہ نہیں ملتا، وہ اس کتاب کو اپنے نام پر شائع کر لیتا ہے اور اس رویہ سے مصنف کا جو مقصد ہوتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے اور مصنف جو کتاب تالیف وتصنیف کرتا ہے، اس سے اس کا پہلا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس تصنیف کے ذریعہ اس کا نام زندہ رہے اور اس کتاب کے پڑھنے والے مصنف کو دعائے خیر سے یاد کرتے رہیں۔ مجھے یہ تلخ تجربہ دو بار ہوا۔ ایک بار کسی نے میرے اشعار کا دیوان عاریۃً لیا اور چونکہ صرف وہی ایک نسخہ میرے پاس تھا۔ اس نے میرے تمام دیوان میں میرے نام کی جگہ اپنا تخلص لگا کر شائع کر دیا اور میری تمام محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطا کو معاف فرمائے۔ دوسری بار ایسا اتفاق ہوا کہ مَیں نے ایک کتاب فنِ تصوف میں تالیف کر کے اس کا نام ''منہاج الدین'' رکھا۔ ایک متصوف نے اسے لے کر اپنے نام پر شائع کر دیا۔ خدا کرے وہ گمنام ہو۔ اس نے عوام میں اس کتاب کو اپنی تالیف ظاہر کر کے شائع کیا، حالانکہ جاننے والے اس کی اس حرکت پر استہزاء کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرکتِ ناموزوں کی وجہ سے برکت سلب فرمائی اور اپنی بارگاہ کے طالبوں میں سے اس کا نام محو فرما دیا۔

دوسری وجہ ابتداء میں نام لکھنے کی خواص کے لیے ہے، وہ یہ کہ جب وہ کسی کتاب کو دیکھتے ہیں تو پہلے مؤلف کا نام معلوم کرتے ہیں، تاکہ اگر مؤلف کو وہ محقق اور عالمِ فن جانیں تو اس کے احترام میں خاص رعایت کرتے ہیں اور اس کے مطالعہ اور اشاعت میں کوشاں ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کے اظہار سے مؤلف کی مراد واضح ہوگئی ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

Marfat.com

فصل:

میں نے جو لکھا ہے مَیں نے استخارہ کیا، اس سے میری مراد بھی رب العزت تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ کا ادب ملحوظ رکھنا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ اور ان کے متبعین کو حکم فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾(۱) ''اے محبوب! جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو اوّل شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ پناہ لیں''۔ چنانچہ استعاذہ اور استخارہ او ر استعانت سب کے معنی پناہ مانگنے اور اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے مدد لینے کے ہیں۔ جس سے انسان ہر قسم کے فتنوں سے مامون ہو جاتا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کاموں میں قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق استخارہ تعلیم فرمایا کرتے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام امور کی بہتری، کوشش اور تدبیر پر موقوف نہیں بلکہ ہر بلندی کی بھلائی و برائی خدائے قدوس جانتا ہے اور جو تکلیف وراحت بندے کو پہنچتی ہے وہ پہلے سے اس کی قسمت میں مقدر رہوتی ہے۔

اندریں صورت ہر بندے کو اپنا معاملہ قضاء وقدر کے سپرد کرنے اور اس کی تکمیل کے لیے مؤثر حقیقی سے مدد مانگنے کے سوا چارہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا ہی کرنا بہتر ہے تاکہ رب العزت تعالیٰ شانہٗ اس سے اس کے نفس کے بُرے اثرات دُور فرمائے اور اس کام کی بہتریوں سے اسے متمتع کرے۔ بنا بریں ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر کام کے لیے پہلے استخارہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے خطا و خلل اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔

فصل:

مَیں نے جو یہ کہا کہ نفسانی اغراض سے دل کو پاک کر کے یہ کام شروع کیا ہے۔ اس کے اظہار سے غرض یہ ہے کہ جس کام میں غرضِ نفسانی آ جاتی ہے اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دل راستی و دیانت کے راستہ سے نکل کر کسی کی زنجیروں میں پھنس جاتا ہے اور یہ صورت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو نفس کی غرض پوری ہو گی یا نہ ہو گی، اور نفسانی غرض پوری ہوئی تو اس میں تمام ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اس لیے کہ جہنم کے دروازہ کی کنجی مرادِ نفس کا حصول ہے اور اگر غرضِ نفس پوری نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس غرضِ بد کو پہلے ہی دل سے دُور کیا ہوتا، اس لیے کہ نجات اسی میں

۱۔ سورۃ النحل: ۹۸

Marfat.com

ہے، اور دروازۂ بہشت کی کنجی اغراضِ نفسانی سے مجتنب رہنا ہے۔ جیسا کہ حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ، نے فرمایا:

﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ۝﴾ (۱)

''جس نے روکا اپنی خواہشِ نفسانی کو، اس کا جنت ٹھکانا ہے''۔

اور ہمارے کاموں میں نفسانی اغراض یہ ہیں کہ:

انسان جو کام کرے اس کا بدلہ رضائے الٰہی اور عذابِ نفس سے رہائی مانگنے کے سوا کچھ اور مانگے، اور اقسام تکبر اور خود بینی کی حد و غایت نہیں اور نفس کا حیلہ جو وہ نکالتا ہے، ان پر انسان قبضہ کرسکتا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب میں نفس لمارہ کے مکائد پر اپنے مقام پر ایک باب مستقل لکھا جائے گا۔

فصل:

اور جو کہ مَیں نے لکھا ہے کہ پختہ ارادہ کر کے دلی آرزو کے مطابق ثابت قدم ہو کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ سائل نے مجھے قابلِ سوال سمجھ کر مجھ سے دل کی بات پوچھی اور تالیفِ کتاب کی آرزو زبانِ حال سے کی، جس میں اس کی مراد کا پورا ہونا تھا، بنابریں سوالِ سائل کا حق ادا کرنا مجھ پر لازم تھا۔ تو جب سوال سائل کے تمام حقوق ادا کرنے مجھ پر لازم ہوئے تو مَیں نے عزم بالجزم کیا، تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں، اس لیے کہ انسان کے ذمہ کسی کام کو شروع کرنا اور اس کے پورا کرنے کی نیت کر لینا ہے۔ پھر اگر اس کے اتمام میں خلل واقع ہو جائے تو وہ اس سے معذور ہے۔ جیسا کہ حضور سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا:

''نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ''۔ (۲)

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے''۔

۱۔ سورۃ النازعات: ۴۰، ۴۱

۲۔ اسے امام عسکری اور امام طبرانی نے بطریق نواس بن سمعان روایت کیا ہے اور عسکری کے الفاظ یہ ہیں: ''نية المؤمن خير من عمله، ونية الفاجر شر من عمله'' امام دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں بطریق أبی موسیٰ الأشعری ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے ''نية المؤمن خير من عمله، وان الله عزوجل ليعطي العبد على نيته مالا يعطيه على عمله وذلک أن النية لا رياء فيها والعمل يخالطه الرياء .'' امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں سھل بن سعد الساعدی سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے

(بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔)

Marfat.com

جس کا مفہوم یہ ہے کہ کام شروع کرنے کی ابتداء میں نیت کرنا اس کام کے شروع کرنے سے بہتر ہے اور تمام معاملات میں نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے اور اس پر یہ بدیہی دلیل ہے کہ انسان نیت کے ساتھ ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں آجاتا ہے۔ قطعِ نظر اس سے کہ ظاہر میں عمل ہو یا نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص روزہ رکھنے کی نیت کے بغیر بھوکا رہے تو اس کو کچھ ثواب نہیں اور جب روزہ کی نیت سے بھوکا رہے تو اس بھوکے رہنے میں اسے اتنا ثواب ہوتا ہے کہ مقربینِ بارگاہ کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ روزہ دار رہنے سے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

" نية المؤمن خير من عمله، وعمل المنافق خير من نيته وكل يعمل على نيته فاذا عمل المؤمن عملاً نار من قلبه نور " امام ہیثمی کہتے ہیں: اس کے تمام راوی سوائے حاتم بن عباد بن دینار کے، ثقہ ہیں۔ کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا اور حافظ عراقی نے اپنے طریق سے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام مناوی نے اسے "اسعاف الطلاب" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے **"نية المرء خير من عمله ونية الكافر شر من عمله "** اور اسے امام طبرانی کی طرف سہل بن سعد کی روایت کے ساتھ منسوب کیا ہے اس کے علاوہ ابن حبان، امام بیہقی نے "شعب الایمان" امام مسلم، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے بطریق نواس بن سمعان اسے روایت کیا ہے۔ امام مناوی اسے **"الجامع الأزهر"** بطریق سہل بن سعد ساعدی بلفظ طبرانی لائے ہیں اور اسے امام طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ سوائے حاتم بن عباد بن دینار حارثی کے۔ میں نے اس کا ذکر کسی سے نہیں سنا۔ امام سیوطی اسے "الجامع الصغیر" میں بطریق سہل بن سعد لائے ہیں اور امام طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح ثابت بنانی اسے ان الفاظ کے ساتھ لائے ہیں۔ **"نية المؤمن أبلغ من عمله "** اور اسے حکیم ترمذی اور امام عسکری کی **" جمهرة الامثال "** کی طرف منسوب کیا ہے اور ابو موسی الاشعری سے بھی روایت کیا ہے جن کے الفاظ یہ ہیں **"نية المؤمن خير من عمله وان الله عزوجل ليعطي العبد على نيته مالا يعطيه على عمله** اور اسے امام دیلمی کی طرف منسوب کیا ہے اور نواس بن سمعان سے مروی روایت کے الفاظ جسے **" الأمثال "** للعسکری کی طرف منسوب کیا ہے، یہ ہیں:

"نية المؤمن خير من عمله ونية الفاجر شر من عمله "

حوالہ کے لیے ملاحظہ کیجئے: **كشف الخفاء (حديث: ۲۸۳۶) المقاصد الحسنة (حديث: ۱۲۶۰) حلية الأولياء ۲۵۵/۳، تاريخ بغداد ۲۳۷/۹، تميز الطيب من الخبيث (۱۲۵۲) الغماز على اللماز للسمهودي (حديث: ۱۲۱۹) الجامع الأزهر للمناوى ۲۱/۳، الجامع الكبير ۸۵۸/۱، فيض القدير للمناوى، الدرر المنتثرة للسيوطي (۴۲۶) الفوائد المجموعة للشوكاني (ص: ۲۵۰)**

Marfat.com

علاوہ ازیں دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر میں جا کر رہے تو جب تک وہاں قیامِ شرعی کی نیت نہ کرے (جو پندرہ یوم سے زائد ہے) مقیم نہیں ہو سکتا، مسافر ہی رہے گا اور قیامِ شرعی کی نیت کرنے سے (جو پندرہ یوم سے زائد ہو) مقیم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

تو حاصل مقصود یہ ہوا کہ کام کی ابتداء میں نیک نیت کرنا، اس کام کا حق ادا کرنے کے مترادف ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ!

فصل:

اور جو ہم نے لکھا ہے اس کتاب کا نام ہم نے ''کشف المحجوب'' (۴۵۹ھ) رکھا، اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ کتاب میں ہے، اس کی ترجمانی اس کتاب کا نام ظاہر کر دے۔ جس کی چشم باطن کھلی ہو وہ جب کتاب کا نام سنتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اس میں کیا کیا مضامین درج ہیں۔

اور واضح رہے کہ مقربینِ بارگاہ کے سوا عوام حقیقتِ آشنائی سے محجوب ہیں اور محض بے خبر۔ چونکہ یہ کتاب یہاں راہِ حق میں ہے اور کلماتِ تحقیق کی شرح اور کشف حجابِ شریعت کے موجب ہیں، اس لیے اس کتاب کا نام اس کے سوا اور کوئی موزوں نہ تھا۔ اور درحقیقت کشف، محجوب کے لیے ہلاکت ہے، جیسے کشف میں حجاب یعنی جس طرح قرب متحملِ بُعد نہیں ہوتا اس طرح بُعد، متحملِ قرب نہیں یا یوں سمجھنا چاہیے: جو کیڑا سرکہ میں پیدا ہوتا ہے وہ جس چیز میں پڑے گا مر جائے گا اور جو کیڑا دوسری چیزوں میں پیدا ہوا ہو وہ اگر سرکہ میں ڈالا جائے تو مر جائے گا۔

اسی طرح معانی اور تحقیق حقیقت کا راستہ اختیار کرنا اسی کا کام ہے جو اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، بخلاف اس کے جو اس کام سے نابلد ہے۔ اگر وہ اس کام میں ڈالا جائے تو اسے اس کا پورا کرنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (۱)

۱۔ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح ۸/۴۸ (باب: کل عامل میسر لعملہ) میں مصعب بن سعد کے طریق سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اعملوا فکلّ میسر لما خلق له''

امام سیوطی اسے ''الجامع الصغیر'' ۲/۹۳ میں، امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' ۴/۲۴۴ میں، امام قضاعی مسند الشھاب ۳/۳۹۳۔ (۴۴۱) میں لائے ہیں۔ ابن اَبی عاصم نے ''السنۃ'' (۱۷۳) میں اس کے مفہوم میں ابوحنیفہؒ کے طریق سے روایت کیا ہے، اگرچہ اس روایت میں نقاد محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے، لیکن یہ اپنی بکثرت شاہد روایات کے باعث صحیح ہے۔ (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔)

Marfat.com

یعنی جو انسان جس کام کے لیے بنایا گیا ہے، اسے وہی کام آسان ہے۔اور اس پر اس کام کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

لیکن حجاب دو قسم کا ہوتا ہے: ایک حجاب رینی۔ یہ وہ حجاب ہے جس سے ہم اللہ کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں۔اس لیے کہ یہ حجاب جس پر آیا پھر دُور نہیں ہوتا۔ دوسرا حجاب غینی ہے، یہ جلد رفع ہو جاتا ہے۔اس کی تصریح یوں ہے کہ ایک انسان وہ ہے کہ اس کی ذات تصدیق حق کے لیے جب حجاب ہو جاتی ہے تو اس کے نزدیک حق و باطل برابر ہو جاتا ہے۔اور ایک انسان وہ ہوتا ہے جس کی ذات تصدیقِ حق کے لیے حجاب تو ہوتی ہے مگر اس کی جبلت طالبِ حق رہتی ہے اور باطل پرستی سے اجتناب کرتی ہے۔تو وہ حجاب جو رینی ہے کبھی اٹھتا ہی نہیں اور رین، ختم، طبع، مترادف المعنی ہیں جیسا کہ ربّ العزت نے فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (۱)

''ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا ہوا ہے ان کے کرتوت کی وجہ سے''۔

اور اس زنگ کا اثر دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾(۲)

''بے شک جو لوگ کافر قطعی ہیں برابر ہے اے محبوب! خواہ انہیں خوف دلایا نہ دلا، ہرگز ایمان نہ لائیں گے''۔

اس لیے کہ:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾(۳)

''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے''۔

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

ایک اور حدیث جو اُبو حمید الساعدی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اجملوا فی طلب الدنیا ، فان کلا میسر لما خلق له منها "

اسے ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' (۲۱۴۲) میں، ابن اَبی عاصم نے ''السنۃ'' (۴۱۸) میں ابن عیاش کے طریق سے روایت کیا ہے اور ابن عیاش اس میں ضعیف ہے کیونکہ وہ غیر شامیوں سے بھی روایت کرتا ہے لیکن امام حاکم نے ''المستدرک'' ۲/۳ میں، امام بیہقی نے ''السنن الکبریٰ'' ۵/۲۶۴ میں ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ صرف امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے، اس کی سند میں عبدالملک بن سعید الأنصاری ہے جس سے امام بخاریؒ نے کوئی چیز روایت نہیں کی اور اُبو نعیم الأصفہانی نے ''حلیۃ الأولیاء'' ۳/۲۶۵ میں ایک اور سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

(حوالہ صفحہ ھذا)

۱۔ سورۃ المطففین: ۱۴ ۲۔ سورۃ البقرۃ: ۶ ۳۔ سورۃ البقرۃ: ۷

Marfat.com

اور یہ بھی فرمایا:

﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (۱)

''مہر لگائی اللہ نے اُن کے دلوں پر''۔

اور اس صفت کا حجاب جو غینی ہے، وہ کسی وقت دُور بھی ہوسکتا ہے اور رَیْن وَغَیْن کے معنی میں مشائخ نے ایک لطیف خیال بھی ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلرَّیْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْمُوْطِنَاتِ وَالْغَیْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْخَطْرَاتِ .

''رین ذاتیات موطن سے ہے اور غین وساوس وخطرات وطن سے ہے''۔

اور یہ امر ظاہر ہے کہ ذاتِ موطن پائیدار ہے اور خطراتِ وطن ناپائیدار۔ مثلاً خالص پتھر کبھی شیشہ نہیں ہوسکتا خواہ کتنی ہی جلا دیتے رہو اور اگر شیشہ مکدر ہو جائے تو چونکہ جلا اس کی ذات میں ہے، اسی وجہ سے وہ رونی جلا دینے سے مجلّا ہو جائے گا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پتھر کی ذات میں ظلمت وتاریکی ہے اور شیشہ کی ذات میں جلا وروشنی۔ تو چونکہ اصل پائیدار ہوتی ہے، بنابریں بوجہ اصلیت پتھر کسی جلا سے مجلّا نہیں ہوگا اور شیشہ ادنیٰ جلا دینے سے جلا پا جائے گا۔ تو میں نے یہ کتاب اس لیے تالیف کی ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے حجاب کا کشف ہو جائے۔ جو حجاب غین میں محجب ہیں اور درحقیقت مایۂ نورِ حق ان میں موجود ہے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے سے ان کا حجاب کھل جائے اور حقیقت کا راستہ انہیں مل جائے اور جو انکارِ حق اور احقاقِ باطل سے محبت رکھنے والے ہیں وہ ہرگز مشاہدۂ حق کی راہ نہیں پاتے۔ انہیں اس کتاب سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نِعْمَةِ الْعِرْفَان.

فصل:

ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ مقصودِ سائل ہمیں معلوم ہوگیا اور سائل کی جو غرض وغایت ہے وہ اس کتاب میں مفصل مذکور ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب تک مسئول مقصودِ سائل نہ سمجھے، مراد جواب پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اور سائل عموماً مسئول سے امورِ مشکلہ کا حل چاہتے ہیں۔ پھر جب مقصودِ سائل سمجھے بغیر جواب دیا جائے تو مقصودِ سائل حل نہیں ہوتا اور اس جواب سے کوئی فائدہ بھی نتیجہ خیز حاصل نہیں ہو۔ اور یہ امر واضح ہے کہ جب تک سوالِ مشکل کا عرفانِ مسئول کو نہ ہو، اس کا حل کرنا محال ہے۔

۱۔ سورۃ النحل: ۱۰۸

Marfat.com

اور یہ جو ہم نے کہا کہ اس کتاب کے ذریعہ سائل کی مراد پوری ہوگی، اس سے یہ مطلب ہے کہ جو سوال جامع ہوگا اس کا جواب بھی اس کتاب میں جامع ملے گا بشرطیکہ سائل اپنے سوال کے صغیر و کبیر درجات اور پہلوؤں کا عالم ہو اور اگر مبتدی سائل ہے تو اسے تفصیل کی احتیاج نہیں۔ اس کے لیے حدود اور درجات کے بیان کی ضرورت ہی نہیں۔

الحاصل، خدا ہر سائل کی غرض نیک کرے۔ میرا مقصد اس کتاب کی تالیف سے یہی ہے کہ سوالِ سائل کی تفصیل پر ایک کتاب مرتب ہو جائے۔

فصل:

اور میں نے جو یہ کہا ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ سے اتمامِ کتاب کی توفیق اور مدد طلب کرتا ہوں، اس سے جو مراد ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے لیے سوائے اس معینِ حقیقی کے، کوئی ایسا ناصر نہیں جو اعمالِ صالحہ پر اس کی اعانت کرے اور اس کی تکمیل کی توفیق بخشے۔

اب یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ توفیق کیا ہے؟

توفیق کہتے ہیں امورِ خیر میں انسان کے ہر فعل کے اندر فعالِ حقیقی جل مجدہٗ کی اعانت۔ اور امورِ خیر وہ ہیں جن کے نیک ہونے پر کتاب و سنت ناطق ہو اور ان کے استحسان پر اجماعِ امت پایا جائے اور لفظ ''توفیق'' کو سوائے جماعتِ معتزلہ اور گروہِ قدریہ، سب اسی معنی میں لائے ہیں۔ برخلاف معتزلہ و قدریہ کے کہ وہ اس لفظِ توفیق کو تمام معانی سے خالی سمجھتے ہیں اور ایک جماعت مشائخِ طریقت کے نزدیک توفیق کے معنی یہ ہیں:

اَلتَّوفِیْقُ هُوَ الْقُدْرَ ةُ عَلَی الطَّاعَةِ عِنْدَ الْاِسْتِعْمَالِ.

''توفیق کیا ہے، یہ کہ انسان بوقتِ عمل اپنے میں قدرتِ اطاعت پائے''۔

اس لیے کہ جب بندہ اپنے ربّ جل مجدہٗ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے میں منجانب اللہ بہ نسبت سابق بہت زیادہ استعداد پاتا ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً جو حرکات و سکنات اس سے سرزد ہوتی ہیں وہ منجانب اللہ اس کی پیدائش سے قبل اس کے لیے مقدر ہوتی ہیں تو اس فن کو جس سے انسان مطیع و فرمانبردارِ حکمِ الٰہی ہوتا ہے، توفیق کہتے ہیں۔

اور اس کتاب میں اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ یہ مبحث جداگانہ ہے۔ بنابریں مَیں اپنے بیان کو اصل مطلب کی طرف لے جاتا ہوں اور اصل مدعا پر جانے سے قبل میں اس سوال کو بعینہٖ بیان کرتا ہوں۔ حقیقتاً کتاب ھذا کا شروع ہی اسی سوال سے ہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوفِیْقُ!

Marfat.com

استفسار:

فرماتے ہیں کہ ابو سعید ہجویریؒ(۱) نے مجھ علی ہجویریؒ سے سوال کیا کہ:

''اہل طریقت و تصوف کی کیفیت اور ان کے مقامات و مذاہب بیان کر اور اربابِ تصوف کے رموز و اشارات ظاہر کر اور یہ بھی واضح کر کہ اللہ جل مجدہٗ کی ذات و صفات کے ساتھ ربطِ محبت کیوں کر ہوتا ہے اور اس کا لطفِ بے کیف قلوبِ صوفیاء پر کس طرح متکیف ہوتا ہے اور اس کی ماہیت معلوم ہونے سے عقول کا حجاب اور اس کی حقیقتِ آشنائی سے نفس کی منافرت اور اس کی ضیاء و صفا سے روح کو آرام کیوں کر ہے!''

مسئول علی بن عثمان جلابی نے کہا: اللہ اُس کے اس جواب دینے میں اعانت فرمائے۔

ہمارے اس زمانہ میں علمِ حقیقت و معرفت مندرس اور معدوم جیسا ہو گیا ہے۔ خاص کر ان ممالک میں جہاں کے عوام خواہشاتِ نفسانیہ کے پیرو بن گئے ہیں اور راہِ رضا(۲) و استقامت سے منحرف!

اور عام طور پر علماء نے صورتِ طریقت کو اس کی اصلیت کے برخلاف ظاہر کر کے عوام کی ہیات بدل دی ہیں۔ لہٰذا آؤ اور کمر ہمت چست کرو، اس لیے کہ اس سوال کی حقیقت تک خواص کے سوا عوام کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور عوام اہل ارادہ کی اُمیدیں اس کے حصول کی امید سے مایوس ہیں!

اور دَر حقیقت حضرت جل مجدہٗ تعالےٰ شانہٗ کے خواص کے علاوہ تمام مدعیانِ عرفان کی معرفت بے کار ہے۔ اس لیے عوام نے معرفت سے مراد محض اس کے لغوی معنی لیے ہیں اور بہ دل و جان اس کے حجاب کے خریدار ہو چکے ہیں اور یہ کام تحقیق کا تھا مگر اب محض تقلید میں رہ گیا ہے۔ حتی کہ درجۂ تحقیق ان سے مخفی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام بھی کہنے لگ گئے کہ ہم حق شناس عارف ہیں! اور خواص ان سے اس لیے خوش ہیں کہ ان کے دلوں میں عرفان کی تمنا چاہتے ہیں اور سوزِ محبت ان میں دیکھتے ہیں اور مدعی تصوف و عرفان اپنے اپنے دعوے میں اس قدر محو ہو گئے کہ معانی حقیقی حل کرنے میں عاجز ہیں۔ پیر و مرید دونوں نے مجاہدہ چھوڑ دیا اور محض اپنے وہم و ظن کا نام مشاہدہ رکھ لیا۔ میں نے اس فن میں کئی کتابیں لکھیں مگر سب ضائع ہو گئیں۔

۱۔ ابو سعید ہجویریؒ مشائخ غزنی میں سے ہیں۔

۲۔ رضا اصطلاحِ صوفیاء میں فاعلِ حقیقی کے خیر و شر پر خوش رہنے کو کہتے ہیں۔ منہ ۱۲

Marfat.com

مدعیانِ کاذب نے لوگوں کو دامِ تذویر میں پھانسنے کے لیے صوفیاء کے چند الفاظ یاد کر لیے ہیں اور اصل مفہوم نسیاً منسیا کر ڈالا اور دل میں انکار کے سوا کچھ نہیں اور اسے وہ نعمت جانتے ہیں۔

ایک گروہ اس علم کے حاصل کرنے کو آمادہ ہو کر بیٹھا مگر کچھ حاصل نہ کر سکا۔ دوسرے گروہ نے فن پڑھا مگر اس کے معنی پر عبور حاصل نہ کر سکا اور عبارت یاد کر کے ظاہر کرتا پھرا کہ ہم فنِ تصوف اور علمِ عرفان جانتے ہیں اور حقیقتاً یہ انکار خالص ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معانی حقیقی کا جاننا ایسا ہے جیسے کبریتِ احمر پا کر اس کی ایک دانگ (۸ رتی) کی نسبت سے تانبا، کانسی کو سونا بنادے۔

مختصر یہ کہ ہر شخص وہ دوا چاہتا ہے جو اس کے درد کے لیے دافع ہو اور اس کے سوا اُسے اور کسی چیز کی طلب نہیں۔ بزرگوں میں سے کسی نے خوب کہا ہے:

فَكُلُّ مَنْ فِيْ فُؤَادِهٖ وَجَعٌ
وَ يَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجَعَا

''ہر وہ شخص جس کے کلیجہ میں درد ہے اور وہ اسی چیز کا طالب ہے جو اس کے درد کو مفید ہو''۔

پھر جس مریض کی بیماری معمولی ہے اسے موتی اور مرجان کی کیوں تلاش ہو کہ وہ اسے خمیرہ مروارید اور دواء المسک میں ڈالے۔

درحقیقت آشنائی اس وجہ میں بھی عزیز الوجود ہے کہ ہر کس و ناکس کے حصہ میں یہ دولت نہیں۔ (جس طرح میری تصانیف جامع ہوئیں ایسے ہی)۔

علمِ تصوف سے جاہل لوگوں نے بزرگانِ سلف کی کتابوں کو لے کر بغیر سمجھے ان کی یہ عزت کی، اس اسرارِ الٰہیہ کے خزانہ کو کلاہ فروشوں اور جلد سازوں کے ہاتھ بیچ کر ضائع کر دیا۔ انہوں نے ان کے اوراق پھاڑ پھاڑ کر ٹوپیوں کے استروں میں لگا دیئے اور جلد سازوں نے ابونواس کے دیوان اور جاحظ کی ہزلیات کی جلدوں میں چپکا دیئے۔

گویا یہ ایسے ہوا جیسے بازِ شاہی کسی بڑھیا کے مکان پر چلا گیا اور اُس نے اس کے پَر، بازو کاٹ کر گھر میں ڈال دیا۔ ربّ العزت جل مجدہٗ نے ہمیں بھی ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا کہ اہالیانِ زمانہ حظوظ حرص و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلبِ جاہ اور ریاست و تکبر کو عزت و علم سمجھ لیا اور ریا کاری و نمائش کو خوف الٰہی قرار دے دیا اور بغض، حسد و کینہ کو حلم و برد باری بنا لیا۔ مجادلہ کا نام مناظرۂ دین رکھ لیا۔ لڑائی جھگڑا، کمینہ پن کا نام غیرت رکھ لیا۔ نفاق کے معنی زُھد کر لیے اور غناءِ باطل کو ارادت

Marfat.com

بتانے لگ گئے ۔ہذیان وبکواس کا نام معرفت رکھ لیا۔حرکتِ دل بڑھ جانے کو قلب جاری ہونا کہہ دیا۔دل میں جوخطرات پیدا ہوتے ہیں اس کا نام الہام وحدیث نفس بنالیا۔الحادِ خالص کو فقر کہہ دیا۔جو دحق سے سہل انگاری کو صفوت کہہ ڈالا ۔زندقہ کا نام فنافی اللہ ہونا رکھ لیا۔ترکِ احکامِ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام کو عین طریقت بنا بیٹھے اور خس وخاشاک ،فکر دنیا و آفتِ زمانہ کا نام معاملہ فہم بنالیا۔

آخرش اربابِ معنی واہلِ سلوک ان دیدہ دلیروں سے الگ ہوگئے اور اغیار نے عوام پر غلبہ پالیا۔جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی ابتدائی زمانہ کی پریشانی اور ضعف پر حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حقیقت آشنا اور بےنظیر دلائل پیش کرنے والے محقق ،نکتہ سنج ،اربابِ کمال کے تاجور ہیں ،آلِ مروان کو کیا خوب فرمایا ہے:

"اُبْتُلِيْنَـا بِزَمَانٍ لَيْسَ فِيْهِ اٰدَابُ الْإِسْلَامِ وَ لَا اَخْلَاقُ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا أَحْكَامُ ذَوِي الْمُرُوَّةِ."

"ہم ایسے زمانہ کے ساتھ ابتلا میں ہیں جس کے اندر نہ آدابِ اسلامی ہیں ،نہ زمانۂ جہالت جیسے اخلاق اور نہ اہلِ مروّت کے طور طریقے باقی ہیں"۔

اس کے مطابق متنبّی کا ایک شعر ہے:

لَحَا اللّٰهُ ذِي الدُّنْيَا مُنَاخًا لِرَاكِبِ
فَكُلُّ بَعِيْدِ الْهَمِّ فِيْهَا مُعَذَّبُ (۱)

"اللہ اس دنیا پر لعنت کرے جو سوار کے اترنے کی جگہ ہے ،پس اس میں ہر بلند ہمت عذاب میں ہے"۔

فصل:

اے طالبِ حق! اللہ تجھے نیک کاموں میں قوی ایمان کرے۔یقین جان کہ مَیں نے اس علم دنیا کو اسرارِ الٰہی کا مقام اور مخلوقات کو اس کی امانت خاص پایا اور موجودات واعیانِ ثابتہ کو اس کی صنعتِ لطیف کا مظہر دیکھا اور جو ہر عرض ،عنصر ،جرم ،بدن ،طبائع ان سب کو اسرارِ مکتوبہ کا پردہ پایا اور مقامِ توحید میں مذکورہ اشیاء کے اثبات کو شرک سمجھا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہٗ نے اس جہان فانی کو بمنزلہ حجاب رکھ کر اپنے حکم سے ہر اک دل کو تسلی بخشی ہے اور انسان اپنے وجود کے سبب حقیقت آشنائے توحید ہونے سے محجوب ہے اور

۱۔ دیوانِ متنبی ،بتحشیہ از استاذ اسیر ادروی (قدیمی کتب خانہ کراچی)،ص:۲۶۹

Marfat.com

ارواح بھی رفاقتِ وجودِ انسانی کی بدولت مغرور ہو کر اپنے ربّ مجید کی تقریب اور اس جسم سے نجات پانے میں محروم ہوگئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اسرارِ الٰہیہ بذریعہ عقل سمجھنا مشکل، بلکہ محال ہیں۔ اسی وجہ سے لطائفِ حق سے روحِ انسانی محجوب ہوگئی اور مجسمۂ انسانی اپنے برزخی وجود سے دُور ہوگیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴾ (۱)

''قسم ہے محبوب تیرے عصر پاک کی! بیشک انسان اپنے عنصر وجودی کے حجاب میں آ کر معرض زیاں میں ہے''۔

اور یہ بھی فرمایا:

﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴾ (۲)

''بے شک وہ بڑا نادان و ناعاقبت اندیش اور جاہل ہے''۔

پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْهِ نُوْرًا. (۳)

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حجاباتِ عنصر پر پیدا فرمایا، پھر ان پر تزکیہ وتصفیۂ قلب کے ذریعے اپنے نورِ خاص کی جھلک ڈالی''۔

پھر وہ حجابِ علم دنیا میں فریضۂ انسانی کے اندر مل گیا اور بتصرفِ عقل طبائع انسانی پر غالب آ گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس پر قناعت کر کے روح کی صفائی کی بجائے خریدارِ حجابات ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان من حیث الانسان اسرارِ حقیقی اور انوارِ کشف سے بے خبر رہ کر ان افعال سے گریز کرتا ہے جو اس کی نجات کے سبب ہیں۔ گویا وہ مثل بہائم و انعام ہوگیا جو بوئے توحید سے ناآشنا، جمالِ احدیت سے بے بہرہ، ذوقِ وحدانیت سے بے خبر ہے۔ اس کی ترکیب حجابی مشاہدہ اور تحقیق سے عاجز ہے۔ اسی وجہ سے مرضیاتِ الٰہیہ کو چھوڑ کر حرص و ہوائے دنیاوی کی طرف رجوع ہے۔ اپنی نظم حیوانی کے ساتھ حیاتِ ربانی کو مقہور کر کے خواہشاتِ نفسانیہ کی حرکتوں پر چلنے لگ گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجسمۂ خواہشاتِ نفسانیہ بن گئے۔ سونے، کھانے اور شہوانی کیفیتوں کی

۱۔ سورۃ العصر:۱ ۲۔ سورۃ الاحزاب:۷۲

۳۔ سنن ترمذی ۲/۹۸ اور امام سیوطی نے اسے ''الجامع الصغیر'' ۱/۹۶ میں اور امام ابن عربی نے ''الفتوحات المکیۃ'' ۲/۸۱ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: ان اللّٰہ تعالیٰ خلق خلقه فی ظلمة فالقی علیهم من نوره فمن أصابه من ذلک النور اهتدی، ومن اخطاه ضلّ

Marfat.com

پیروی کرنے کے سوا اور کچھ خبر ہی نہیں۔

ربّ جل مجدہ وعزاسمہ نے اپنے خاص دوستوں کو مذکورہ امور سے مجتنب رہنے کے لیے اس طرح ہدایت فرمائی:

﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۝﴾ (۱)

''اے میرے محبوب! چھوڑ ان کو تا کہ کھائیں، زندگی کے عیش اُڑائیں اور دنیاوی حرص وآرزو انہیں غافل رکھے، پھر عنقریب جان لیں گے (کہ اس غفلت کا نتیجہ کیا ملا)''۔

چونکہ عوام الناس کی طبیعتوں کے غلبہ نے ان سے اسرارِ الٰہیہ پوشیدہ کر دیئے تو ان پر عنایاتِ الٰہی کی بجائے خواری وذلت چھا گئی۔ اسی وجہ سے تمام نفس امارہ کے پیرو ہو گئے اور یہ سب میں بڑا حجاب ہے اور برائی کا منبع۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ (۲)

''بے شک نفس برائیوں کا حکم کرنے والا ہے''۔

اب میں اصل کتاب شروع کرتا ہوں اور مقصودِ طالب کو مقاماتِ خاص اور حجاب ہائے گوناگوں میں ظاہر کروں گا اور بیانِ لطیف کے ساتھ حکایاتِ فن سناؤں گا، فرامین مشائخ کرام کو اس سے تطبیق دوں گا اور اربابِ فن کی عبارات کو نہایت موزوں صورت میں چسپاں کروں گا۔ احوالِ بزرگان دین اور حالاتِ مقربین سے مفہوم سمجھانے میں امداد لوں گا، تاکہ طالب مفہوم کی مرادِ فہم پوری ہو، تاکہ علماءِ ظاہر امداد دیں۔ علاوہ ازیں جو بھی اسے دیکھے، جان لے کہ طریق تصوف کتنا ہموار ہے، اور شجرۂ طریقت کی جڑیں کس قدر مضبوط ہیں اور اس کی شاخیں کیسی بار آور ہیں اور ہر کوئی سمجھ سکے کہ تصوف تمام علوم کی اصل ہے اور اس سے علماءِ تصوف ہمیشہ اپنے مریدوں کو تحصیل علم کی ہدایت کرتے رہے اور لہو ولعب و ہزلیات کی پیروی سے روکتے رہے، اور اس فن کی ترویج و ترغیب سے ان کی تصانیف بھری ہوئی ہیں، جن میں وہ مضامین ہیں جو انہیں منجانب اللہ وارد وصادر ہوئے۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

۱۔ سورۃ الحجر:۳ ۲۔ سورۃ یوسف:۵۳

Marfat.com

پہلا باب

اثباتِ علم

علماء حقہ کی صفت میں حضرت ربُّ العزت جل شانہٗ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (۱)

''اللہ کے بندوں میں خشیتِ الٰہی رکھنے والے علماء ہی ہیں''۔

حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ العِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ. (۲)

''ہر مسلمان مرد وعورت پر علم دین حاصل کرنا فرض ہے''۔

۱۔ سورۃ فاطر: ۲۸

۲۔ یہ حدیث حضرت علی المرتضی، ابن مسعود، انس، ابن عمر، ابن عباس، جابر اور ابوسعید رضی اللہ عنھم اجمعین سے مروی ہے لیکن اس کے صحیح اور ضعیف ہونے کے بارے میں، اقوال وآراء کا اختلاف ہے، امام عراقی نے ''تخریج الاحیاء'' میں کہا کہ بعض ائمہ کرام نے اس کی بعض اسناد کو صحیح قرار دیا ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں اس کا متن مشہور ہے لیکن سند ضعیف ہے اور تمام ضعیف طرق سے مروی ہے۔امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں ہمارے نزدیک کوئی چیز ثابت نہیں اسی طرح امام ابن راھویہ کہتے ہیں کہ جہاں تک اس کے معنی و مفہوم کا تعلق ہے، تو وہ صحیح ہے۔

ابوعلی نیشاپوری کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اس کی صحیح اسناد مروی نہیں ہیں اور اسی طرح ابنِ جوزی نے ''الموضوعات'' میں کہا ہے اور ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔امام ابن قطان کہتے ہیں کہ اس طرح کی کوئی چیز صحیح نہیں۔امام نووی نے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔امام ذھبی نے ''میزان الاعتدال'' میں اسے باطل کہا ہے۔امام زرکشی نے ''التذکرۃ'' میں کہا ہے کہ اس کے تمام طرق محل نظر ہیں۔اور سب سے عمدہ سند قتادہ وثابت عن انس اور مجاھد عن ابن عمر کی ہے اور ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم والعلماء'' میں کہتے ہیں کہ یہ کئی اسناد کے ساتھ مروی ہے لیکن وہ ساری معلول ہیں۔حافظ جمال الدین مزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے جو حسن رتبے تک پہنچ جاتے ہیں۔امام سیوطی نے ''الجامع الصغیر'' میں ابن جوزی نے ''العلل المتناھیۃ'' ۱/۶۲، ۶۶ اور ابن عراق نے ''تنزیہ الشریعۃ'' ۲/۲۵۸ میں اس کے بارے بڑی طویل بحث کی ہے۔

امام ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' میں کثیر بن شنظیر کے طریق سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے انس بن مالک سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم وواضع العلم عند غیر أھلہ کمقلد الخنزیر الجواھر واللؤلؤ والذھب (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔)

Marfat.com

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ. (۱)

''علم حاصل کرو اگر چہ چین سے دستیاب ہو''۔

اور واضح رہے کہ اقسامِ علم بے حد ہیں اور عمر انسانی نہایت ناقص۔۔۔ بنابریں واضح ہو گیا کہ تمام علوم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں مثلاً علم نجوم، علم حساب، علم صنائع و بدائع وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان علوم میں سے اتنا حاصل کرنا لازمی ہے جس کی شریعتِ مطہرہ کے اندر ضرورت

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

سنن ابن ماجه ۱/۸۱ (باب فضل العلماء والحث على طلب العلم) مجمع الزوائد للهيثمي ۱/۱۱۹، ۱۲۰، ۹۱/۴، جامع بيان العلم للقرطبي ۷/۱، تاريخ بغداد للخطيب: ۱/۴۰، ۴۰۷، ۱۵۶/۴، ۴۰۴/۵، ۳۸۶/۶ المعجم الكبير للطبراني ۲۴۰/۱۰، المعجم الصغير ۹۲/۱، الجامع الكبير للسيوطي ۲۹۲۵/۲ (حديث: ۵۶۶۳، ۵۶۶۵، ۵۶۶۷) تاريخ دمشق لابن عساكر ۲۴۸/۱، المقاصد الحسنة للسخاوي (۶۶۰) كشف الخفا للعجلوني (۱۶۶۵) اسنى المطالب (۸۵۹) تميز الطيب من الخبيث (حديث: ۸۲۳) الموضوعات لابن الجوزي ۲۱۵/۱، الفوائد المجموعة للشوكاني (ص: ۲۷۲) الجامع الأزهر للمناوي ۱۰/۲ الغماز على اللماز للسمهودى، الدرر المنتثرة للسيوطى (حديث ۲۸۳)، التذكرة للزركشى (ص: ۴۳) فيض القدير للمناوى ۲۶۷/۴، تذكرة الموضوعات للحافظ محمد بن طاهر المقدسى. (حديث: ۵۰۸) الفقيه والمتفقه للخطيب ۵۲/۱، المطالب العالية ۱۳۰/۲، ميزان الاعتدال ۹۵/۳ تنزيه الشريعة لابن عراق ۲۵۸/۱، لسان الميزان للعسقلانى ۲۵/۳ كتاب المجروحين لابن حبان ۱۴۱/۱، اللآلي المصنوعة للسيوطي ۱۹۳/۱، العلل المتناهية لابن الجوزي (حديث ۵۰تا۷۴) احياء العلوم للغزالي ۱۶/۱، مسند الشهاب للقضاعي ۱۳۵/۱ (حديث: ۱۳۰)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱۔ اسے امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں، امام سخاوی نے ''المقاصد الحسنۃ'' میں خطیب نے ''الرحلۃ'' میں، ابن عبد البر نے ''جامع العلم'' میں اور دیلمی نے بھی روایت کیا ہے، اور ان تمام نے ابو عاتکہ طریف بن سلمان کے طریق سے روایت کیا ہے، اور تنہا ابن عبد البر نے اسے عبید بن محمد کے طریق سے، انہوں نے ابن عیینہ سے، انہوں نے زہری سے اور ان دونوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ابن جوزی نے اسے ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے۔ لیکن اسانید ضعیف ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: المقاصد الحسنة (۱۲۵) الفوائد المجموعة (ص: ۲۷۲) احياء علوم الدين ۱۶/۱، ۲۳.

Marfat.com

ہے، جیسے علم نجوم۔ اس کا اتنا جاننا ضروری ہے جس سے رات دن کے اوقات، صوم وصلوٰۃ کے وقت جانے جاسکیں۔ علمِ طب اس قدر ضرور پڑھا جائے جس سے انسان صحت کی حفاظت، عوارضاتِ مرض سے کر سکے۔ اسی طرح ریاضی اس قدر پڑھنی ضروری ہے جس سے علمِ فرائض آسانی سے سمجھ سکے۔

غرضیکہ علم اس قدر حاصل کرنا ضروری ہے جس سے حوائج شرعیہ پورے ہوسکیں اور وہ علم جس سے منافع اُخروی کے ساتھ کچھ تعلق نہ ہو، اس کی مذمت ربّ العزّت جلّ مجدہ نے فرمائی اور ارشاد ہوا:

﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾(۱)

''سیکھتے ہیں ان علوم کو جو انہیں (اعتقادات و مذہبیات میں) نقصان پہنچاتے اور نفع رساں نہیں ہوتے''۔

اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے علم سے پناہ مانگی اور فرمایا:

اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ. (۲)

''یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں علمِ بے منفعت سے''۔

بہر حال تھوڑے علم سے بہت عمل کیا جاسکتا ہے اور طالبعلم کو لازم ہے کہ علم باعمل حاصل کرے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ سورۃ البقرۃ:۱۰۲

۲۔ یہ حضرت حفص سے مروی روایت کا حصہ ہے جسے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (حضرت حفص، عمرو کے بیٹے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں) آپ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی دعا اس طرح ہوتی تھی:

اللّٰهم اني أعوذبک من علمٍ لاينفع، وقلب لايخشع و دُعاءٍ لايسمَع، ونفسٍ لاتشبع أعوذبک من شرّ هؤلاء الأربع.

اسے امام اُحمد بن حنبل نے اپنی ''مسند'' ۲۸۳/۳، امام نسائی نے ''السنن الكبرى'' ۲۶۳/۸، حاکم نے المستدرک ۱۰۴/۱ میں حفص کے طریق سے، ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' (۸۳) میں ابونصر کے طریق سے، ابن اُبی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' ۱۸۷/۱۰ میں امام طیالسی نے اپنی ''مسند'' (۱۲۸۲) میں، امام بیہقی نے ''الدعوات الکبیر'' (ص:۵۵) میں امام بغوی نے ''شرح السنۃ'' (۱۳۵۹) میں متعدد سندوں سے، امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' ۲۰۸۸/۴ میں، ابن ماجہ نے اپنی ''سنن'' (۲۵۰) میں امام منذری نے ''الترغیب والترھیب'' ۱۲۴/۱، ۵۴۱/۲ میں امام قضاعي نے ''مسند الشھاب'' ۳۳۲/۲ (حدیث نمبر:۱۴۶۶) میں روایت کیا ہے۔

Marfat.com

اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا فِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُوْنَةِ. (۱)

''عبادت کرنے والا بغیر جانے علم فقہ کے، اس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں دن بھر جُتا اور شام کو جہاں تھا، وہیں رہا''۔

گویا بے قاعدہ شرعی عبادت کا نتیجہ یہی ہے جو خراس کے گدھے کا کہ دن بھر پھرا، مگر حصول کچھ بھی نہ کر سکا۔

مَیں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا کہ وہ علم پر عمل کو فضیلت دیتا ہے اور ایک جماعت دیکھی ہے جو عمل پر علم کو مقدم رکھتی تھی اور درحقیقت یہ دونوں باطل پر تھے۔ اس لیے کہ عمل بغیر علم، عمل نہیں کیونکہ عمل، عمل جب مانا جاتا ہے جب کہ اس کا علم ہو۔ عمل کنندہ جانے کہ اس عمل سے ہمیں یہ ثواب یا درجہ ملے گا۔ جیسے نماز اور اس کی صحت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ نماز پڑھنے والا احکامِ طہارت کا علم حاصل نہ کرلے اور جب تک پانی کے پاک ہونے کا علم نہ ہو جائے وضو صحیح نہیں ہو سکتا۔

قبلہ کی سمت کا اگر علم نہیں، نماز درست نہیں۔ اسی طرح جب تک نیت کے معنی اور اس کی حقیقت کا علم نہ ہو، نماز بے کار ہے۔ اسی طرح اگر ارکانِ نماز نہیں جانتا تو پھر نماز کہاں درست ہو سکتی ہے!!

تو ثابت ہوا کہ عمل، علم سے قریب ہوتا ہے۔ تو وہ جاہل جو علم کو عمل سے علیحدہ کر رہا ہے اور علم کو عمل پر فضیلت دے رہا ہے محض لغو اور بناء علی الباطل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علم کا وجود بغیر عمل نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲﴾

''ایک جماعت انہیں میں سے وہ ہے جنہیں اللہ کی کتاب عطا ہوئی ہے مگر اُنہوں نے اللہ کی کتاب کو ایسا پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ اس کتاب سے جاہل ہیں۔''

گویا ربّ جل جلالہٗ نے عالموں کا نام علماء کی جماعت سے بے عمل ہونے کی وجہ سے نکال دیا۔ اگرچہ پڑھنا، یاد کرنا، یاد رکھنا، اس یاد کیے ہوئے کی محافظت کرنا یہ بھی ایک عمل ہے کہ اس سے بھی بندہ کو اجر کا مستحق مانا جاتا ہے۔ مگر جبکہ علم کا حکم اس کے اعمال کے خلاف ہو تو اسے

۱۔ الفوائد المجموعة، شوکانی، ص ۲۹۰۔ ۲۔ البقرة: ۱۰۱

Marfat.com

اس کو یاد کرنے وغیرہ کا کچھ ثواب نہیں ملتا ہے۔

اس مسئلہ میں دو فرقے ہیں: ایک وہ کہ وجاہت خلق علم کے چہرے میں دیکھ کر اس کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا اور علم کی حقیقت تک خود پہنچ کر عمل کو علم سے جدا کرتا ہے۔ یہ وہ فرقہ ہے جو نہ علم کو سمجھا نہ عمل کو، حتیٰ کہ جاہلوں کو کہتا پھرتا ہے قال نہیں چاہیے کار چاہیے۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ عمل کچھ نہیں علم چاہئے۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا، اس پر لکھا ہوا تھا: ''مجھے پلٹ اور پڑھ۔'' میں نے پلٹا تو اس پر یہ لکھا دیکھا:

اَنْتَ لَاتَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ عَمَلًا مَا لَا تَعْلَمُ

''جب تو اپنے علم کے مطابق عمل سے قاصر ہے تو محال ہے کہ جس کا تجھے علم نہیں، اس پر عمل کرے۔''

گویا یہ ہدایت اس پر منقش تھی کہ انسان اس حد تک عمل کوش رہے جس حد تک اسے علم ہے تا کہ اس کی برکت سے وہ بھی جان لے جو نہ جانتا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

هِمَّةُ الْعُلَمَاءِ الدِّرَايَةُ وَ هِمَّةُ السُّفَهَاءِ الرِّوَايَةُ .

''علماء کا خزانہ معلومات علم ہے اور جہلاء کا خزانہ علم محض روایات کا نقل کر دینا۔''

چونکہ علماء سے لوازمات جہالت منفی ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ علم کو ذریعۂ جاہ وعزتِ دنیا نہیں بناتے اور جو علم کے ذریعے جاہ طلبی کرتے اور عزت دنیاوی چاہتے ہیں وہ لوازمات جہل میں ملوث رہ کر کوئی درجہ، درجات اہلِ علم سے نہیں پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم بغیر کسی لطیفہ کے، ذریعۂ خدا رسیدہ نہیں ہوسکتا اور علم کی برکت سے تمام مقامات کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

فصل:

اب یہ سمجھنا چاہئے کہ علم دو ہیں: ایک علمِ الٰہی، دوئم علم خلق۔ اور علمِ خلق متلاشیِ علمِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ علم الٰہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفتِ الٰہی ذاتِ الٰہی کے ساتھ قائم ہے اور صفاتِ الٰہیہ بے نہایت ہیں اور ہمارا علم (یعنی علم خلق) صفتِ خلق ہے اور صفتِ خلق مخلوق کے ساتھ قائم ہے اور مخلوق کی صفات متناہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

Marfat.com

﴿وَمَآ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا۝﴾ (۱)

''یعنی تم کو علم (تمہارے ظرف کے مطابق) قلیل دیا گیا ہے۔''

الغرض علم مدح کی صفتوں میں سے ہے اور اس کی تعریف احاطۃ المعلوم ہے۔ یعنی معلومات کا احاطہ کرنا یا تبیین المعلوم تعریفِ علم ہے، یعنی معلوم کا واضح طور پر بیان کرنا اور بہترین جامع و مانع تعریف علم یہ ہے کہ:

اَلْعِلْمُ صِفَةٌ يَصِيرُ الْجَاهِلُ بِهَا عَالِمًا.

''یعنی علم ایک ایسی صفت ہے جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ۝﴾ (۲)

''بے شک اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔''

اور فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ۝﴾ (۳)

''اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

اور علمِ الٰہی ایک ایسی صفت ہے جس سے وہ تمام وجودات و معدومات کو جاننے والا مانا گیا ہے اور ایسا عالم مانا گیا کہ اس جیسا عالم ہونے میں مخلوق کا کوئی جز شریکِ صفت نہیں ہوسکتا، اور اس علمِ ذاتی کی تجزی بھی نہیں ہوسکتی اور نہ یہ علم اس کی ذات سے کبھی جدا ہوسکتا ہے۔

اور اس علم پر اس کی ترتیب فعالی دلیل ہے اس لیے کہ ہر فعل بحکمِ علم ظہور پذیر ہوتا ہے اور علمِ الٰہی کی ہی یہ شان ہے کہ ہر مکتوم و ظاہر پر ہر آن محیط ہے۔

طالبِ حق کو لازم ہے کہ بوقتِ عمل یہ یقین کرے کہ وہ عالمِ غیب، حاکمِ حقیقی میرے اس عمل کو دیکھ رہا ہے جیسا کہ اس کا عقیدہ ہے کہ وہ ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھنے والا ہے۔

حکایت:

روایت ہے کہ ایک رئیسِ بصرہ کسی دن اپنے باغ میں گیا۔ اس کی نظر اپنے باغ کے مالی کی بیوی پر پڑی اور بُرا خیال پیدا ہوگیا۔ رئیس نے مالی کو کسی کام کے لیے بھیج دیا اور اس کی بیوی کو کہا: باغ کے سب دروازے بند کر دے۔ عورت نے آکر کہا: مَیں نے سب دروازے بند کر دیے

۱۔ سورۃ بنی اسرائیل:۸۵ ۲۔ سورۃ البقرہ:۱۹

۳۔ سورۃ البقرہ:۲۸۲

Marfat.com

ہیں مگر ایک دروازہ ایسا ہے کہ مَیں اس کو بند نہیں کرسکتی۔ رئیس نے پوچھا وہ کون سا دروازہ ہے؟ مالی کی بیوی نے کہا وہ دروازہ وہ ہے جو میرے اور میرے ربّ کے مابین ہے۔ یہ سن کر رئیس شرمندہ ہوا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی۔

حاتم اصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے چار علم اختیار کیے ہیں اور دنیا کے تمام علوم سے آزاد ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت وہ چار علم کون سے ہیں؟: فرمایا:

پہلا علم تو یہ ہے کہ میرا رزق جتنا میرے لیے مقسوم ہے، کم یا زیادہ نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے مَیں زیادہ کی تلاش سے بے پرواہ ہوں۔

دوسرا علم یہ ہے کہ مجھ پر میرے ربّ جل مجدہ کے ایسے حقوق ہیں، جو میرے سوا دوسرا ادا نہیں کرسکتا، تو مَیں ان حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا ہوں۔

تیسرا علم یہ ہے کہ میرا ایک طالب ہے جسے موت کہتے ہیں، اس سے بھاگنا ناممکن ہے، اس لیے مَیں اس کے لیے تیار ہوں۔

چوتھا علم یہ ہے کہ میرا ربّ جل مجدہ وتعالیٰ شانہٗ مجھے ہر لمحہ دیکھنے والا ہے۔ مَیں اس سے شرماتا ہوں اور ناکردہ کاری سے اجتناب کرتا ہوں اور ہر ایسے فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، جس کی وجہ سے کل قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔

فصل:

بندہ کا علم اوامرِ الٰہیہ اور اس کی ذات کے جاننے میں ضروری ہے اور علمِ اوقات اور اوقات میں جو بندہ پر لازم ہے، اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔ پھر احکامِ ظاہری و باطنی کا سمجھنا بھی ضروری ہے، اور ظاہر و باطن امور کے لحاظ سے علمِ مخلوق کی دو قسمیں ہیں: ایک علمِ اصول، دوسرا علمِ فروع۔ اصولِ ظاہری میں تو کلمہ شہادت ہے یعنی وحدانیتِ الٰہی کا اعتراف اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق، اور اصول باطن میں معرفت کی تحقیق۔ اسی طرح فروع ظاہری آپس میں معاملات اور برتاؤ درست رکھنا اور فروعِ باطنی دل سے نیت صحیح رکھنا اور اس صحت پر قائم رہنا اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے بغیر محال ہے۔

چنانچہ ظاہر کا برتاؤ صاف رکھنا اور دل میں اس کے خلاف ہونا نفاق خالص ہے۔ اسی وجہ سے باطن کی اصلاح ظاہر کے بغیر سمجھنا زندقہ ہے اور شریعت پر ظاہری اطاعت بغیر اطاعتِ باطنی یعنی قلبی کے ناقص ہے اور جو چیز باطن میں نہ ہو اسے ظاہر داری میں دکھانا ہوسِ باطل ہے۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ علمِ حقیقت کے تین رکن ہیں:

رکن اوّل : ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد اور اس کی تشبیہ سے نفی۔

رکن دوئم : علمِ صفات باری تعالیٰ عز اسمہ، اور اس کے احکام کا علم۔

رکن سوئم : حکمتِ الٰہیہ کا تسلیم کرنا اور اس کے افعال کو ماننا۔

اسی طرح علمِ شریعت کے بھی تین رکن ہیں:

اوّل : کتاب اللہ

دوئم : سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سوئم : اجماعِ اُمت

اور اثبات وجود ذات واجب تعالیٰ شانہ اور علم صفات وافعال پر خود ربّ جل مجدہ کا فرمان دلیل واضح ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (۱)

''جان لے کہ بے شک وہی ایک معبود ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ﴾ (۲)

''یعنی جان لو کہ بے شک اللہ ہی تمہارا مالک ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ (۳)

''کیا نہیں دیکھا تو نے اپنے ربّ کو کہ اس نے کس طرح سایہ پھیلایا۔''

اور فرمایا:

﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ (۴)

''کیا تم نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ کس طرح بنایا گیا۔''

علاوہ اس کے بہت سی آیتیں ہیں جو افعالِ الٰہیہ پر نظر کرنے کی تلقین کر رہی ہیں تا کہ اس سے انسان صفاتِ ذات کو جان کر فاعل حقیقی کا شناسا بنے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

۱۔ سورۃ محمد:۱۹ ۲۔ سورۃ الانفال:۴۰

۳۔ سورۃ الفرقان:۴۵ ۴۔ سورۃ الغاشیہ:۱۷

Marfat.com

مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ رَبُّهٗ وَ اَنِّیْ نَبِیُّهٗ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَحْمَهٗ وَدَمَهٗ عَلَی النَّارِ . (۱)

''جس نے دل سے جان لیا کہ بیشک اللہ اس کا ربّ ہے اور مَیں اس کا نبی ہوں، اس کے گوشت وخون کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمایا۔''

لیکن علم ذات باری تعالیٰ عزاسمہٗ میں یہ شرط بھی ہے کہ ہر عاقل وبالغ اس امر کو یقیناً جان لے کہ حق تعالیٰ شانہٗ موجود قدیم ہے اور اس کی ذات قدیم، غیر محدود اور مکان و جہت سے منزہ ہے اور وہ ذات موجب آفت نہیں اور وہ زن و فرزند سے پاک ہے۔ انسانی اوہام میں جو چیزیں متصور ہوتی ہیں ان کا بھی وہی آفریدن گار ہے اور وہی تمام مخلوق کا پرورش کرنے والا۔ اس نے حق فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (۲)

''اس کی مثل کوئی شے نہیں وہ سننے دیکھنے والا ہے۔''

اور علم صفات ذات عزاسمہٗ یہ ہے کہ اسے جانے کہ اس کے لیے ایسی صفات ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ مگر وہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات مگر ابدی وازلی ہیں جیسے علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع، بصر، کلام، بقا، جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (۳)

''بے شک وہ ذات پاک تمہارے دلوں کے خطرات کی بھی عالم ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (۴)

''بے شک اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (۵)

''ذات مقدس بلا احتیاج آلہ سمیع وبصیر ہے۔''

۱۔ اسے امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" ۱۸/۱۲۴ میں اور امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ۱/۱۹ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ من علم انّ اللّٰہ ربّہ وانی نبیّہ، صادقًا من قلبہ حرّم اللّٰہ لحمہ ودمہ علی النّار.

۲۔ سورۃ الشوریٰ:۱۱ ۳۔ سورۃ زمر:۷

۴۔ سورۃ ال عمران:۲۹ ۵۔ سورۃ الشوریٰ:۱۱

Marfat.com

اور فرمایا:

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾(۱)

''بڑا زبردست اپنے ارادے کو پورا کرنے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾(۲)

''وہ حی قدیم ازلی سرمدی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اور فرمایا:

﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ﴾(۳)

''اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے حقیقی ملک ہیں۔''

اب علمِ اثباتِ افعال۔۔۔اس کے حصول کی صورت یہ ہے۔انسان جانے اور یقین کرلے کہ وہی خالق خلق و افعال خلق ہے۔علم نابود کو وجود میں لانے والا اسوا اس کے کوئی نہیں۔خیر و شر کا خالق وہی ہے۔جیسا کہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾(۴)

''اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔''

اور اثباتِ احکامِ شریعت پر دلیل یہ ہے کہ اُسی واجب الوجود نے ہم تک اپنے رسول مبعوث فرمائے ،انہیں گوناگوں معجزات عطا فرمائے جو قطعاً خارقِ عادات تھے اور محیرّ العقول ۔۔۔اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ان کو معجزات بے حد عطا کیے گئے اور ان کے ذریعے ہمیں خبریں پہنچیں، وہ اخبارِ غیبیہ سے ہیں اور تمام عین الحق۔

اور شریعتِ مطہرہ کا اول رکن کتاب اللہ ہے۔جیسا کہ عزاسمہٗ نے فرمایا:

﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾(۵)

''اس کتابِ مقدس میں بعض آیات محکم اور واضح ہیں، وہی اصل کتاب ہیں۔''

دوسرا رکن شریعتِ اسلامی کا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی اطاعت کے لیے قرآن کریم نے فرمایا:

۱۔ سورۃ البروج:۱۶ ۲۔ سورۃ المؤمن:۶۵

۳۔ سورۃ الانعام:۷۳ ۴۔ سورۃ الزمر:۶۲

۵۔سورۃ آل عمران:۷

Marfat.com

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (۱)

''جو حکم ہمارے حبیب تمہیں دیں قبول کرو اور جس بات سے منع فرمائیں باز رہو۔''

تیسرا رکن اجماعِ امت ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ وَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ. (۱)

''میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی تم بڑی جماعت یعنی اہلسنت و جماعت کو لازم پکڑے رہو۔''

ان تمام احکام میں حقیقتِ اسلام ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ تمام اپنے اندر جمع کر لے تو ایسا نہیں کر سکتا، اس کی قوت سے ایسا ہونا وراء الوراء ہے، اس لیے کہ لطائفِ اسماءِ الٰہیہ بے نہایت ہیں اور جب ان کی حد اور منتہیٰ نہیں تو انسان ان سب پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

فصل:

یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ ایک جماعت ملحدوں کی ہے۔ اللہ کی ان پر لعنت ہو، انہیں "سوفسطائی" کہا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حقائقِ اشیاء کا علمِ تحقیقی حاصل ہونا محال ہے اور علم اشیاء خود کچھ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس امر کا انہیں علم ہوا یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں اس امر کا ہمیں علم ہوا کہ حقائقِ اشیاء کا علم حاصل ہونا محال ہے، تو وہ خود اپنی زبانی اثباتِ علم کر چکے اور اگر کہیں کہ نہیں تو پھر یہ کہنا غلط اور بے علمی ہے کہ علمِ اشیاء کا حصول محال ہے اور یہ دعویٰ قطعاً باطل۔ پھر ایسی جماعت سے گفتگو کرنا اور اسے منہ لگانا عقلمندی اور دانشمندی نہیں ہوتی۔

۱۔ سورۃ الحشر: ۷

۲۔ اسے امام اُحمد نے اپنی ''مسند'' میں، امام طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں اور اُبوخیثمہ نے اپنی ''تاریخ'' میں، ابوبصرۃ الغفاری سے مرفوعاً بایں الفاظ روایت کیا ہے: سالت ربّي أن لاتجتمع أمّتي على ضلالة فأعطانيها.

امام ابونعیم نے ''حلیۃ الأولیاء'' میں، امام حاکم نے ''المستدرک'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان الله لايجمع هذه الأمة على ضلالة أبداً وانّ يَدَالله مع الجماعة، فاتبعوا السواد الأعظم فانهٗ من شَذَّ شُذَّ في النار۔ ابن أبي عاصم نے اسے ''السنۃ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے ان الفاظ میں مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان أمتي لاتجتمع على ضلالة فاذا رأيتم الاختلاف فعليكم بالسواد الأعظم امام عجلونی اسے " كشف الخفا" ۱/۱۴۱ میں اور ملا علی قاری "الأسرار المرفوعه" (۱۶۳) میں لائے ہیں۔

Marfat.com

اور ملاحدہ کا یہ کہنا کہ ہمارا علم کسی چیز کے ساتھ درست نہیں، یہ دو حال سے خالی نہیں، یا نفی علم کا علم حاصل کر کے وہ کہہ رہے ہیں یا بذریعۂ علم یہ دعویٰ کر رہے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں اثباتِ علم یقینی ہوگا یا نفی کا علم یا حصول علم کا۔ اور یہ امر ظاہر ہے، کہ علمِ شئی نفی علم نہیں کرسکتا۔ بہر حال علم کی ضد جو جہل ہے، نفی کی حقدار ہوگی۔ علم سے علم کی نفی ناممکن ہے اور اب دعویٰ محض حمق و جہالت ہے، اور جب یہ امر متحقق ہوگیا کہ نفی علم جہل سے ہوسکتی ہے تو جاہل ذلیل و مذموم ہوتا ہے اور جہالت کفر خالص اور باطل کی علامت ہے، اور حق کو جہل سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہی عقیدہ تمام مشائخ کرام کا ہے اور ملحدین کا تخیل باطل مشائخ کرامؒ کے قطعی خلاف ہے۔

اور جب عوام نے ملحدین کے اس قول کو سنا تو بہک گئے اور کہنے لگ گئے کہ اہلِ تصوف بھی اس جماعت میں سے ہیں اور ان کے اعتقادات بھی ایسے ہی پریشان خیالی پر قائم ہیں اور بوجہ جہل وہ حق کو باطل سے جدا کرنے میں عاجز رہ گئے۔ اب ہم ملحدین کے تمام معاملات کو خدا کے سپرد کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی ضلالت و گمراہی میں رہیں۔ اگر دینِ حق ان کی اعانت کرتا تو جوزوران کا اس گمراہی میں صرف ہوا، احقاق میں صرف ہوتا، اور دین حق کی رعایت و اعانت کی حرمت ان کے ہاتھ سے نہ جاتی، اور خاصانِ بارگاہ کو وہ ایسی اندھی آنکھ سے نہ دیکھتے، بلکہ اپنے لیل و نہار کی اصلاح کے لیے ان کی خاص حرمت کرتے اور ملحدوں کی جماعت اہل تصوف کا احترام کرتی، ان کے نظریات کی تائید میں رہتی اور ان کے جمالِ وحدت و تجلیاتِ حق کے زیرِ سایہ رہ کر ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ و مصئون ہو جاتی اور ان کی عزت باطن کے سایہ میں نشوونما پاتی۔ پھر ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ سب کو اپنے جیسا سمجھ کر اہلِ تصوف کو بھی ملحد قرار دے کر ان کی عزت خداداد کو ٹھکرانے کی کوشش میں خود ذلیل ورسوا ہوتے۔

ہمارا ایک مدعیِ علم سے مقابلہ ہوا جو بجائے علم کے، کلاہِ رعونت و خود پسندی سر پر لیے پھرتا تھا اور اس ذلیل خصلت کا نام اس نے ''علمیت'' رکھ چھوڑا تھا۔ خواہشاتِ نفسانیہ کو متابعتِ سنتِ رسول ﷺ کہتا تھا۔ موافقتِ شیطانی کو سیرتِ ائمہ کی پیروی کہتا تھا۔ اثنائے گفتگو میں کہنے لگا کہ ملاحدہ کے بارہ فرقے ہوگئے ہیں، انہیں میں سے ایک فرقہ متصوفین کا ہے۔

ہم نے کہا: اگر ایک فرقہ صوفیوں کا انہیں بارہ میں سے ہے تو گیارہ فرقے تم میں سے ہوئے۔ پھر جب ایک فرقہ سے تم اپنے آپ کو بچا سکتے ہو تو صوفی ان گیارہ سے اپنے آپ کو کیونکر نہیں محفوظ رکھ سکتے۔

درحقیقت یہ سب زمانہ کے پُر آشوب ہونے کا نتیجہ ہے۔ آج اس قدر فتنے ہیں جو عوام کو

Marfat.com

خراب کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو اس قوم سے پوشیدہ کر لیا ہے اور سب سے جدا رکھ کر ان کی محافظت فرمائی ہے۔ کیا خوب فرمایا سرداروں کے سردار اور آفتابِ عقیدت مندانِ علی ابن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ نے:

فَسَادُ الْقَلْبِ عَلٰی حَسْبِ فَسَادِ الزَّمَانِ وَ اَهْلِهٖ ۔

''دل کی خرابی زمانہ واہلِ زمانہ کے خیالات کے فساد کے موافق ہے۔''

اب ہم ان اقوالِ مشائخ کرام کی نقل کے لیے، ایک مستقل فصل بناتے ہیں تاکہ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، منکروں کے دامِ تذویر سے محفوظ رہیں اور اس فصل سے تنبیہ حاصل کریں۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ

فصل:

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْعُلُوْمُ ثَلاَثَةٌ عِلْمٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ عِلْمٌ مَعَ اللّٰهِ وَ عِلْمٌ بِاللّٰهِ ۔

''علم تین قسم کے ہیں۔ اوّل علم اللہ کی طرف سے، دوسرا اللہ تعالیٰ کے فضل کی معیت سے، تیسرا اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ۔''

علم باللّٰہ وہ عرفانِ تام ہے جو تمام انبیا کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کو حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عارفِ الٰہی بنتے اور عرفانِ الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ جب تک یہ معیتِ الٰہی حاصل نہ ہو تمام ذرائع جدوجہد منقطع رہتے ہیں۔ اس لیے کہ علمِ اکتسابی معرفتِ الٰہی کی علت نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ اکتسابی سے عرفانِ الٰہی ناممکن ہے۔ جب تک علم باللہ حاصل نہ ہو درجۂ عرفانِ حق کا حصول محال ہے۔

اور علم من اللّٰہ وہ علمِ شریعت حقہ ہے کہ اس کے ذریعے ہم مکلف احکام بالا بنائے گئے اور وہ فرمانِ حق ہے جو زبانِ انبیاء سے ہم کو پہنچا۔

اور علم مع اللّٰہ وہ علم ہے جو فضلِ الٰہی کی معیت میں حاصل ہوتا ہے، جس کے ذریعے مقاماتِ ولایت وطریقِ حق وہدایت اور بیان نہایت مدارج ولایت بعنایتِ الٰہی حاصل ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ معرفتِ مدارجِ ولایت بغیر علمِ شریعت جانے صحیح نہیں اور اتباعِ شریعت بغیر مقاماتِ رشد وہدایت جانے نہیں ہوسکتا (یعنی قانون کے مقتضیات کا جاننا قانون دانی ہے نہ کہ قانونی کتابوں کا محض مطالعہ)۔

Marfat.com

حضرت ابوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ حَیَاۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَهْلِ وَنُوْرُ الْعُیُوْنِ مِنَ الظُّلْمَةِ.

''علم، حیات قلب ہے جہالت کی موت سے اور چشمِ یقین کا نور ہے کفر کی ظلمت سے۔''

خلاصہ یہ کہ جس کو علمِ عرفان حاصل نہیں اس کا دل ظلمتِ جہلی سے مُردہ ہے، اور جسے علمِ شریعت حاصل نہیں اس کا دل نادانی کی بیماری میں مریض ہے۔ کفار کا دل مردہ ہے، اسی وجہ سے وہ ذاتِ واجب تعالیٰ جل شانہٗ کے عرفان سے جاہل ہیں، اور اہلِ غفلت کا دل بیمار ہے اس وجہ سے وہ فرمان ہائے رسول ﷺ سے بے خبر ہیں۔

حضرت ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

" مَنِ اكْتَفٰى بِالْكَلَامِ مِنَ الْعِلْمِ دُوْنَ الزُّهْدِ فَقَدْ تَزَنْدَقَ، وَ مَنِ اكْتَفٰى بِالْفِقْهِ دُوْنَ الْوَرَعِ فَقَدْ تَفَسَّقَ."

''جس نے علمِ کلام یعنی عقائد و علم توحید کی عبارات پر قناعت کی اور زُہد و تقویٰ حاصل نہ کیا وہ زندقہ میں پڑ گیا اور جس نے علمِ فقہ و شریعتِ اسلامیہ بلا ورع کے حاصل کیا، وہ حدود و احکام سے نکل کر بے حکما اور فاسق ہو گیا۔''

اس مضمون سے مقصود قائل یہ ہے کہ بغیر عمل و مجاہدہ و تجرید کے، توحید محض جبر ہے اور موحد کے لیے قولاً جبری ہونا لازمی ہے اور قدری کے لیے فعلاً قدری ہونا ضروری ہے، تا کہ اس کا روزمرہ قدر و جبر کے مابین صحیح رہے۔

اور اس بحث کا لب لباب وہی ہے جو انہی ابوبکر وراق پیر کامل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اَلتَّوْحِیْدُ دُوْنَ الْجَبْرِ وَ فَوْقَ الْقَدْرِ.

''حقیقتِ توحید جبر سے نیچے اور قدر کے اوپر ہے۔''

تو خلاصہ یہی نکلا کہ جو شخص علمِ توحید بلا عمل محض الفاظ تک پسند کرے اور اس کے خلاف باتوں سے اجتناب نہ کرے، وہ زندیق ہے اور جو شخص فقہ کے شرائط پر محتاط نہ ہو اور علمِ فقہ و شریعت کو بلا پرہیزگاری حاصل کر کے رخصتوں اور تاویلوں کے پیچھے لگ کر شبہات میں پڑے اور بلا قید قلادہ مذہب ائمہ خود مجتہد بن کر اجتہادات کی جرأت کرنے لگے وہ بہت جلدی آسانی سے فاسق ہو کر رہے گا، اور یہ سب باتیں غفلتِ دل کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ خوب فرمایا شیخ المشائخ

Marfat.com

حضرت ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے:

اِجْتَنِبْ صُحْبَةَ ثَلَاثَةِ اَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ، اَلْعُلَمَاءِ الْغَافِلِيْنَ وَ الْفُقَرَاءِ الْمُدَاهِنِيْنَ وَالْمُتَصَوِّفَةِ الْجَاهِلِيْنَ.

''اجتناب کر، تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے: غافل بے عمل علماء اور حق سے زبان بند کرنے والے فقیر اور بنے ہوئے جاہل صوفی۔''

اب سمجھ لے کہ علماءِ غافل کون سے ہیں، یہ وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا قبلۂ دلی بنالیا ہے اور شریعتِ مطہرہ سے حیلے بہانے تراش کر آسانیاں گھڑ رکھی ہیں اور اہلِ حکومت کے پجاری بن گئے ہیں۔ ظالموں کی چاپلوسی کرنا اپنا روزمرہ کر چکے اور ان کی چوکھٹوں کے طواف کو کعبۂ مقصود بنا چکے ہیں اور عوام میں عزت و جاہ حاصل کرنا ان کی محرابِ مسجد ہو چکی ہے۔ اپنے غرور و نخوت کو اپنی زیرکی اور ہوشیاری جانتے ہیں اور اس پر فریفتہ ہیں اور کلام میں اس قدر تصنّع پسند کرنے والے ہیں کہ ان کا کلام عوام میں نہایت دقیق اور باریک مشہور ہے، اور ائمہ کرام کی شان میں اپنے استادوں کی قابلیت میں ان کی زبان طعن دراز ہے اور بزرگانِ دین، سلف صالحین کے مقابلے میں اپنی فوقیتِ علمی بگھارتے ہیں۔ اگر کونین کا ان کے تفوق علمی کے مقابلہ میں وزن کیا جائے تو ان کی تعلّی کا وزن زیادہ ہو جس قدر حسد کو انہوں نے مذہب بنالیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام جہان کا کوئی عالم نہیں ہوسکتا۔ پھر علم ایک ایسی صفت ہے کہ انواعِ جہل علم سے منفی ہو جاتے ہیں۔

اور فقیر مداہن وہ ہے کہ اگر اس کی خواہشاتِ نفسانی کے مطابق کوئی کتنا ہی غلط کام کرے وہ اس کا مداح ہوگا اور اگر اس کی مرضی کے خلاف کچھ کرے خواہ کتنا ہی صحیح کام کیوں نہ ہو، اس کی برائی میں وہ کبھی کمی نہ رکھے اور عوام کے آگے اپنے عملوں کا مظاہرہ کر کے عزت و رفعت کا خواہشمند رہے اور باطل پرستی میں عوام کے آگے حق گوئی سے زبان روکتا رہے۔

اور متصوفہ جاہل وہ ہیں جو کبھی کسی پیر کامل کی صحبت سے مستفید نہ ہوئے اور کسی مرشد سے تعلیم نہ لی اور عوام میں اپنے آپ کو باکمال کہلانے کی آرزو رکھیں۔ مصائبِ زمانہ اور نشیب و فرازِ علم کا ذائقہ تک کبھی نہ چکھا ہو، مگر اندھے جاہلوں میں اپنے کو بہکی بہکی باتیں بنا کر کامل کہلوائیں اور ذلت و تذلیل کی راہیں اختیار کرلیں اور بے وقوفوں میں بیٹھ کر سب کو اپنے جیسا کہتے پھریں۔ ایسی حالت میں ان پر منجانب اللہ راہِ حق پوشیدہ ہو جاتی ہے اور وہ اسی ظلمت میں پڑے رہتے ہیں۔

غرضیکہ یہ ہر سہ گروہ وہ ہیں جنہیں حضرت معاذ بن رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بتا کر اپنے

Marfat.com

مریدوں کو ان کی صحبت سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں گروہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں اور ان کے عمل کی رفتار باطل ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهَدَةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا اَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابِعَتِهٖ.

''میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین نہ محسوس ہوئی سوائے علم اور اس کے اتباع کے۔''

ہر قدم آگ پر رکھنا طبیعت گوارہ کر سکتی ہے مگر علم کے موافق اطاعت کرنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پل صراط پر سے جاہل ہزار ہا بار گزرنا گوارا کر سکتا ہے مگر اسلامی احکام کے ایک مسئلہ کو سیکھ کر اس پر عمل کرنا مصیبت اور بلا ہے۔ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھنا آسان ہے اس سے کہ ایک مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے۔

لہٰذا چاہیے کہ علم حاصل کیا جاوے، اور اس پر بقدرِ وسعت عمل کرنے کی سعی ہو اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ بندہ جب علم میں درجۂ کمال حاصل کر لیتا ہے تو وہ علمِ الٰہی کے مقابلے میں ایک جاہل کا درجہ پاتا ہے۔ پس لازم ہے کہ انسان وہاں تک علم حاصل کرے اور حقائق جانے جہاں تک وہ نہ جانتا تھا۔ اس اجمال کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ربّ کی بندگی کے سوا کچھ جان ہی نہیں سکتا۔

اور بندگی ہی بندہ کے لیے حجابِ اکبر ہے (جو جہنم سے اسے بچائے گی) اسی حقیقت کے اظہار میں کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ
وَ الْوُقُفُ فِیْ طُرُقِ الْاَخْیَارِ اِشْرَاکٌ (۱)

'' درک ادراک ذات سے اظہار عجز کرنا ہی ادراکِ ذات ہے اور محض روایات اخیار پڑھ کر کورانہ تقلید کرتے ہوئے ان کے اقوال کی نقل کرتے پھرنا شرکِ اکبر ہے۔''(۲)

۱۔ تفسیر مظہری میں یہ شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے:

العجز عن درک الا دراک ادراک — والبحث عن سرّ المذات اشراک

۲۔ ترجمہ از جانب مترجم

سمجھ آئی سمجھ میں کچھ نہ آیا — سمجھنا ہی تمہارا بس خطا ہے

Marfat.com

یعنی وہ لوگ جو جانتے خاک نہیں اور اپنے جہل پر مصر ہیں وہ مشرکِ طریقت ہیں اور وہ لوگ جو جانتے ہیں اور ان پر ان کے علم کے کمال نے معنی حقیقی ظاہر کر دیئے ہیں، ان پر یہ فضل الٰہی ہوتا ہے کہ وہ اس علم پر غرور ونخوت کرنے سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان پر یہ حقیقت واقعہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کا علم علمِ الٰہی کے مقابلہ میں عجز محض کے سوا کچھ نہیں ہے، اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک علم مخلوق محض وہم ہے اور وہمیات کا اثر معانی حقیقی میں کچھ نہیں۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ادراک ذات سے اظہار عجز کرنا ہی ادراک ذات ہے اور بس!

Marfat.com

دوسرا باب

اثباتِ فقر

ہمیشہ یاد رکھو کہ درجہ درویش کا راہِ مولیٰ میں بہت بڑا مرتبہ ہے اور درویش کے لیے اس راستہ میں بڑے خطرات ہیں۔ جیسا کہ حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ (۱)

”ان فقیروں کے لیے حق ہے جو محصور ہیں اللہ کی راہ میں اپنی بے نیازی سے وہ چلنے اور سفر کرنے کے محتاج نہیں۔ جاہل عوام انہیں ان کی بے نیازی کی وجہ سے غنی تصور کرتے ہیں۔“

اور ارشاد ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا﴾ (۲)

”مثال میں بتایا ہے اللہ نے اس اپنے بندہ کو جو مملوک خاص ہے (بظاہر) کسی چیز پر کچھ قدرت نہیں رکھتا اور وہ، وہ ہے کہ ہم نے اسے بہترین رزق کے ساتھ مرزوق کیا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ (۳)

”علیحدہ رکھتا ہے ان کا پہلو ان کی خواب گاہوں سے، یاد کرتے ہیں اپنے ربّ کو خوفِ بے نیازی اور اُمیدِ بخشش سے“۔

اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں فرمایا اور فقر کو پسند کیا:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ

۱۔ سورۃ البقرہ: ۲۷۳ ۲۔ سورۃ النحل: ۷۵

۳۔ سورۃ السجدۃ: ۱۶

Marfat.com

اَلْمَسَاكِيْن . (١)

''الٰہی! مجھے مسکینیت میں زندہ رکھ اور مسکینی ہی میں مار اور زمرۂ مساکین ہی میں مجھے محشور فرما۔''

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بروزِ محشر فرمائے گا:

اُدْنُوْا مِنِّیْ اَحِبَّائِیْ فَیَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ مَنْ اَحِبَّاؤُکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَلْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاکِیْن . (٢)

''میرے قریب لاؤ میرے محبوبوں کو! تو فرشتے عرض کریں گے :الٰہی! وہ محبوب کونسے ہیں؟ تو ارشادِ باری ہوگا، وہ فقراء ومساکین ہیں۔''

اور مثل اس کی بہت سی آیات اور ایسی احادیث ہیں جو اپنی شہرتِ روایت کے ساتھ اثباتِ سند ودلیل کی محتاج نہیں۔

اور یہ امر تو واضح ہے کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں جو خاص فقراء تھے وہ مہاجرین کرام تھے۔جنہوں نے سید اکرم ﷺ کی اطاعت کے لیے مسجد میں قیام فرمایا اور حق عبودیت ادا کرنے کے لیے گھر بار چھوڑا (انہیں اصحابِ صُفّہ کہا جاتا ہے)۔ یہ وہ ہی محبوبانِ خدا ہیں جنہوں

١۔ اسے امام ابن ماجہ نے ابوخالد الأحمر کے طریق سے، انہوں نے یزید بن سنان سے، انہوں نے ابن مبارک سے، انہوں نے عطاء بن أبی رباح سے۔ انہوں نے ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے راوی کہتے ہیں: احبوا المساکین فانّي سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول في دعائه وذکرہ. اور اسے امام طبرانی نے ابوفروہ یزید، محمد بن یزید بن سنان الرحاوی کے طریق سے روایت کیا ہے جس میں ''توفّني'' کے لفظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے: یا ایّها النّاس لایحملنکم العسر علی أن تطلبوا الرزق من غیر حله ، فانّي سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول اور کچھ زیادہ الفاظ بیان کیے ہیں، امام شوکانی ''الفوائد المجموعة'' میں کہتے ہیں کہ اسے دارقطنی نے حضرت ابوسعیدؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ''یزید بن سنان اور ابومبارک'' آتے ہیں پہلا متروک الروایۃ ہے اور دوسرا مجہول الحال ہے۔ امام سخاوی ''المقاصد الحسنة'' میں فرماتے ہیں کہ اس روایت پر موضوع کا حکم لگانا درست نہیں۔ حوالہ کے لیے دیکھیے: سنن ابن ماجه (٣٠٤) (ابواب الزهد)، جامع الترمذی ٢/٢٠ (ابواب الزهد) کتاب اللّمع ص: ٩٦، الفوائد المجموعة للشوکاني (ص ٢٤٠) المقاصد الحسنة للسخاوي (١٦٦) احیاء العلوم ٥/٥١.

٢۔ اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ امام زبیدی نے ''اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء علوم الدین'' ٩/٢٧٨ میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

نے تمام اشغالِ دنیاوی سے اعراض کر کے توکل بخدا گوشہ نشینی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے روزی رساں ہونے کے وعدہ پر یقین کر کے بیٹھے رہنے کے حق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا اور اپنے حبیب پاک ﷺ کو مخاطب کر کے ان کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (۱)

''ان لوگوں کو فراموش نہ فرماؤ جو لوگ اپنے ربّ کو صبح شام یاد کرتے اور پکارتے ہیں اور صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں۔''

اور فرمایا (جل جلالہ) نے:

﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (۲)

''ان سننے والے لوگوں سے اپنی نظر نہ پھیر، کیا تو حیاتِ دنیا کی زینت کا خواہشمند ہے۔''

چنانچہ حضور سید یوم النشور ﷺ جب ان اصحابِ صُفّہ کو ملاحظہ فرماتے تو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوتا (میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نگرانی کرنے پر تاکید فرمائی۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقر کا درجہ بہت بلند ہے اور فقیری کو مرتبہ خاص کے ساتھ ممتاز فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ جو درویش ہیں انہوں نے اسبابِ ظاہری و باطنی کو ترک کر کے خالقِ اسباب کی طرف توجہ تمام کی اور اس پر توکل کر لیا اور اس قسم کا فقر ایسے فقراء کے لیے موجب صد فخر ہے اور اس صبر و رضا اور فقر کا وقار ان کے دلوں میں اس قدر ہے کہ اس کے چھوٹ جانے سے وہ غمگین ہوتے اور ملنے سے راضی و مسرور، اور ان کی نظروں میں سوا ایسے فقراء کے، سب ذلیل ہیں۔

لیکن فقر کے لوازمات و مراسم خاص ہیں، منجملہ اس کے سب کے مقدم مرضیاتِ الٰہی کا اقبال و اختیار ہے اور جس نے محض رسمِ فقیری اختیار کی وہ صرف رسم کا ہی فقیر رہا اور اس میں جب اس نے مراد نہ پائی تو حقیقتِ فقر سے کوسوں دُور رہا اور جس نے حقیقتِ فقر کو پا لیا، اس نے موجودات سے منہ پھیر لیا اور رؤیت کلی حاصل کر کے فناءِ کل میں مستغرق ہو کر بقاءِ کل میں چلا گیا۔

مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ سِوٰى رَسْمِهٖ لَمْ يَسْمَعْ سِوٰى اسْمِهٖ.

''جس نے رسمِ فقیری کے سوا فقر میں کچھ نہ جانا اس نے سوا اسمِ فقر کے کچھ نہ سنا''۔

---

(۱) سورۃ الأنعام: ۵۲ (۲) سورۃ الکھف: ۲۸

Marfat.com

تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ فقیر وہی ہے جو اپنے پاس علل واسباب سے کچھ نہ رکھے اور اس کی طمانیتِ قلب میں اس کے نہ ہونے سے کچھ خلل واقع نہ ہو اور اسباب کو دیکھ کر غنی نہ ہو اور اسباب نہ ہوں تو ان کی طرف احتیاج محسوس نہ کرے۔ گویا اسباب کا ہونا یا نہ ہونا اس کی نظر میں مساوی ہو، بلکہ اسبابِ ظاہری نہ ہوں تو اسے فرحت زیادہ ہو، یہ بلند مرتبہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخِ کرام نے فرمایا کہ درویش جس قدر تنگ دست ہو، اس کے لیے مفید ہے تاکہ حقیقتِ توکل وشانِ رزاق کے راز کا اس پر انکشاف ہو۔ اس لیے کہ درویش کے لیے علائقِ دنیاوی جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر اس کو نقصان ہوگا، غرض یہ کہ درویش درحقیقت وہی ہے جو ضروریاتِ زندگی کی کسی چیز سے واسطہ نہ رکھے۔ مگر اسی قدر جس قدر کہ اس کی ضرورت قوتِ لایموت کو کافی ہو، غرضیکہ محبوبانِ الٰہی کی زندگی کا محض الطافِ خفی اور اسرارِ بے نیازی کے ساتھ وابستہ رہنا ہی بہتر وافضل ہے۔

لہٰذا صوفی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اپنے محبوب سے وابستہ رکھے اور دنیائے غدار وبے وفا کے علل واسباب سے آزاد رہے کہ یہ دنیا سرائے فجار وفساق ہے اور صوفی کا سرمایۂ زندگی محبتِ محبوبِ حقیقی ہے اور متاعِ دنیا متاعِ راہِ رضا وصبر ہے۔

حکایت:

کہتے ہیں کہ ایک درویش کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔ بادشاہ نے کہا کہ کچھ مانگیے۔ درویش نے کہا: میں اپنے غلاموں سے کوئی حاجت روائی نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے کہا، یہ کس طرح؟ درویش نے فرمایا: میرے دو غلام ہیں اور دونوں تیرے مالک وصاحب ہیں۔ ایک حرصِ دنیا، دوسرا طولِ امل یعنی امیدِ غیر متناہی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلفَقرُ عِزٌّ لِاَھلِہٖ. (۱)

''فقر اہل فقر کے لیے موجب عزت ہے۔''

تو جو چیز اس کے اہل کے حق میں عزت ہوتی ہے، وہ اس کے نااہل کے لیے موجب ذلت ہے، اور فقیر کی عزت یہی ہے کہ وہ محفوظ الجوارح ہو یعنی اس کے جسم کا کوئی جز حوائج و ضروریات کا احساس کر کے جادۂ صبر و رضا سے لغزش نہ کرے، اور اس کے دل و جان پر کبھی

۱۔ یہ الفاظ تو نہیں ملے مگر امام سخاویؒ نے "المقاصد الحسنة" (ص:۲۰۰) میں اور امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' ۵/۵۴ میں اس مفہوم کی کئی روایات ذکر کی ہیں۔ اور ان میں سے چند ایک یہ ہیں: "الفقر أزين بالمؤمن من العذار الحسن" . "تحفة المؤمن في الدنيا الفقر" . " الفقر فخري وبه افتخرُ"

Marfat.com

اضطراب و اضطرار اثر انداز نہ ہو، نہ اس کا جسم معصیت و ذلت کی طرف جائے، نہ اس کی جان و روح پر بلاوآفت دنیا آئے۔فقیر کا ظاہر بھی ہر حال میں نعمتِ ظاہری سے مستغنی ہوتا ہے اور اس کا باطن نعمائے باطنی کا منبع۔ پھر جب اس کا باطن منبع نعمتِ الہٰیہ ہو، تو اس کا تن روحانی اور دل ربانی ہونا ضروری ہے، اور عوام الناس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔فقیر صفاتِ مَلکی سے متصف ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا فقر رسمی نہ ہو، یعنی عوام کے رجوعات اور ریاکاری کے لیے وہ فقیر نہ ہو، بلکہ وہ خالصتاً مخلصاً وجہ اللہ فقیر ہو۔تو ایسے فقیر کو دنیاوی مملکت سے بے نیازی حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ عالم دنیا بلکہ دونوں جہان اس کے فقر کے پلڑے میں پر پشہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ پھر اس فقیر کا ایک سانس کونین میں نہیں سما سکتا۔

Marfat.com

فقر و غنا

فصل:

اس امر میں مشائخ کرام" کا اختلاف ہے کہ فقر و غنا میں با اعتبار صفات خلق کون افضل ہے۔اس لیے کہ غنی حقیقی تو صرف ذات واجب تعالیٰ شانہ ہے، اور جمیع اوصاف میں کامل سوائے ذات واجب تعالیٰ کے کوئی نہیں۔حضرت یحییٰ بن معاذ رازی اور احمد بن خوارزمی ، حارث محاسبی، ابو العباس بن عطا ، رویم بن محمد ، ابو الحسن بن شمعون رحمہم اللہ اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمد المہینی رحمہم اللہ اس امر پر متفق ہیں کہ غناء افضل ترین صفت ہے فقر کے مقابلے میں ، اس دعویٰ پر اُن کی دلیل یہ ہے کہ غنا صفتِ حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور فقر اس کی ذات کے لیے ممنوع ہے۔تو تعلق ولا میں وہ صفت جو مابین عبد و معبود مشترک ہو، وہ غنا ہی ہے، اور صفت فقر ذات واجب تعالیٰ شانہ کے لیے روا نہیں ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شرکت بھی محض شرکت اسمی ہوگی نہ کہ شرکت معنوی ،اور شرکت معنوی اس وقت ہوسکتی ہے جب مماثلت کا امکان ہو۔

پھر چونکہ صفات واجب تعالیٰ شانہ قدیم اور صفات خلق حادث ہیں، اس وجہ سے یہ دلیل باطل ہے اور میں علی بن عثمان جلابی" کہتا ہوں کہ غنی کا نام ہی صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے شایان شان ہے،اور مخلوق اس نام کی مستحق نہیں ہوسکتی۔

اور فقر ایسی صفت ہے کہ خاص مخلوق کے لیے زیبا ہے اور حضرت جل مجدہ و عز اسمہ کی ذات کے لیے یہ ناروا۔اور اگر مجازاً کسی کو غنی کہہ دیتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ در حقیقت غنی ہے،اور پھر یہ امر بھی روشن و واضح ہے کہ ہمارا اغنا محض وجودِ اسبابِ ظاہری کی بنا پر ہے اور ہم اس سبب غنا کی وجہ سے اس وقت تک غنی کہلا رہے ہیں جب تک ہمارے پاس مال و دولت ہے برخلاف غنی حقیقی کے کہ وہ اسباب پیدا فرمانے والا اور اپنے بندے کو اس کے ذریعے غنی بنانے والا ہے۔لیکن غنی حقیقی کے لیے مال و اسباب علت غنا نہیں ۔اس اعتبار سے مشارکت بصفت غنا کا وہم بھی باطل ہوا۔

اور یہ حقیقت واضح ہے کہ مخلوق کو ذاتِ خالق میں مشارکت ممنوع ہے۔تو جب ذات میں شرکت ممتنع ہوئی تو یقیناً صفات میں بھی شرکت ممتنع ہوگی اور جب صفت میں شرکت ممتنع ٹھہری تو

Marfat.com

اسم ذات میں بھی شرکتِ رسمی رَوا نہ ہوگی۔

اب رہا محض نام رکھ دینا، اور کہہ دینا کہ فلاں غنی ہے، یہ نام خود ایک نشان ہے جو مابین عبد و معبود واضح ہے۔ اس کی تفصیل کی حد نہیں۔ پس خلاصہ اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ وہ غنا جو حق تعالیٰ شانہ کی صفتِ خاص ہے، وہ وہ غنا ہے کہ اس میں اس ذات پاک کو کسی کے ساتھ حاجت و نیاز مندی نہیں، جو چاہے کرے، اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی نہیں روک سکتا، نہ اس کے پورا ہونے میں کوئی مانع بننے کی طاقت رکھتا ہے، نہ اس کے ارادہ کے مقابل کوئی مخالف ارادہ کی تاب لاسکتا ہے۔ اس کے دارالاقتدار میں کسی کو مجال دمزدن نہیں، اس کی تمام صفات قدیم ہیں۔ ہمیشہ وہ اپنی صفات سے متصف رہے گا اور ہمیشہ سے متصف تھا، برخلاف غناء مخلوق کے کہ وہ اپنی حیاتِ چند روزہ میں حصول مال و متاع سے فارغ البال ہوتا ہے، اور وہ بھی دوامی زندگی میں نہیں بلکہ کبھی مصیبت میں، کبھی نجات پاکر فرصت میں۔ غرضیکہ محض حادث متغیر کبھی طالب، کبھی متمنی، کبھی عاجز، کبھی خوار، کبھی بیمار۔ مختصر یہ کہ بندہ کا غنی ہونا محض مجازاً بلکہ نام کا ہی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کا غنا حقیقی، ابدی، ازلی، سرمدی، قدیم۔ چنانچہ خود قران کریم میں ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ﴾ (۱)

''اے لوگو! تم محتاج اور فقیر ہو اللہ کے دَر کے سوالی اور اللہ ہی غنی ہے اور وہی حمید عالم یعنی زمانہ میں تعریف کیا گیا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ ﴾ (۲)

''بیشک اللہ حقیقی غنی ہے اور تم سب اس کے محتاج اور فقیرِ بے نوا۔''

عوام الناس میں یہ امر مشہور ہے کہ تونگر، مالدار درویش سے افضل ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خوش قسمت بنایا اور عطا نعمت پر شکر کا حکم دیا اور وہ جاہل اس غنا اور نعمت سے مراد کثرتِ مالِ دنیا سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا میں شہواتِ نفسانیہ کے موافق دل کی مرادیں پوری ہو جانا کامیابی ہے اور اسی کا نام غنا و تونگری ہے اور اس قسم کی نعمت پر شکر کرنے کا حکم فرمایا اور فقیر کو صبر کی تلقین کی تو معلوم ہوا کہ چونکہ صبر ہمیشہ بلا و مصائب پر ہوتا ہے اور شکر نعمت الٰہیہ پر تو نعمت و مال و غنا افضل ہوا جس پر شکر کا حکم ہے اور فقر مصیبت و بلا ہے جس پر صبر کا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نعمت پر شکر کا حکم فرما کر اسی نعمت کے زیادہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر فقر پر صبر کی تلقین کرتے

۱۔ سورۃ فاطر: ۱۵ ۲۔ سورۃ محمد: ۳۸

Marfat.com

ہوئے اپنے تقرب کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝﴾(۱)

"بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے"

اور شکر تو صرف علت ازدیادِ نعمت ہے۔ فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾(۲)

"اگر تم شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو زیادہ دوں گا"

اور جو فقر میں کہ وہ اصل امتحان ہے، صبر کرے گا، جو موجب تقرب ہے، تو اس کا تقرب اور بڑھ جائے گا۔ حتیٰ کہ ہم اس کے ساتھ ہوں گے۔ لیکن وہ غنا جس کو مشائخ کرام غنا کہتے ہیں وہ مال و دولتِ دنیا نہیں ہے بلکہ وہ غنا منعم حقیقی کی نعمت وصل ہے۔ تو اب واضح ہو گیا کہ غفلت اور چیز ہے اور نعمتِ وصل اور۔۔۔ اور نعمت وصل کا غنا وہی ہے جسے بعض مشائخ نے افضل کہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

اَلفَقرُ هُوَ الْغِنَاءُ بِاللّٰهِ .

"فقر وہ غنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معیت سے حاصل ہوتا ہے۔"

اور اس سے مراد کشفِ ابدی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے مشاہدۂ جمال سے حاصل ہوتا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ کشف جو مشاہدۂ جمال سے حاصل ہوا ہے، جسے بعض مشائخ نے غنا فرمایا۔ یہ ممکن الحجاب ہے یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ ممکن الحجاب ہے تو لامحالہ بوقتِ حجاب اسے احتیاجِ مشاہدہ ہوگی۔ اگر کہو کہ بصورتِ حجاب وہ محتاجِ کشف و مشاہدہ نہیں ہوتا تو یہ محال اور اگر کہو کہ محتاج وصل و مشاہدہ ہوتا ہے تو پھر نام غنا ساقط ہو گیا اور در حقیقت یہ غنا جسے مشائخ غنا کہہ رہے ہیں، یہ بھی ہمہ درویش کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اسے حاصل ہوتا ہے جو قائم الصفت اور ثابت المراد ہو، اور بلا اقامت مراد اور اثبات اوصافِ آدمیت لفظ "غنا" درست نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ انسان کا یہ وجودِ کثیف قابلِ غنا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وجودِ بشریت کی حقیقت عین نیاز ہے اور جسم حادث طرۂ امتیاز عین احتیاج۔ تو جو باقی الصفت ہو تو وہی غنی ہے، اور جو فانی الصفت ہو، اس کے لیے کوئی نام بھی موزوں نہیں تو اَلْغَنِيُّ مَنْ اَغْنَاهُ اللّٰهُ (غنی وہ ہے جسے اللہ غنی کر دے) کا مفہوم واضح یہی بتا رہا ہے۔ غنی اللہ ہے جو فاعل ہے اور جسے غنی کیا وہ مفعول ہے۔ تو فاعل ہمیشہ قائم بالذات ہوتا ہے اور وجودِ مفعول، فاعل کے ساتھ وابستہ تو اقامت بخود صفت بشریت تھی اور

۱۔ سورۃ البقرہ:۱۵۳ ۲۔سورۃ ابراھیم :۷

Marfat.com

اقامت بحق مع صفت۔ تو مَیں علی بن عثمان جلابی ؒ یہی کہتا ہوں کہ: جب بندگی درست اور صحیح ہوگئی تو غناءِ حقیقی وباقی، حقیقی صفت کے سوا کے لیے درست نہ ہوا۔ اس لیے کہ بقائے صفت آدمیت محلِ علت وموجب آفت ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے دلائل میں بیان کر چکے ہیں اور غنا وہ صفت ہے جو فنا کے ساتھ کبھی صحیح نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ جو اپنی ذات کے ساتھ باقی نہ رہ سکے اسے نامی اور کسی اسم کا مسمیٰ بنانا لغو ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کی صفت کے ساتھ فنا ہے۔ تو جب صفت فانی ہے، اسے کسی نام سے مسمیٰ بنانا کسی طرح صحیح نہیں تو ثابت ہوا کہ صفت غنا ذاتِ واجب تعالیٰ شانہٗ سے متجاوز نہیں ہو سکتی اور صفت فقر بھی عاجز انسان کے لیے ہے۔ اس لیے کہ یہ معدوم ہے کہ اس پر نہ اسم فقر صحیح نہ اسم غنا۔ اور جو اکثر و بیشتر علماء مشائخ فقر کو غنا پر فضیلت دیتے رہے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ اس کی فضیلت پر شاہد ہیں اور اس پر اجماعِ امت ہے۔

بہت سی حکایتوں میں پایا کہ ایک روز حضرت جنید بغدادیؒ اور ابن عطاؒ کے مابین اس مسئلہ پر بحث ہوگئی۔ ابن عطاؒ اغنیاء کی فضیلت پر دلیل پیش کرتے تھے اور کہتے کہ اغنیاء سے یومِ قیامت محاسبہ ہو گا اور اس محاسبہ میں جمیلِ حقیقی سے کلام بے واسطہ ہونے کا انہیں شرف ملے گا۔ اور اگرچہ ان پر عتاب ہی ہو، لیکن عتابِ محبوب بھی محب کو محبوب ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا: یہ تو صحیح ہے کہ اغنیاء سے محاسبہ فرمایا جائے گا مگر درویشوں سے عذر لیا جائے گا، اور عذر خود بھی مرتبہ میں محاسبہ سے زیادہ ہے۔

اس جگہ ایک عجیب وغریب لطیفہ تمہیں سنائیں: وہ یہ کہ مقامِ محبت میں عذر چاہنا بیگانگی ہے اور عتاب اس مخالفت پر ہوتا ہے جو محبوب کی مرضی کے خلاف ہو اور دل ایسے مقام میں ہوتا ہے کہ اس کے لیے یہ دونوں باتیں آفت ہیں۔ اس لیے کہ عذر کسی فروگذاشت پر کیا جاتا ہے جو دوست کے ساتھ دوست نے کی ہو، یا جب دوست اپنا حق طلب کرے تو محبوب اس کا قرضہ ادا کرے اور عتاب ایسی غلطی اور قصور پر ہوتا ہے جو فرمانِ محبوب کے خلاف کیا گیا ہو۔ اُس وقت محبوب اپنے محب سے اُس نافرمانی پر عتاب کرتا ہے، اور یہ دونوں باتیں محال ہیں اس لیے کہ سب اپنے اپنے مطلب میں ہوں گے۔

فقر صبر کے ساتھ، غنا شکر کے ساتھ، اور درحقیقت کوئی دوست نہ دوست سے کچھ طلب کرے گا، نہ دوست مطالبۂ دوست کو ردّ فرمائے گا بلکہ **ظَلَمَ مَنْ سَمّٰی ابْنَ اٰدَمَ اَمِیْرًا وَقَدْ سَمَّاهُ رَبُّهٗ فَقِیْرًا** ۔ (اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا جس نے ابنِ آدم ہو کر اپنا نام امیر رکھا حالانکہ اس کے رب نے اس کا نام فقیر رکھا ہے۔) وہ وجود جس کا نام خدائے قدیر کی بارگاہ میں فقیر ہے اگرچہ بظاہر امیر

Marfat.com

ہو مگر در حقیقت فقیر ہے، اور وہی ہلاک ہو گیا جس نے اپنے محبوب کی زنجیر میں مقید نہ سمجھا۔ اگرچہ بظاہر اس کی بارگاہ میں تخت و سریر ہو۔ اس لیے اغنیاء صاحب صدقہ ہوتے ہیں اور فقیر صاحب صدق اور صاحبِ صدق صاحبِ صدقہ نہیں ہو سکتے۔

گو خلاصہ یہ نکلا کہ حقیقتاً فقرِ ایوب (علیہ السلام) مثل غناءِ سلیمان (علیہ السلام) ہے۔ اس لیے حضرت ایوب (علیہ السلام) کو جو کہ سخت صبر کرنے والے تھے ﴿نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ﴾ (۱) (اچھا بندہ) فرمایا۔ اور سلیمان علیہ السلام کو جب کہ وہ مملکت و حکومت کے اندر استقامت پر تھے تو نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ فرمایا۔

جب رضائے رحمٰن حاصل ہوئی تو فقرِ ایوب علیہ السلام کو مثلِ غناءِ سلیمان علیہ السلام گردانا گیا۔

حکایت:

مَیں نے استاد ابو القاسم قشیریؒ سے سنا کہ لوگوں نے فقر اور غناء میں گفتگو کر کے اپنے لیے ایک کو پسند کر لیا ہے۔ مگر مَیں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے لیے میرا جمیلِ حقیقی جو پسند فرمائے اس میں ہی مجھے رکھے۔ اگر میرے لیے غناء پسند فرمائے تو مجھے اپنی یاد سے غافل نہ کرے اور اگر فقر پسند فرمائے تو اس میں حریص ہونے سے محفوظ رکھے۔ غرضیکہ غناء بھی اس کی نعمت ہے۔ مگر اس کی وجہ سے جو غفلت پیدا ہو وہ آفت ہے، اور فقر بھی اس کی نعمت ہے مگر اس میں اگر حرص پیدا ہو جائے تو وہ سخت آفت و بلا ہے۔ گویا غناء و فقر دونوں منعمِ حقیقی کے تنعمات سے ہیں۔ مگر اس میں جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ مختلف ہیں۔ اس لیے کہ فقر نام ہے ماسوائے اللہ سے دل کا فارغ ہونا اور غنا نام ہے ماسوائے اللہ کی طرف دل کا مشغول ہونا۔

جب بتوفیق الٰہی دونوں سے آزردہ ہو جائے تو نہ فقر غنا سے بہتر ہے اور نہ غنا فقر سے افضل۔ غنا کثرتِ مال ہے اور فقر قلتِ مال ہے اور مال و منال چونکہ سب ربّ عزّ اسمہ' کی مِلک ہے تو طالب نے جب مِلک ترک کر دی تو مشارکت باقی نہ رہی اور جب مشارکت نہ رہی تو غنا و فقر دونوں سے فراغت مل گئی۔

فصل:

مشائخِ طریقت میں سے ہر ایک نے فقر اور غنا کے معنی میں کچھ کچھ رموز لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مَیں اپنی استطاعت کے موافق ان کے ارشادات اس کتاب میں نقل کرتا ہوں۔

۱۔ سورۃ ص: ۳۰

Marfat.com

ایک متاخرین صوفیاء میں سے فرماتے ہیں:

لَیْسَ الْفَقِیْرُ مَنْ خَلا مِنَ الزَّادِ اِنَّمَا الْفَقِیْرُ مَنْ خَلا مِنَ الْمُرَاد

''فقیر وہ نہیں جو مال و متاع سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے کہ جس کا دل خواہشاتِ باطل اور طمع و آز سے خالی ہو۔''

چنانچہ اگر کسی کو اللہ مال دے اور وہ اس کی محافظت میں اپنی زندگی بسر کرے تو وہ بھی غنی ہے اور اگر منجانب اللہ کسی کو مال ملے اور وہ اس کے صرف میں اپنی قوت صرف کرے تو وہ بھی غنی ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق مِلک میں تصرف کرنے سے ہے اور یہ شانِ فقر کے خلاف ہے۔ درحقیقت فقر میں ترکِ محافظت اور ترکِ خیالِ اسراف لازمی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں:

عَلَامَةُ الْفَقْرِ خَوْفُ الْفَقْر

''یعنی فقر کی علامت خوفِ فقر ہے۔''

یعنی سچا فقیر وہ ہے کہ کمال ولایت کی فرقت قیام مشاہدہ ذات کا آرزومند رہ کر اس صفت کے فنا ہونے میں خائف رہے اور زوال کمال وقطعیت مشاہدۂ جمال سے ڈرے۔ جب یہ بات فقیر میں پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب وہ اپنے حال میں درجۂ کمال کو پہنچ گیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کمال کو پہنچنے کے بعد زوال سے ڈرا جائے اور رویم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مِنْ نَعْتِ الْفَقِیْرِ حِفْظُ سِرِّہٖ وَصِیَانَةُ نَفْسِہٖ وَ اَدَاءُ فَرَا ئِضِہٖ

''فقیر کی خوبیوں میں سے اپنے راز مکتوب کی محافظت اور اپنے نفس کے جھانسوں سے ہوشیار رہ کر فرائض محبوب کا ادا کرنا ہے۔''

غرضیکہ فقیر وہ ہے کہ اس کا ضمیر اغراض و ہوائے نفسانی سے محفوظ رہے اور قیدِ نفس سے ہوشیار رہ کر اپنے معبودِ حقیقی کے فرائض کماحقہ ادا کرے اور اس قدر ہوشیار رہے کہ جو اسرارِ باطنی اس پر منکشف ہوں ان کو ظاہر نہ ہونے دے اور ہمیشہ اپنے حال پر قال کو نہ آنے دے اور یہ علامت اس فقیر کی ہو گی جو کیفیت بشریہ سے متجاوز ہو کر عہد مطلق ہو چکا اور واصل بحق ہو گیا۔ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ اِلَى الْقَبْرِ

''افضل ترین درجہ فقر کا یہ ہے کہ وہ صبر کے ساتھ دنیاوی تنگ دستی کو اس حد تک گذارے کہ میدانِ حشر کی محتاجگی تک وہ قائم رہے''۔

Marfat.com

یعنی فقر پر ہمیشہ صبر کے ساتھ رہنا فقیر کا درجۂ کمال ہے اور یہ مرتبہ عبدیت کا خاص مقام ہے، مقامِ عبدیت مقامِ فنا ہے۔ مقامِ فقر وہ مقام ہے جہاں مقامات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ مقامِ فقر پر ہی کیفیتِ اعمال اور آفاتِ مال و مصائب زوال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس اجمال کے ظاہر معنی یہ ہوں گے کہ غناء پر فقر کو فضیلت ہے اور جب فضیلتِ فقر ظاہر ہو جائے گی تو فقیر اس امر کا عہد کرے گا کہ میں جادۂ فقر سے کبھی سرتابی اور رُوگردانی نہ کروں گا۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا:

اَلْفَقِیْرُ مَنْ لَّا یَسْتَغْنِیْ بِشَیْ ءٍ دُوْنَ اللّٰہِ.

''فقیر وہ ہے جو کسی چیز کے ساتھ سوا ذات پاک سبحانہٗ و تعالیٰ کے، آرام نہ پکڑے۔''

اس لیے کہ اس کی مراد سوا اس ذات کے کوئی نہیں اور اصل مطلب یہ ہے کہ بغیر اس ذاتِ غنی جل شانہٗ کے، تونگری حاصل نہیں ہوسکتی۔ تو جب اس ذات کو پالیا، تونگر ہو گیا اور یہ ظاہر ہے کہ وجودِ فقیر ذات کے سوا ہے، تو جب تونگری ماسوا کو ترک کیے بغیر نہیں پا سکتا تو خود وجودِ فقیر غنا و تونگری کا حجاب ہوا۔ تو جب تک یہ وجود جو ماسوائے اللہ سے ہے، فنا نہ ہو جائے گا، غنی نہیں ہوسکتا اور جب اپنے کو فنا کرلے گا، غنی ہو جائے گا۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ نکتہ نہایت باریک اور لطیف ہے اور اس کی تحقیق و حقیقت معنی یہی صحیح ہو سکتے ہیں کہ:

اَلْفَقِیْرُ مَنْ لَّا یَسْتَغْنِیْ عَنْهُ. ''یعنی فقیر وہ ہے کہ اس کی ذات میں ہرگز غنا نہ ہو''۔
اور یہ وہی بات ہے جو پیر کامل حضرت عبداللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی: کہ ہمارا رنج و اندوہ ابدی ہے، نہ ہمارا مرکزِ ہمت مقصود پا سکتا ہے، نہ ہمارا وجود کلیۃً دنیا و آخرت میں فنا ہوسکتا ہے، اس لیے کہ کسی چیز کے حاصل کرنے کے لیے مجانست لازمی ہے اور وہ مقصودِ ازلی ہمارا ہم جنس نہیں اور اس کے فرمانے اور اعراض کرنے کے لیے غفلت کی ضرورت ہے اور درویش غافل نہیں ہوتا، وہ تو دوامی خدمت ذمہ ہے اور ایک راہ مشکل گذار سامنے۔ غرضیکہ ہمارا دوست وہ ہے کہ اس سے ملنے کے لیے ہماری سعی مدد نہیں کرسکتی اور اس کا شربتِ دیدار حاصل ہونے کے لیے ہمارے اختیارات کو کوئی دخل ہی نہیں اور اس کا وصل حاصل کرنا مقدورِ خلائق سے بالاتر۔ فنا ہونے سے اس کیفیت میں تبدل نہیں آتا اور باقی رہنے سے وہ متغیر نہیں ہوتا، پھر فانی محض باقی کیونکر ہوتا کہ وصل حاصل کرے اور باقی ازلی کس طرح فانی ہوتا، کہ فانی سے قربت کرے۔

مختصر یہ کہ اس کے طالب اور دوست کا کام محنت و مشقت میں رہنا ہے اور جو کچھ لوگوں کے بیانات ہیں وہ سب دل کی تسلی کے لیے گھڑے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اپنی جان کو

Marfat.com

تسکین دینے کے لیے مقامات ومنازل وطریق کے نام رکھ لیے ہیں، ورنہ وہ جمیل حقیقی ان تمام اختراعی ناموں اور مقاموں سے پاک اور بالاتر ہے اور وہ ذات اوصاف واحوالِ خلق سے منزہ۔

﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾(۱)

حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

نَعْتُ الْفَقِيْرِ السُّكُوْتُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذْلُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ.

''فقیر کی تعریف میں یہ ہے کہ جب نہ ہو، تو خاموش رہے اور جب ہو، تو خوب خرچ کرے''۔

اور فرمایا:

اَلْاِضْطِرَابُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ.

''جب ہوتو مضطرب رہے''۔

یعنی جب نہ پائے سکوت کرے اور جب پائے تو دوسرے کو اپنے سے زیادہ حق دار سمجھ کر اس پر خرچ کرے اور یہ بھی فرمایا: کہ جب پاس ہوتو اس کو خرچ کرنے کی عجلت میں بے قرار ہو، اور چونکہ انسان کا مقصد لقمہ ہے، تو جب لقمہ حاصل ہوتو خود کھانے کی بجائے دوسرے آدمی کو اپنے سے زیادہ حق دار جانے اور اس پر وہ لقمہ صرف کرے اور جب اس کی مرادِ لقمہ اسے حاصل نہ ہوتو اطمینانِ قلب کے ساتھ خاموش رہے۔ اس مقولہ میں جو حضرت ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا، دو معنی ہیں: ایک فقیر کا سکون و اطمینان بحال عدم رضا ہونا۔ یعنی خواہش و مراد کے خلاف میں خاموش وساکت رہنا اور حال رضاء و جود لقمہ کے وقت دوسروں پر خرچ کر دینا اور یہ دونوں باتیں وجودِ محبت کے بغیر نہیں ہوسکتیں اور یہ ظاہر ہے کہ راضی برضاءِ محبوب مستحق خلعت ہوتا ہے اور عطا تقرب کی نشانی ہے۔

اور محبّ تارکِ خلعت اس لیے ہوتا ہے کہ اسے عطاءِ خلعت میں علاماتِ فرقت نظر آتی ہیں، دوسرے یہ سکون فقیر عدم وجود لقمہ میں ہو، اس لیے کہ وجود لقمہ وجود ماسوٰی اللہ ہے اور فقیر ماسوائی اللہ سے آرام وسکون نہیں پاتا۔ اسی وجہ سے وہ ماسوٰی اللہ کو ترک کر دیتا ہے۔

اور یہی معنی شیخ المشائخ حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد الجنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے ہیں جو آپ نے فرمایا:

اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْكَالِ.

''فقر نام ہے تمام توہمات سے دل کا خالی رکھنا''۔

۱۔ سورۃ الصّافات: ۱۵۹

Marfat.com

تو جب فقیر کا دل تمام اندیشوں اور واہموں سے خالی ہو جاتا ہے تو ہر شکل وہمی کو اسے دل سے نکال دینے کے سوا اور چارہ ہی نہیں، اس لیے کہ وہ تمام غیر خدا اور ماسوائے اللہ ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاؤُهٗ كُلُّهٗ عِزٌّ.

''فقر دریائے بلا کا نام اور فقیر کے لیے بلاہائے فقر ہی عزت ہیں''۔

اور عزتِ فقیر تمام اس کا حال ہے اور حال فقیر خالص محبت اور محبت محبوب خالص مجاہدہ تا کہ دماغ طالب متحمل دیدارِ جمیل ہو جائے اور افراط و خیال و تصورِ جمال کے ذریعہ بے آنکھ جمال جمیل دیکھنے کے لائق ہو سکے اور فرمانِ محبوب بغیر کانوں کے سننے لگے۔

غرضیکہ محبوبِ حقیقی کا عزیز بندہ وہی ہے جو بارِ بلاء محبوب بطیب خاطر اٹھائے۔ اس لیے کہ وہ بلا جواز جانب محبوب آئے، وہ عزت خالص ہے اور نعماءِ دنیا و بلاء دنیا در حقیقت ذلتِ خالص ہیں۔ اس لیے عزت اس بندے کو ملتی ہے جو سچائی کے ساتھ اپنے محبوب کے حضور حاضر ہو اور ذلت اسے جو مشاہدۂ حق سے اپنے کو غائب کرے۔

یاد رکھو! بلا فقر نشانِ حضوری ہے اور راحتِ حقیقی اور عیش غنا نشانِ غیبت ومہجوری۔ تو جو حاضر بحضور حق ہے وہ معزز و ممتاز ہے اور جو غائب بحضور حق ہے وہ ذلیل۔ وہ بلا جس کا نتیجہ مشاہدۂ جمال اور دیدارِ محبوب ہو وہ بہر صورت غنیمت اور نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ إِنَّكُمْ إِنَّمَا تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰهِ وَتُكْرَمُوْنَ لِلّٰهِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَكُوْنُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِذَا خَلَوْتُمْ بِهٖ.

''اے جماعتِ فقراء! تم عارف بحق ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو اور یہی شان تمہاری عزت کی موجب ہے تو تمہیں لازم ہے کہ اپنی خلوتوں میں ہوشیار رہو اور دیکھو کہ اپنے ربّ کے ساتھ اس وقت تم کس طرح قریب ہو''

یعنی جب لوگوں میں تم درویش مشہور ہو جاؤ اور وہ تمہارے حقوق ادا کرنے لگیں اور تمہیں بنظرِ عظمت دیکھیں تو اس وقت تمہیں حق درویشی ادا کرنے میں خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر لوگ تمہیں تمہاری اصلیت کے خلاف تمہارا نام اور رکھیں تو تم ان کی اس آواز کو پسند نہ کرو۔ اپنے کو بنظر انصاف در منعم کا ایک فقیر جانو۔ اس لیے کہ بدترین انسان وہی ہے کہ لوگ اسے مردِ خدا جانیں اور وہ در حقیقت ایسا نہ ہو مگر اس سے خوش ہو، اور بہترین انسان وہ ہے کہ لوگ ا۔ سے درویش جانیں

Marfat.com

اور درحقیقت وہ درویش ہو اور سب سے زیادہ افضل ترین وہ ہے کہ لوگ اسے مردِ کامل نہ سمجھیں مگر وہ درحقیقت اعلیٰ پایہ کا مردِ خدا ہو۔ اس کی مثال جسے لوگ کامل جانتے ہوں اور درحقیقت وہ ایسا نہ ہو، اس طرح ہے جیسے کوئی مدعی حکمت ہو اور مریضوں کا علاج کرتا ہو مگر جب بیمار ہو تو اس کی طب اسے کچھ فائدہ نہ پہنچائے اور دوسروں کے آگے جھکتا پھرے تاکہ علاج کرائے مگر طبیب کی مجوزہ دوا کے مفاد سے محض بے خبر ہے، اور اس کی مثال جس کو لوگ درویش جانیں اور وہ درویش ہو، ایسے ہے جیسے کہ طبیب فی الواقع طبیب ہے اور مریضوں کا علاج کرتا ہے اور جب خود بیمار ہوتا ہے دوسرے طبیب کی اسے ضرورت پڑتی ہے مگر اس کے مجوزہ نسخہ کے مفاد کو خود بھی سمجھتا ہے۔ اور اس کی مثال کہ جسے لوگ مردِ کامل نہیں جانتے اور حقیقتاً وہ کامل مرد ہوتا ہے ایسے ہے کہ ایک طبیب کامل ہے مگر لوگ طبیبِ کامل نہیں جانتے اور وہ عوام کی مشغولیت سے آزاد رہ کر اپنی حفظان صحت کا پورا نظام کیے ہوئے ہے۔ اپنے مزاج کے موافق غذا لطیف، شربت مفرح، ہوا معتدل حاصل کر کے اپنی صحت کو مکمل طور پر درست رکھتا ہے تاکہ اس کے پاس مرض آکر اسے مریض نہ بنا سکے اور عوام کی نظریں اس کے حال سے بالکل بے پتہ ہیں۔ بعض متاخرین فرماتے ہیں:

اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلاَ وُجُوْدٍ .

”یعنی فقر عدم، بلا وجود کا نام ہے۔“

اس کا مطلب واضح طور پر بیان کرنا سخت مشکل ہے۔ اس لیے کہ شے تو بذاتہٖ کچھ نہیں ہوتی اور جب تک کسی شے کا وجود نہ ہو اسے بیان کس طرح کیا جائے۔ تو اس عبارت کا مفہوم سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک فقر کوئی چیز نہیں اور مقربانِ الٰہی کا اجتماع اور اقوال محض بے اصل ہیں۔ اس لیے کہ فقیر اپنی ذات میں معدومِ محض ہے اور اگر اس عبارت میں عدم عین مراد نہ لیا جائے بلکہ عدم آفت مراد ہو تو یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ آفت اوصاف انسان سے ہے اور نفی آفت کرنا گویا نفی صفت کرنا ہے۔

اور آفت وہ صفتِ انسانی ہے جو ذریعہ ہے وصول اِلی اللہ کی۔ پھر وصول اِلی اللہ جو ذریعہ ہے، جب اسی کو معدوم کر دیا تو اُن کی رفتار کو ہی معدوم کیا اور نفی رفتار، مستلزم نفی وجود ہو گی اور اس میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ مَیں نے اربابِ کلام کا ایک گروہ دیکھا جو اس قول کو صحیح نہیں مانتا، بلکہ اس قول کا استہزا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ قول نامعقول ہے۔ دوسرا گروہ وہ دیکھا جو اس قول کو صحیح مانتا اور اس پر عقیدہ رکھ کر کہتا ہے کہ ”اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلاَ وُجُوْدٍ“ صحیح ہے۔

اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ اصل حال دونوں کو معلوم نہیں اسی وجہ سے دونوں گروہ غلطی پر

Marfat.com

ہیں۔ ایک گروہ تو بوجہ جہل منکر صداقت ہوا اور دوسرا گروہ جہل کو حقیقت جان کر بہک گیا ایک نے عدم اور فنا سے مراد ناقابلِ تعریف صفات لے کر ستودہ صفات کی طلب کرنی چاہی دوسرے نے ترکِ صفت کو ستودہ صفت سمجھ لیا۔

اور درحقیقت بات یہ ہے کہ فقر کے معنی کلیہ کے بیان سے خود درویش بھی عاری ہے اور اصل مقصود کے اسبابِ کلیہ سے قطعاً بیگانہ، مگر اسرارِ الٰہیہ کی گزرگاہ وہی درویش ہوتا ہے اور جب تک درویش کا کام زُہد و تقویٰ سے مکتسب ہو اس کے تمام افعال کو درگاہِ الٰہی میں نسبت قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آتا ہے کہ تمام افعالِ درویش قیدِ کسب سے رہا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کے فعل کی نسبت بھی اس سے منقطع ہو جاتی ہے(۱)۔ اور الفاظ و معنی کو حقیقتاً فقیر سے کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ اسرار و رموزِ الٰہیہ سے جو کچھ فقیر پر وارد و صادر ہوتا ہے اس کی محض گزرگاہ فقیر ہوتا ہے نہ کہ خود راہ رَو یا صاحبِ اختیار۔ بلکہ فقیر کسی کام کو اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ نہ کسی چیز کو اپنے اختیار سے لیتا، نہ کسی کو با اختیار خود دفع کرتا ہے۔ اگرچہ وہ من حیث العبد ذات واجب تعالیٰ شانہٗ سے غیر ہے مگر ذات تعالیٰ شانہٗ کا یہی نشان خاص ہے۔

ہم نے ایک گروہ اور بھی دیکھا جو مدعی کلام اور اہل زبان تھا۔ وہ اس مضمون سے وجود کی نفی کو کمال عین فقر بتاتا تھا اور اسے بہت مہتم بالشان تعریف کہتا تھا۔ دوسرا گروہ دیکھا کہ حقیقتِ فقر کے بیان میں نفی اور عدم بیان کو مقدم جانتا تھا اور عین فقر میں نفی صفات کے معنی قرار دیتا تھا۔ ایک گروہ ایسا دیکھا کہ اس کے نزدیک صفوت تام جب ہی حاصل ہوتی ہے جبکہ طلبِ حق میں نفی حقیقت کر دی جائے۔ ایک گروہ دیکھا جن کے نزدیک سوا اسبابِ حرص تمام موجودات کی نفی کا نام ہی فقر ہے اور درحقیقت یہ تمام گروہ اپنے اپنے خیالات کے حجابوں میں حقیقتِ فقر سے محجوب ہیں۔ اس لیے کہ سب سے پہلے کمال ولایت میں اس کا ہی سمجھنا ضروری ہے اور اس ہی قول کی حقیقت میں غوطہ زنی کرنا اور اس کے سمجھنے کی محبت پیدا ہونا ہی غایت الغایات فقر ہے۔ تو طالب حق کو اس حقیقت کے سمجھے بغیر چارہ نہیں اور اس راہ کو عبور کیے بغیر کامیابی نہیں اور انہی عبارات کا اچھی طرح سمجھ لینا اس راستہ کی راہ و رسم میں لازمی ہے تاکہ راہ و رسمِ محبت سے ناواقف رہ کر عوام کی طرح دھوکا میں نہ پڑ جائیں، اس لیے کہ تمام قواعد اصول سے نکلتے ہیں اور تمام جزئیات فروع سے، پھر جو

۱۔ بقول شاعر:

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو، نہ خدا ہو — اللہ ہی کو معلوم ہے تم کون ہو، کیا ہو

چو شد محبت بر خدائی درست — خرد داد بر تو گواہی نخست

Marfat.com

فروع سے بے خبر رہا وہ اصول سے یقیناً بے خبر رہے گا، اور جو اصول سے بے خبر ہوا وہ کسی جگہ بھی صحیح نہیں اتر سکتا۔ یہ اس لیے مَیں نے کہا تا کہ تم ان معنی کی راہ پہلے طے کرو اور اس کے حقوق کی رعایت کی طرف مشغول ہو سکو۔

اب ہم تھوڑے سے بابِ تصوف میں خرقۂ صوفیہ کے اصول و اشارات بیان کریں گے، پھر ان مردانِ خدا کے اسماء گرامی بتائیں گے جنہوں نے اس شاہراہ کو عبور فرمایا اور منزل حاصل کی۔ پھر صوفیائے کرامؒ کے مسلک پر بحث کریں گے تا کہ تم سمجھ سکو کہ ان کے اختلافات، اختلاف نہیں۔ پھر معرفت و حقیقت و احکامِ شریعت کا تذکرہ کریں گے۔ پھر بعد مقدور ان کے مقامات اور مقاماتِ رموز و حقائق و آداب بیان کریں گے تا کہ تم پر اور دوسرے پڑھنے والوں پر اس مقام کی حقیقت کا انکشاف ہو سکے۔

وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ.

Marfat.com

تیسرا باب

تصوّف

فصل:

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا ارشاد ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (۱)

''خاص بندگانِ الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے، ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو۔''

اور حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلاَ یُؤْمِنُ عَلٰی دُعَائِهِمْ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِیْنَ .

''یعنی جس نے اہلِ تصوف کی آواز سن کران کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔''

(مگر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صوفی کون ہے اس لیے کہ) لوگوں نے نام صوفی کی بہت سی تعریفیں بنا رکھی ہیں اور اس بحث میں بہت سی کتابیں بھی تالیف ہو چکی ہیں۔ ایک جماعت تو کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بروزِ قیامت صفِ اوّل میں ہوں گے، ایک گروہ اس طرف گیا کہ صوفی وہ کہا جا سکتا ہے جو اصحابِ صُفّہ کے ساتھ محبت و وِلا کا رابطہ رکھے۔ ایک فرقہ کہنے لگا کہ صوفی ایک اسم ہے جو صفا سے مشتق ہے۔ یعنی جس کے اندر و باہر صفائی ہے وہ صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔ اگرچہ بلحاظِ طریقت ان توجیہات میں بہت سے لطائف حاصل ہو سکتے ہیں لیکن آخری طبقہ کی تعریف کے اعتبار سے لغوی معنی اس کے علیحدہ ہی نکلیں گے گرچہ صفا بمعنی صفائی ہے اور صفائی ہر پہلو سے اچھی ہے اور صفائی کی ضد کدورت ہے۔

اور حضور ﷺ نے بھی فرمایا:

۱۔ سورۃ الفرقان :۶۳

Marfat.com

ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنیَا وَبَقِیَ کَدْرُهَا . (۱)

''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی۔''

اور ظاہر ہے کہ لطیف و صاف چیز اور میلی و مکدر چیز علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور یہ امر ظاہر و واضح ہے کہ اہل تصوف نے اپنے تمام معاملاتِ اخلاقی و معاشی و معادی و ملی مہذب کر لیے اور اپنے دل کدورتِ آفاتِ دنیا سے صاف فرما لیے۔ اس لیے انہیں صوفی کہا گیا اور یہ اسم عارفوں کے لیے اسمائے اعلام سے ہے کیونکہ اہل تصوف کے خطراتِ قلبیہ اور اموراتِ حالیہ اس اسم سے کہیں بڑھ کر ہیں، بلکہ درحقیقت لفظ ''صوفی'' ان کے صفاتِ باطن کی ترجمانی کے لیے کافی نہیں اور ان کے معاملات تقرب پر اس کی تعریف محیط نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں اسم صوفی کا مبداء اشتقاق ''صفا'' بنا کر اسے اسمِ صفت قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ زمانہ تو وہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ شانہٗ نے عوام کو حقیقتِ تصوف اور اہلِ تصوف سے حجاب میں فرما کر ان کے منصب جلیل کی بلندی اور نورانیتِ قلبی کو عوام کے دلوں سے مخفی کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی جماعت تو یہ سمجھ بیٹھی کہ تصوف ایک طریقہ کا نام ہے جو مشاہدۂ باطن میں مدد دیتا ہے اور اصلاح ظاہری کر دیتا ہے۔ کوئی اس گمان میں بہک گیا کہ یہ صوفی اور تصوف ایک بے حقیقت چیز ہے اور یہ نام محض بے اصل نام ہے۔ حتیٰ کہ بعض کمینہ و جاہل تو مسخرہ پن کر کے نافہم اہل علم کو اپنے ساتھ ملا کر محض ظاہر بین نظروں سے دیکھ بھال کر سرے سے تصوف کے منکر ہو گئے اور باوجودیکہ وہ سخت حجابِ غفلت میں محجوب ہیں لیکن اپنی اندھی نظر کی تحقیق پر مطمئن ہیں۔ ان کی پیروی جاہل عوام کالانعام نے کی اور صفاءِ باطن کی خواہش ہی دل سے نکال دی اور سلف صالحین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے طریقہ کو چھوڑ بیٹھے۔

إِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الصِّدِّیْقِ ۔۔۔۔ إِنْ أَرَدْتَ صُوفِیًا عَلَى التَّحْقِیْقِ

''یعنی اگر تو واقعی صوفی کا متلاشی ہے تو یاد رہے کہ صوفی ہونے کی شان صفا تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھی۔''

۱۔ یہ الفاظ تو نہیں ملے لیکن امام بخاریؒ نے ''کتاب الجہاد'' میں اور امام نسائی نے ''كتاب الأشربة'' (باب:۵۶) میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ '' ذهب صفو امّتي'' امام عجلونی اسے ''كشف الخفاء'' ۱/۵۰۳ میں، ابن ماجہ نے اپنی '' سنن '' میں (۴۰۳۵) امام احمد بن حنبل نے اپنی '' مسند'' (۴/۹۴) میں امام طبرانی نے '' المعجم الكبير'' ۱۰/۸۶۶ میں، امام اوزاعی نے ''مسند الشهاب'' ۲/۱۹۷ میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ إنّما بقي من الدنيا بلاء وفتنة ، وانّما مثل عمل احدكم كمثل الوعاء، اذا طاب اعلاه طاب أسفله ، واذا خبث اعلاه خبث أسفله.

Marfat.com

اس لیے کہ صفاء حقیقی کے لیے ایک اصل اور ایک فرع ہے اصل تو دل کا ماسوا اللہ تعالیٰ سے منقطع ہونا ہے اور فرع دل کا دنیا غدار کی محبت سے خالی کر دینا اور یہ دونوں صفتیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھیں جن کا نام حضرت عبداللہ ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہی وہ ہستی ہے جسے امامِ اہلِ طریقت اور مقتداء اہلِ تصوف کہا جائے اور یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اغیار سے اس قدر صاف تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی آپ کی ہستی کا ہمسر کوئی نہ تھا، بوقت وفات قیامت آیات سرور عالم ﷺ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عالی جناب گردوں رکاب کی جدائی سے اس قدر دل شکستہ تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے از خود رفتگی میں برہنہ تلوار کھینچ کر باآواز بلند فرما دیا: خبردار جس نے کہا کہ حضور سرور عالم ﷺ انتقال فرما گئے ہیں، اس کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت افضل البشر بعد الانبیاء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا:

اَلَا مَنْ عَبَدَ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ عَبَدَ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَيٌّ لَّا یَمُوْتُ. (۱)

خبردار رہو! جس نے حضور ﷺ کو حیّ قدیم جان کر عبادت کی، تو بیشک اُس ہستی مالک نے وجودِ عنصری سے پردہ فرمالیا اور جو عابدِ الٰہی ہے وہ سن لے کہ وہ جل مجدہٗ حي قدیم ہے اُسے فنا نہیں۔"

پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ (۲)

"ہمارے محبوب محمد ﷺ خدا نہیں بلکہ ہمارے رسول ہیں۔ ان سے پہلے جو رسول آئے وہ بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ تو کیا اگر یہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنے پچھلے روّیہ پر لوٹ جاؤ گے"۔

یعنی جو محمد ﷺ کو خدا مانتا ہے اسے چاہیے کہ سن لے کہ وہ تشریف لے گئے ہیں اور جو خدائے محمد ﷺ کو پوجنے والا ہے وہ جان لے کہ وہ ذات زندہ اور قدیم ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ا، ص ۱۶۶

۲۔ سورۃ آل عمران: ۱۴۴

Marfat.com

گویا دوسرے الفاظ میں اپنی صفوۃ کا مظاہرہ فرمایا کہ تعلیم مصطفے علیہ التحیۃ والثنایہ ہے کہ سوا ذات باقی کے، سب فانی ہیں اور فانی سے وراء الوریٰ ذات باقی ہے۔ تو جس کا دل فانی سے بندھا ہوا ہے وہ سمجھ لے کہ صورت فانی فنا ہو گئی اور اس کی تمام محنت رائیگاں گئی اور جس نے اپنی جان حضرت باقی کے سپرد فرما دی اس کی شان یہ ہے کہ اس کا نفس فانی فنا ہو جاتا ہے اور وہ ذاتِ باقی کے ساتھ دوامی بقا میں رہتا ہے۔ لہٰذا جس نے ذات محمد ﷺ کو چشمِ ظاہر سے دیکھا ہے وہ اپنا اسلام اور ان کی تعظیم ختم کر دے، اس لیے کہ وہ صورتِ ظاہری تو فنا ہو گئی اور جس نے اس ہستی پاک کو بچشم حقیقت دیکھا ہے اسے نقش ظاہری سے کچھ تعلق نہیں۔ اس کے نزدیک اس صورت کا رہنا اور غائب ہو جانا دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ حالتِ بقاء میں وہ اپنی بقاء منجانب اللہ سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور کیفیتِ فنا کو بھی منجانب اللہ جانتا ہے۔ جب اس نے ہر دو کیفیات منجانب محول حقیقی دیکھیں تو محول سے اعراض کر کے محول حقیقی کا اعتراف کر لیا اور جان لیا کہ ہر محول یعنی متغیر ہونے والے کا وجود محول حقیقی یعنی متغیر کرنے والے اور پھیرنے والے کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تو پھر فرمان ربّ العزت جل مجدہٗ کے مطابق وہ ہر شے کی تعظیم و تکریم کرنے والا ہو گیا اور بنظر دل کسی غیر کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور نظر ظاہر کو بھی ماسوا اللہ سے بند کر لیا۔

مَنْ نَظَرَ اِلَی الْخَلْقِ هَلَکَ وَمَنْ رَجَعَ اِلَی الْحَقِ مَلَکَ. (جس نے مخلوقِ فانی کی طرف نظر کی ہلاک ہوا، اور جس نے وجودِ باقی اور ذاتِ حق کی طرف رجوع کیا ملکی صفات سے متصف ہو گیا)۔ یعنی ماسوی اللہ اور مخلوق کی طرف نظر ہونا نشانِ ہلاکت ہے اور رجوع بحق ہونا علامتِ ملکیت ہے۔ تو خلو دل ماسوائے اللہ کے یا دنیا و مافیہا سے یہ ہوا کہ جو کچھ مال و متاع غلام اس کے قبضے میں ہو، راہ مولیٰ میں دے ڈالے اور ایک کملی میں لپٹ کر دربارِ رسالت پناہ میں حاضر ہو۔ جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ سب مال و متاع، غلام، لونڈی اللہ کے واسطے تصدق کر کے اس شان سے حاضر ہوئے کہ ایک کملی جسم اطہر پر تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَا خَلَّفْتَ لِعِیَالِکَ ؟۔ ''ابوبکر! اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟'' عرض کی: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. بیوی بچوں کے لیے دو خزانے بے خزاں اور دو گنج بیکراں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ایک محبتِ واحدِ حقیقی دوسرا متابعتِ رسولِ بطحی۔ اس لیے کہ جب میرا دل تعلق دنیا سے آزاد ہو چکا تو مجھے ناگزیر تھا کہ گندگی اور میل کچیل سے صفائی حاصل کروں۔ یہ ہے مکمل صفتِ صوفی صافی و عارفِ صادق کی اور اس سے انکار کرنا درحقیقت انکارِ ذات باقی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ (درحقیقت، حقیقت تصوف یہی ہے) اس لیے کہ صوفی وہ ہے جو صاف دل ہو، اقسام کدورات سے اور صفائی کی ضد تکدر اور میلا پن ہے۔

Marfat.com

دوسرے مکدر وملوث بدنیا ہونا صفاتِ بشری میں داخل ہے اور درحقیت صوفی وہ ہے جو حقیقتِ تکدر سے گذر کر صفاتِ بشری سے بالاتر ہو جائے۔ جیسا کہ بحالت استغراق ومحویت مشاہدۂ جمال و لطائف حسنِ یوسف کر کے زنانِ مصر پر کیفیتِ بشریہ نے غلبہ کیا۔ پھر اس کیفیتِ غلبۂ بشریت پر جب حسنِ یوسفی نے اپنا عکس حسن ڈالا تو وہ غلبۂ بشریت درجہ غائیت کو پہنچ گیا، پھر جب مشاہدۂ حسن نہایت پر پہنچا تو غلبۂ بشیریت فنا ہو گیا اور انہیں زنانِ مصر کی زبان سے ﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا﴾ (۱) نکل گیا۔ ''یعنی خدا کی قسم یہ بشر نہیں ہے''۔ (یہاں درحقیقت پر تو حسنِ یوسفی نے زنانِ مصر کی کیفیتِ بشری کو بدل ڈالا تھا) مگر انہوں نے اس دعویٰ کا نشانہ حسن یوسف علیہ السلام کو بنایا اور فی الواقع اپنا حال بیان کیا تھا۔ اسی کی تائید میں مشائخِ طریقت رحمہم اللہ نے فرمایا:

" لَيْسَ الصَّفَا مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِأَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ وَ الْمَدَرُ لَا يَخْلُوْا مِنَ الْكَدَرِ."

''صفائی صفاتِ بشریہ سے نہیں اس لیے کہ بشر کی تخلیق مٹی سے ہے اور مٹی کے خواص ذاتی میں کدورت وکثافت ہے۔ بنابریں بشر کو کثافت وکدورت بغیر چارہ نہیں''۔

تو ظاہر ہو گیا کہ حصولِ صفاء افعال واعمال سے نہیں ہو سکتا اور بشر کی صفت خالص مجاہدہ وریاضت سے زائل ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ صفت کو افعال واعمال سے کوئی نسبت نہیں اور اسم صفاء کو کسی نام یا کسی لقب سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ: اَلصَّفَا صِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوْسٌ بِلَا سَحَابٍ. ''صفت صفا محبوبانِ الٰہی کی صفت ہے اور وہ وہ ہیں کہ اپنی صفتِ بشری سے فانی ہو کر صفتِ محبوبانِ الٰہی کے ساتھ باقی ہو چکے ہیں اور محبوبانِ بارگاہ وہ ہیں کہ اُن کی کیفیتِ حالی اہل حال کی نظروں میں مثل اس آفتاب کے روشن اور نمایاں ہے جس پر اَبر کا بھی حجاب نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرور عالم ﷺ سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالْاِيْمَانِ.

''وہ وہ بندہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کر دیا ہے۔''

اس کا چہرہ یہ اثر رکھتا ہے کہ اس میں کیفیتِ مثمرہ موجود ہے (یعنی جس طرح چاند آفتاب کو دیکھ کر روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت حارثہ بن زیدؓ کے چہرے کو دیکھنے سے، دیکھنے والے میں نور

۱۔ سورۃ الیوسف:۳۱

Marfat.com

آجاتا ہے) اور حارثہؓ کو اللہ نے اپنے نور سے مصور و مخلوق فرمایا۔ کہتے ہیں کہ مشائخ سلاسل میں سے کسی نےؒ یہ شعر فرمایا:

ضِيَاءُ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ اِذَا اشْتَرَكَا
اَنْمُوذَجٌ مِنْ صَفَاءِ الْحُبِّ وَالتَّوْحِيْدِ اِذَا اشْتَبَكَا

''نورِ آفتاب و قمر جب بیک دیگر مل جائیں تو ان کی مثال توحید و محبت کی صفائی ہے جبکہ یہ دونوں یکجا جمع ہو جائیں۔''

لیکن یاد رکھو کہ نورِ آفتاب و ماہتاب کے وہاں کچھ حقیقت نہیں، جہاں نورِ محبت و توحید جبار کی جلوہ ریزی ہو۔ مگر اس مثال نورِ محبت و توحید کو اس لیے محبت دی گئی کہ اس دنیا میں کوئی نور اس سے زیادہ منور نہیں اور ہماری چشم ظاہر آفتاب و ماہتاب کے نور سے آسمان دیکھ رہی ہے اور بس۔ اور نورِ توحید و محبت سے قیامِ قیامت تک کے تمام احوال دنیا میں منکشف ہوتے ہیں اور اس پر جملہ مشائخ طریقت مجتمع ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ قید و مقامات سے آزاد ہو جاتا ہے تو کیفیتِ مکدرہ سے خالی ہو کر مقام تغیر و تلون سے بھی آزادی حاصل کر لیتا ہے، اور اس میں تمام احوال محمود آجاتے ہیں اور وہ صفاتِ محمودہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے مگر اس وقت وہ فی نفسہٖ قیدِ اوصاف سے بھی بیگانہ ہوتا ہے اور قیدِ صفات سے بالاتر ہو کر حمید و محمود کو نہیں دیکھتا، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی لطائف کے مشاہدہ سے عجب و نخوت نہیں کرتا، مغرور نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کی کیفیتِ حالیہ ادراکِ عقل سے مخفی ہو جاتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن شکوک و ظنون و اوہام کی دستبرد سے محفوظ بلکہ پاک ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اس کی کیفیتِ حضوری کو ذہاب یعنی حجاب و خفا نہ ہو اور اس کا وجود ظاہری علل و اسباب کا محتاج نہ رہے۔

لِاَنَّ الصَّفَا حُضُوْرٌ بِلَا ذَهَابٍ وَّ وُجُوْدٌم بِلَا اَسْبَابٍ.

''یعنی مقتضاء صفاء قلب یہ ہے کہ اسے زائل نہ ہونے والا حضور حاصل ہو اور بلا احتیاج سبب سب کچھ موجود ہو۔''

حاضریٔ بارگاہ بلا غیبت ہو اور ہر چیز بلا سبب و علت موجود۔ اس لیے کہ جو حضور غیبت سے مٹ جائے وہ حضور نہیں اور جو موجود سبب و علت سے موجود ہو، وہ موجود کوئی وجود نہیں رکھتا۔ جب اس درجہ پر صوفی پہنچ جاتا ہے تو دنیا و عقبٰی میں فنا ہو جاتا ہے اور بظاہر جسم انسانی رکھ کر ربانی بن جاتا ہے۔ پھر اس کی نظر میں زر و جواہر اور کنکر و پتھر یکساں ہوتے ہیں اور جو کچھ اہل دنیا پر دشوار ہوتا ہے وہ سب اس پر آسان ہو جاتا ہے خواہ اتباع احکام ہو یا اور کچھ۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

كيفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ ؟ (۱)

''اے ابن زید آج تم نے کیسی صبح کی؟''

قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَاحَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَزَلْتُ وَ حَرَّفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَأْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَارَعُوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَاوَرُوْنَ. الحديث

''حارثہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! میں نے آج سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: حارثہ غور کر کیا کہہ رہے ہو؟ یاد رکھو ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ہر چیز پر ایک دلیل، تیرے اس دعویٰ کی کیا حقیقت ہے اور تیرے ایمان کی کیا دلیل؟ عرض کی: حضور! میں نے اپنی جان کو دنیا سے علیحدہ کر لیا اور اپنا منہ دنیا سے موڑ لیا، اب میری نظر میں دنیا کا پتھر، سونا، چاندی، کنکر، کوڑا سب یکساں ہے، اور جب میں دنیا و مافیہا سے آزاد ہو چکا تو مقام

۱۔ یہ اس حدیث کا جزو ہے جسے امام بزار اور ابن ابی شیبہ نے یوسف بن عطیہ کے طریق سے، انہوں نے حضرت ثابت سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ مکمل حدیث یوں ہے:

بينما رسول اللّٰه ﷺ يمشي اذا استقبلهٔ شاب من الأنصار يقال له حارثة، فقال له النبي ﷺ كيف أصبحت ياحارثه ؟ قال : أصبحت مؤمناً حقاً ، فقال ﷺ: انظرما تقول ياحارثة ،إن لكلّ حق حقيقة، فماحقيقة ايمانك ؟ فقال: عزلت نفسي عن الدنيا، فاستوى عندي حجرها وذهبها وفضّتها ومدرها، فأسهرت ليلي واظمأت نهاري، حتى صرتُ كأنّي انظر الى أهل الجنّة يتزاورون فيها، وكاني أنظر الى أهل النّار يتضارعون فيها، وفي رواية يتغامرون فيها، فقال ﷺ عرفت فالزم، قالها ثلاثا.

حوالہ کے لیے دیکھئے:

مجمع الزوائد للهيثمي ۱/۵۷، مصنف ابن أبي شيبة ۱۱/۴۲، مسند البزّار (۳۲) كتاب اللّمع للسراج الطّوسي (ص: ۱۰۲) احياء العلوم للغزالي ۴/۱۵۷، أسد الغابة ۱/۳۵۵ (ترجمة أبي عبدالله حارثة بن النعمان الأنصاري رضي الله عنه)

Marfat.com

اقصیٰ یعنی درجۂ انتہائی پر پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ آج میں نے انہار کی شکم پری اور شب بیداری میں مجھے (بہ تصدق سرکار یہ منصب حاصل ہے کہ) گویا میں ربُّ العلیٰ کے عرش بریں کا مشاہدہ بلا حجاب کر رہا ہوں اور گویا کہ میں اہلِ جنت کو دیکھ رہا ہوں اور وہ سیر و تفریح میں ہیں اور گویا کہ میں جہنمیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ تڑپ رہے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنکھ پھاڑ پھاڑ کر جہنم میں دیکھ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عَرَفْتَ" (جان تو لیا تو نے) مگر "فَالْزِمْ" (اب اس منصب کی محافظت کر)۔ اس لیے کہ بس اس کے سوا اور عرفان (مخلوق کو حاصل نہیں) ولیوں کو اسی منصب و نام سے پکارتے ہیں۔

کسی بزرگ نے مشائخ کرامؒ سے فرمایا:

مَنْ صَفَاهُ الْحُبُّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَاهُ الْحَبِيْبُ فَهُوَ صُوْفِيٌّ.

''جو محبت کے ذریعہ صاف ہوا وہ صافی ہوا، اور جو محبتِ حبیب میں محو و مستغرق ہوا وہ غیر محبوب سے بری ہو کر صوفی ہو گیا۔''

اور بمقتضاء لغت اس اسم صوفی کا مشتق ہونا درست نہیں۔ اس لیے کہ لفظ ''صوفی'' معنے لغوی سے وراء الورٰی ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کو بمناسبت معنی لغوی دیکھا جائے گا تو اسے جنس ماننا پڑے گا، تاکہ وہ جنس کسی جنس سے مشتق ہو سکے۔ کیونکہ ہر مشتق کو اپنی مبداء اشتقاق سے مجانست لازمی ہے اور لفظ ''صوفی'' جس معنی سے وابستہ ہے ذرہ ذرہ ہے جو صافی و مصفّٰے ہے اور جس قدر مبادی اشتقاق ہیں وہ یقیناً ضد صفا ہیں۔ لہٰذا ضد سے ضد کا اشتقاق صحیح نہیں، تو اس کے معنی اظہر من الشمس ہو گئے کہ اہل تصوف کے نزدیک تعریفِ صوفی محتاجِ تعریف نہیں اور اس کی تشریح کی حاجت نہیں:

لِاَنَّ الصُّوْفِيَّ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَةِ وَالْاِشَارَةِ .

''اس لیے کہ صوفی عبارت و اشارت سے روکا ہوا ہے۔''

تو جب صوفی زبانی تعریفات و تعبیرات و اشارات سے آزاد ہوا تو سب جہاں اس کے لیے معنی اور تعبیر چھانٹا کرے اور کوئی اس کی حقیقت سمجھے یا نہ سمجھے، اسم صوفی کو ان تعبیرات سے کچھ خطرہ نہیں۔ تو بحالت حصول معنیٰ اہل کمال نے انہیں صوفی کہا اور جو اس کمال کا طالب اور اہل کمال سے وابستہ ہیں، ان کو متصوف اور تصوف باب تفعّل ہے اور یہ باب مقتضی تکلف ہے اور تصوف میں تکلف و مجاہدہ اس کی جڑ یعنی اصل کی ایک فرع اور شاخ ہے اور مقتضاء لغت و معنی سے صوفی کے معنی حقیقی کا فرق ظاہر بلکہ اظہر ہے۔

اَلصَّفَاءُ وَلَايَةٌ وَلَهَا اٰيَةٌ وَّ رِوَايَةٌ وَالتَّصَوُّفُ حِكَايَةٌ لِلصَّفَاءِ بِلَا

Marfat.com

شِكَايَةِ.

''صفاء ولایت کا نام ہے اور اس کے لیے علامت اور روایت کی ضرورت ہے
اور تصوف بلاشبہ حصولِ صفا کے لیے ایک حکایت ہے۔''

جس میں شائبہ شکایت نہیں ہوتا تو صفاء کے روشن معنی ظاہر ہو گئے اور تصوف کا محض حکایت ہونا واضح ہو گیا۔ تو درجہ تصوف میں جو لوگ ہیں ان کی تین قسم ہیں: ایک صوفی، دوسرا متصوف، تیسرا مستصوف۔ صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر باقی بحق ہو گیا۔ قید مزاج و طبائع سے آزاد ہو کر حقیقت حقائق کے ساتھ مل گیا۔ متصوف وہ ہے جو اس درجہ کے حاصل کرنے کی آرزو میں تکلف و مشقت و مجاہدہ کر رہا ہے، اور صوفی بننے کا خواہش مند ہے اور صوفیائے کرامؒ کے رسم و رواج کی پیروی میں اپنی اصلاح کرتا ہے، اور مستصوف وہ ہے جو مال و منال دنیاوی حاصل کرنے کی غرض سے صوفیاء کرامؒ کے اعمال و افعال و حرکات کی نقل کرتا ہے۔ صوفیاء کے اقوال کہتا پھرتا ہے مگر خود محض بے خبر ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ چنانچہ ایسے شخص ہی کے حق میں مشائخ کرامؒ نے فرمایا:

اَلْمُسْتَصُوِفُ عِنْدَ الصُّوْفِيَةِ كَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذِّئَابِ .

''مستصوف صوفیائے کرامؒ کے نزدیک ایک ذلیل مکھی ہے، (جو کچھ کرتا ہے
وہ محض لغو اور فضول ہے۔) اور عوام کے حق میں مستصوف مثل بھیڑیے کے
ہے (یا بجو کی طرح، وہ جو کچھ کرتا ہے سب بیکار ہے۔)''

اس لیے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے اس کی مراد تھوڑے سے ٹکڑے کا حاصل کرنا ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ صوفی صاحب وصول ہوتا ہے اور متصوف صاحب اصول اور مستصوف صاحب فضول۔ جو صوفی ہے اسے اصل کشف و وصل محبوب نصیب ہو گیا اور وہ ہمیشہ رسم و لطائف میں مستقیم رہا، اور جس کو درجۂ فضول ملا وہ سب سے پیچھے رہ گیا اور رسم کے دروازے پر پڑا رہا اور اس پر حجاب معنی اس قدر پڑے کہ وہ محجوب ہو کر وصل و اصل دونوں سے محروم رہ گیا۔ اس حال کو مشائخ کرامؒ نے اس قدر رموز میں بیان فرمایا ہے کہ سب کا بیان کرنا ممکن نہیں تاہم بعض اُن کی رموزات اس کتاب میں ہم بیان کریں گے تاکہ ناظرین کو کافی فائدہ پہنچے۔ ان شاء اللہ

فصل:

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلصُّوْفِى اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُهُ مِنَ الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَكَتَ نَطَقَتْ عَنْهُ

Marfat.com

الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ.

''صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے تو اس کا کلام اس کے حال کی حقیقت کا مظہر ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس میں نہ ہو اور جب وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کے حال کی ترجمان ہو اور علائق دنیاوی سے بے تعلقی کا ثبوت اس کے اعضاء سے واضح ہو۔''

گویا گفتارِ صوفی اس کے حسب حال ہو اور کردارِ صوفی میں شان تجرید اس قدر ہو کہ قطع دنیا واضح نظر آئے۔ غرضیکہ اگر وہ کلام کرے تو ایسا کہ سب اس پر صحیح اترے اور سچ نظر آئے اور خاموش رہے تو خاموشی سے اس کے فقر کی ادائیں نظر آئیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ أُقِيمَ الْعَبْدُ فِيهِ قِيلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتُ الْحَقِّ حَقِيقَةٌ وَّ نَعْتُ الْعَبْدِ رَسْمٌ.

''تصوف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے، بعض نے کہا کہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا بندہ کے لیے؟ تو فرمایا بمعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذات باری تعالیٰ ہے لیکن رسماً صفت بطور مجاز، بندہ کے لیے ہوتی ہے۔''

یعنی حقیقتِ تصوف یہ ہے کہ بندہ کی صفت کو فنا کر دے اور صفاتِ عبد کا فنا ہونا صفتِ حقہ باقی رہنے کو ہے اور یہی صفتِ حق ہے اور رسم تصوف دواماً بندہ سے مجاہدات و ریاضات کا تقاضا کرتی ہے اور فنائے صفت استقامت و استمرار اس مجاہدہ پر رکھنا یہ بندہ کی شان ہے اور اس مضمون کو بالفاظ دیگر یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ حقیقتِ توحید میں بندہ کو کسی صفت سے متصف کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ صفات عبد حق عبد میں دوامی نہیں اور بندہ کی صفت کی حقیقت محض رسم ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں اور واضح طور پر روشن ہے کہ صفت عبد باقی نہیں رہتی بلکہ بندہ میں کسی صفت کا آنا یہ ایک فعل ہے اس قدیم الصفات کا۔ اور ذات قدیم الصفات کے جتنے افعال ہیں وہ سب اس کی مِلک اور تحت قدرت ہیں، تو درحقیقت جو صفت بندہ میں ہوگی وہ صفت واجب تعالیٰ شانہٗ ماننی پڑے گی۔ اسے اور وضاحت سے یوں سمجھا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہے تو بندہ کو اس حکم کی تعمیل کے وقت اسم ''صائم'' عطا ہو جاتا ہے۔ تو روزہ رکھنا بطریق رسم بندہ کی طرف منسوب ہے ورنہ درحقیقت یہ صوم بھی از جانب الٰہی ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں حضور ﷺ

Marfat.com

کو جناب باری تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا أَجْزِیْ بِهٖ . (۱)

''روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں دوں گا۔''

یعنی وہ روزہ جو بندہ نے رکھا، وہ میرے حکم سے رکھا اور اس کے تمام کام اُس کے ملک ہیں۔ مگر یہ اضافتِ مِلک بندہ کی طرف جو ہے درحقیقت بطریق رسم و مجاز ہے نہ کہ بطریق حقیقت۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ تَرْکُ کُلِّ حَظٍّ لِّلنَّفْسِ .

''تصوف نام ہے تمام حظوظِ نفسانیہ کا ترک۔''

اور یہ دو طرح ہوتا ہے: ایک رسمی طور پر، دوسرے حقیقی صورت میں۔ یہ بھی درحقیقت عجیب و غریب شان ہے اس لیے کہ اگر بندہ نے خوشی سے ترکِ حظِ نفس کیا تو فی نفسہ ترکِ حظ بھی تو ایک حظ ہے اور یہ خالص رسم ہے اور اگر خوشی نے بندہ کو ترک کر دیا اور حظِ نفس خود علیحدہ ہو گیا تو یہ فناء حظ ہو گا اور اس معنی کا تعلق درحقیقت مشاہدہ سے ہے۔ اس لیے کہ یہ امر واضح ہے کہ ترکِ حظ یعنی خوشی اور لذاتِ نفسانیہ کا ترک کر دینا یہ بندہ کا فعل ہے اور لذاتِ نفسانیہ اور حظوظِ جسمانیہ کا فنا ہونا من جانب اللہ ہے اور یہ امر مسلمات سے ہے کہ فعل عبد محض رسم و مجاز ہے اور فعل حق حقیقت ذات، اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ بھی اس امر کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ کہتے ہیں:

اَلصُّوْفِيَّةُ هُمُ الَّذِيْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُهُمْ فَصَارُوْا فِي الصَّفِّ الْاَوَّلِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَقِّ .

''صوفی وہ ہیں کہ ان کی روحیں کدورتِ بشریت سے مجلا ہو چکی ہوں اور تمام آفاتِ نفسانیہ سے پاک ہو کر حرص و ہوائے شہوانیہ سے خلاصی پا کر دربارِ الٰہی میں صفِ اوّل کے اندر درجۂ تقرب پاتی ہیں۔ ماسوائے اللہ سے بعید ہو چکی ہیں۔''

اور حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلصُّوْفِيْ الَّذِيْ لَا يَمْلِکُ وَلَا يُمْلَکُ .

۱۔ اسے امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' ۳/۱۵۷ (کتاب الصیام) میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: کلّ عمل ابن آدم له الاّ الصیام فانّه لي وانا اجزی به. مزید حوالہ کے لیے ملاحظہ کریں۔ الجامع الصغیر للسیوطي ۲/۸۰، شرح المواهب اللّدنية للزرقاني ۸/ ۹۸، إحياء العلوم ۱/۱٦١، شرح صحيح مسلم للنووي ۸/۲۹،

Marfat.com

''صوفی وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو، نہ کسی کی مِلک۔''

یعنی صوفی وہ ہے جس کی قید میں کچھ نہ ہو اور وہ خود کسی کی قید میں مقید نہ ہو۔ اور یہ تعریف عین فنا کی ہے، اس لیے کہ فانی فی الصفت نہ کسی شے کا مالک بالذات ہوتا ہے نہ مملوک غیر ذات۔ اس لیے کہ ملک اس کی صحیح ہوتی ہے، جو خود موجود ہو اور مملوکیت کا بھی وہی اہل ہے، جو موجود ہو۔ تو مسئلہ واضح ہو گیا کہ صوفی متاع دنیا و آخرۃ میں سے خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور آپ نفس و حرص و حظ اور خواہشات کے ملک میں نہیں رہتا۔ گویا اپنی مشیت اور ارادہ کو ماسویٰ اللہ سے منقطع کر لیتا ہے تا کہ غیر اس کی اطاعت و بندگی کا طمع نہ کر سکے اور یہ قول بالخصوص اس گروہِ صوفیاء کے بہت مناسب حال ہے جو فناء کل کے قائل ہیں اور مَیں ان کے خیالات کو اس کتاب میں نقل کروں گا تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ اللہ تمہیں اپنا برگزیدہ بنائے۔

حضرت علی بن عثمان الجلابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلتَّصَوُّفُ حَقِيقَةٌ لَارَسْمَ لَهٗ''

''تصوف ایسی حقیقت کا نام ہے جس کی تعریف رسمی نہیں ہو سکتی۔''

اس لیے کہ رسم مخلوقات کا وہ حصہ ہے جو معاملات میں مستعمل ہے اور تصوف حقیقۃً خاصۂ الٰہی ہے اور بات بھی یہی ہے کیوں کہ جب تصوف مخلوقات سے اعراض کرنے کو کہا جاتا ہے تو لامحالہ اس کے لیے رسم و رواج مخلوقی سے علیحدہ ہونا ضروری ہے۔

حضرت ابو عمر دمشقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اَلتَّصَوُّفُ رُؤْيَةُ الْكَوْنِ بِعَيْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ۔ یعنی تصوف یہ ہے کہ عالمِ کون کو بنظرِ نقص و حدوث دیکھے اور یہ بھی بقا صفت کی دلیل ہے، بلکہ عالم سے آنکھ کو بند کر لے تا کہ یہ دلیل فناء صفت کی مکمل ہو جائے۔ اس لیے کہ جب تک نظر عالمِ کون کی طرف رہے گی خواہ ناقص ہو خواہ کامل۔ تو صفت باقی رہے گی مگر جب کون ہی نہ رہے گا تو نظر بھی اس پر نہ رہے گی، تو صفت کا فانی ہونا متحقق ہو جائے گا۔

غرضیکہ جب صوفی اپنی ذات سے نابینا ہو جاتا ہے، ذاتِ واجب کے ساتھ بینا بن جاتا ہے اور جبکہ صوفی ہو کر طالب کون و فساد ہوا تو اس کے تمام کاروبار کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ رہے گا۔ تو پھر اسے اپنے سوا کسی اور کے ساتھ کوئی راستہ نہیں مل سکتا، تو ایک وہ ہوا جو خود کو دیکھتا ہے مگر ناقص دیکھتا ہے اور ایک وہ ہے جو اپنی آنکھیں ماسویٰ اللہ سے بلند کر کے کسی کو نہیں دیکھتا۔ تو جو دیکھ رہا ہے اگرچہ ناقص ہی دیکھے مگر ابھی اس کی چشمِ بینا پر حجابِ دوئی ہے۔ اور ایک وہ ہے جو دیکھتا ہے تو اپنی بینائی کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے اور ایک وہ جو ماسویٰ اللہ کو دیکھتا ہی نہیں، وہ اپنی چشمِ حق میں سے محجوب نہیں ہوتا اور یہی اصل قوت ہے جسے متصوفہ اور ارباب معانی اعلیٰ مقام بتاتے

Marfat.com

ہیں، بس اب اس سے زائد شرح کرنا اس مقام کے ساتھ ناموزوں ہے۔

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلتَّصَوُّفُ شِرْکٌ لِاَنَّهٗ صِیَانَةُ الْقَلْبِ عَنْ رُؤْیَةِ الْغَیْرِ وَلَا غَیْرَ .

"تصوف شرک طریقت ہے، اس لیے کہ متصوف اپنے دل کو محفوظ کرتا ہے غیر کے دیکھنے سے، اور صوفی کی نظر میں وجود غیر معدوم ہے۔"

یعنی جب صوفی پر وحدۃ ذات کا پَرتَو کماحقہٗ پڑ جائے تو مقامِ توحید میں رویتِ غیر کو شرکِ طریقت کہا گیا، اس لیے کہ جب قلبِ صوفی میں وجودِ غیر کی قدر و منزلت ہی نہیں تو اس سے حفاظت کرنا یا اس کے وہم میں ذکرِ غیر آنا ہی محال ہے۔

حضرت ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ کُدُوْرَةِ الْمُخَالَفَةِ .

"تصوف نام ہے اپنے ضمیر کو مخالفتِ حق سے محفوظ رکھنے اور اس کی جلاء و نورانیت کو کدروتِ اوہام سے بچانے کا۔"

اس لیے کہ محبت و وداد نام موافقت کا ہے اور موافقت ضد مخالفت ہے اور دوست کو تمام عالم میں سوا اطاعت فرمان دوست کے کچھ محبوب ہی نہیں ۔تو جب دوست کی مراد وہی ہوئی جو دوست کی مراد تھی تو پھر مخالفت وہاں کیونکر ممکن ہوسکتی ہے اور جب ممکن ہی نہیں تو اس کا وجود کہاں؟

حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ .

"تصوف ایک نیک خصلت ہے، جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے۔"

اور نیک خصلت دو قسم پر ہے:

ایک خصلت نیک بحق ۔دوسری خصلت نیک بخلوق۔ نیک خو بحق وہ ہے جو ربّ جل مجدہٗ کی رضا و قضا میں راضی رہے اور نیک خو بخلوق وہ ہے جو اللہ کے لیے مخلوق کا بار خدمت اپنے سر لے اور یہ دونوں خصلتیں درحقیقت طالب کی طرف ہی ہوتی ہیں ۔ یعنی ان خصلتوں کا محتاج طالب حق ہی ہوسکتا ہے۔ اس لیے وہ ذات بے نیاز متصف باستغنا ہے اور رضا و سخط خوشی و غصہ کے بار اٹھانے سے مبرا و بے نیاز ہے ۔ یہ ہر دو صفت درحقیقت نظارۂ وحدانیت میں موقوف و مربوط ہیں ۔حضرت ابومحمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

Marfat.com

اَلصُّوْفِیُّ لَا یَسْتَبِقُ هِمَّتُهٗ خَطْوَتَهٗ اَلْبَتَّةَ.

''صوفی وہ ہے کہ اس کا خطرۂ قلبی بھی اس کے قدمِ ہمت سے قطعاً نہ بڑھ سکے۔''

ہمیشہ اس کی ہمت، اس کا خطرہ، اس کا ارادہ سب یکساں ہو۔ یعنی اس کا جسم جہاں ہو دل بھی وہاں ہو۔ اور جس مقام پر دل ہو اس جگہ اس کا تن ہو، جہاں اس کا قدم ہو وہاں ہی اس کا قول ہو، جہاں اس کا قول ہو، وہاں ہی اس کا قدم ہو، اور یہ بلا غیبوبیت نشان حضوری ہے، برخلاف ان کے جو کہتے ہیں کہ صوفی اپنے وجود سے غائب ہو کر ذاتِ سرمدی کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ یہ کچھ نہیں بلکہ حاضر بحق بھی ہو اور حاضر بخود بھی۔ اور یہی حقیقی جمع الجمع ہے کیونکہ جب تک رؤیت ذات اپنی ذات سے ہو، اس وقت تک وہ اپنے سے غائب وفناء نہیں اور جب یہ رویت اٹھ گئی تو بغیر غیبوبیت کے حضوری ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول خوب ہے:

اَلصُّوْفِیُّ لَا یَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰہِ غَیْرَ اللّٰہِ.

''صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں سوائے ذاتِ قدیم کے کچھ نہیں دیکھتا۔''

تو چونکہ بندہ غیر ہے، تو غیر کو نہ دیکھنا اپنے آپ کو نہ دیکھنا ہوا۔ گویا حالتِ نفی واثبات میں صوفی اپنے آپ سے بالکل فارغ ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالٍ : اَلسَّخَاءُ وَالرِّضَاءُ وَالصَّبْرُ وَالْاِشَارَۃُ وَالْغُرْبَۃُ وَ لُبْسُ الصُّوْفِ وَالسِّیَاحَۃِ وَالْفَقْرُ اَمَّا السَّخَاءُ فَلِاِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الرِّضَاءُ فَلِاِسْحَاقَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الصَّبْرُ فَلِاَیُّوْبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْاِشَارَۃُ فَلِزَکَرِیَّا عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْغُرْبَۃُ فَلِیَحْیٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا لُبْسُ الصُّوْفِ فَلِمُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا السِّیَاحَۃُ فَلِعِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاَمَّا الْفَقْرُ فَلِمُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی ﷺ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ.

تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے: یعنی آٹھ پیغمبران اولو العزم کی اقتداء سے صوفی، صوفی بنتا ہے:

(۱) سخاوت ابراہیم علیہ السلام سے حاصل کرے کہ رضائے محبوب میں اپنے لختِ جگر کو فدا کر دیا۔

Marfat.com

(۲) اور رضا اسحق علیہ السلام☆ کی اقتداء میں کہ رضاءِ مولا پر اس درجہ راضی ہو کہ جان کی پرواہ نہ کرے۔

(۳) اور صبر ایوب علیہ السلام کی اقتداء میں کہ کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو تو بخوشی برداشت کرے۔

(۴) اور اشارہ زکریا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ (۱) (تم لوگوں سے تین دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارہ سے) اور اسی سورۃ میں فرمایا: ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾ (۲) (جبکہ اس نے اپنے ربّ کو پکارا خفیہ طور سے)۔ تو صوفی کو بھی اس اشارہ کی اقتداء کرنا ہوتی ہے۔

(۵) اور غربت میں یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار، عزیز و اقارب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔

(۶) اور سیاحت میں عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء ہو کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور ایک کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ رکھا۔ حتیٰ کہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی پی رہا ہے تو اپنے پیالے کو پھینک دیا، اور جب ایک شخص کو دیکھا کہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کر کے شانہ کا کام لے رہا ہے تو کنگھی بھی ضائع فرما دی۔

(۷) اور لبسِ صُوف میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا رہتا تھا۔

(۸) اور فقر میں سید الانبیاء حبیب کبریا محمد رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے کہ باآنکہ حق تعالیٰ شانہ نے خزانہائے روئے زمین کی کنجی حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا اے محبوب! اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالیے اور خزانوں سے جس قدر چاہیے خرچ فرما کر اپنی شانِ تجمل دوبالا کیجئے۔ حضور سید یوم النشور ﷺ نے بارگاہ جل مجدہٗ میں عرض کی کہ الٰہی! میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں، اور یہ اصول معاملۂ تصوف میں انتہائی بہترین خصلت ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلصُّوْفِیُّ لَا يُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمِهٖ وَلَا يَعْدِمُ بَعْدَ وُجُوْدِهٖ .

☆ اسحٰق علیہ السلام سے یہاں مراد شاید اسماعیل علیہ السلام ہوں

۱۔ سورۃ آل عمران: ۴۱ ۲۔ سورۃ مریم: ۳

Marfat.com

''صوفی وہ ہے کہ اس کی ہستی کو نیستی نہ ہو اور اس کی نیستی کو ہستی نہ ملے۔''

یعنی جو کچھ وہ پائے وہ ہرگز گم نہ ہو اور جس چیز کو اس نے گم کر دیا وہ کبھی وجود میں نہ آئے اور بالفاظ دیگر اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو ملی ہوئی چیز کو ملی ہوئی نہ جانے اور جو نہ ملی ہوئی چیز ہو، وہ اسے ملنے والی نہ ہو یا اس کے پاس وہ اثبات ہو جس کی نفی نہیں اور وہ نفی ہو جس کا اثبات نہ ہو۔

اس تمام مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفی اس درجہ تک آجائے کہ حالتِ بشریہ سے کلیۃً اُسے سقوط حاصل ہو کر شواہدِ جسمانی ذاتِ حق کے ساتھ معدوم و فوت ہو جائیں اور اس کی نسبت کلیۃً منقطع ہو جائے تا کہ سر بشریت اس کے حق میں ظاہر ہو جائے تا کہ اس کی تفریق اور اختلاف اس کے عین میں خود جمع ہو جائیں اور پھر خود بخود قیام پائے اور یہ صورت دو پیغمبروں میں ظاہر کی جاسکتی ہے۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ان کے وجودِ پاک میں عدم نہ تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے عرض کیا:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي﴾(۱)

''اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔''

اور دوسرے ہمارے سرورِ عالم ﷺ کہ آپ کے عدم میں وجود ہی نہ تھا یہاں تک کہ فرمایا: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾(۲) (کیا نہیں کھول دیا اے محبوب! ہم نے تیرا سینۂ پاک) ایک نے تو آرائش چاہی اور زینت طلب کی، دوسری ہستی پاک کو خود آراستہ کیا اور آراستہ کر کے اسے اتنا چاہا کہ محبوب بنا لیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی بن بندار الصوفی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ اِسْقَاطُ الرُّؤْيَةِ لِلْحَقِّ ظَاهِرًا وبَاطِنًا .

''تصوف یہ ہے کہ صاحبِ تصوف اپنے کو ظاہراً اور باطناً کسی حالت میں نہ دیکھے اور دیکھے تو کلیۃً ذاتِ والا صفات کو دیکھے۔''

کیونکہ اگر ظاہر دیکھے تو ظاہر میں نشانِ توفیق پائے گا اور اگر معاملاتِ ظاہر کو دیکھے گا تو اپنے پہلو میں پر پشہ کے برابر توفیقِ حق نہ جانے دے گا۔ تو لامحالہ رؤیتِ ظاہری کو ترک کرے گا پھر اگر باطن پر نشانِ تائیدِ حق پائے گا تو معاملاتِ باطنی دیکھنے سے پہلو میں تائیدِ حق ذرہ بھر نہ ملے گی۔ تو ترک باطن کے لیے کہے گا۔ لہٰذا ظاہر باطن کی رویت کو ترک کر کے ذاتِ حق کو دیکھے گا جب

۱۔ سورۃ طٰہٰ:۲۵ ۲۔ سورۃ الانشراح:۱

Marfat.com

صرف ذات حق کو دیکھے گا تو خود کو ہرگز نہ دیکھے گا۔

حضرت محمد بن احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّ فُ اِسْتِقَامَۃُ الْاَحْوَالِ مَعَ الْحَقِّ .

''تصوف وہ استقامت حال ہے جو ذات حق کے ساتھ ہو۔''

یعنی صوفی کی کیفیتِ حالیہ اس کے سر اور ضمیر کے موافق ہونی چاہئے۔ اس کے اسرار اسے کجی میں نہیں جانے دیتے۔ گویا جس کا دل صید محول حال ہے اس کی کیفیتِ حالیہ اسے محورِ استقامت سے نہیں گرنے دیتی اور قربِ حق سے نہیں روکتی۔

فصل

جو کچھ معاملاتِ تصوف میں بزرگوں نے فرمایا ہے، اس میں سے حضرت ابو حفص حداد نیشاپوری ؒ کا یہ ارشاد ہے:

اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ آدَابٌ، لِکُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ وَّ لِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ وَّ لِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ، فَمَنْ لَزِمَ آدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَیَّعَ الْاٰدَابَ فَھُوَ بَعِیْدٌ مِّنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقُرْبَ وَمَرْدُوْدٌ مِّنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقُبُوْلَ.

''تصوف ایک ایسا مجموعۂ ادب کا نام ہے جو ہر وقت اور ہر مقام اور ہر حال میں ایک خاص ادب کی راہنمائی کرتا ہے۔ جس نے اس راہ میں ملازمتِ آداب و اوقات کر لی، مردانِ خدا کے درجہ کو پہنچ گیا اور جس نے اس راہ کی رسمِ ادب ترک کر دی اور آداب ضائع کر دیئے وہ ان درجہ والوں سے بعید ہو گیا اور گمان کرتا رہا کہ میں ان کے قریب ہوں اور وہ ان کی بارگاہ سے مردود ہو گیا باآنکہ اسے یہی خیال رہا کہ میں قرب کے درجہ پر ہوں۔''

بموجب ارشاد حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ آپ فرماتے ہیں:

لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَّ لَا عُلُوْمًا وَّلٰکِنَّہٗ اَخْلَاقٌ .

''تصوف رسوم و علم نہیں ہے لیکن یہ ایک خاص خصلت ہے۔''

یعنی اگر تصوف رسمی چیز ہوتی تو مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو جاتا اور اگر یہ علم ہوتا تو محض تعلیم و تعلم سے حاصل ہو جاتا۔ تو ثابت ہوا کہ تصوف ایک خصلت خاص کا نام ہے اور جب تک یہ خصلت خود اپنے اندر نہ پیدا کرے اس وقت تک وہ حاصل نہیں ہوتا۔

Marfat.com

فرقِ رسم وخصلت:

اور رسم وخصلت میں یہ فرق ہے کہ رسم وہ فعل ہے جو بتکلف انسان کر سکتا ہے اور یہ امر واضح ہے کہ بظاہر انسان جو کچھ کرتا ہے اگر باطن اس کے موافق نہیں تو وہ فعل ظاہر محض بے معنی اور فضول ہے اور خصلت اس خاص فعل کو کہتے ہیں جو بغیر بناوٹ اور تکلف کے صادر ہو اور اس کے تمام اسبابِ ظاہری اس کے باطنی کے موافق ہوں اور زبانی دعاویٰ محمود سے وہ بالکل خالی اور پاک ہو۔ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلُقِ.

''تصوف نیک خصلت کو کہتے ہیں۔''

یہ خصائل حمیدہ تین قسم کے ہیں: ایک وہ کہ اوامرِ الٰہیہ ادا کرنے میں کسی قسم کا ریا اور دکھاوا نہ ہو اور اپنے ربّ کی رضا جوئی میں اداء حق فرائض ہوں۔

دوسری یہ کہ عوام کے ساتھ نیک خصلت ہو۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر رحم اور ہر معاملہ میں انصاف پسند ہو اور اس میں کسی قسم کا معاوضہ حاصل کرنا مطلوب نہ ہو۔

تیسری یہ کہ اپنے کو ہواء شیطانی کی متابعت سے مجتنب رکھے، اور ہر قسم کی حرص وخواہش نفسانی سے بچے۔

جو ان تینوں تعریفوں کے ساتھ اپنے کو متصف کرلے وہ نیک خصلت انسانوں میں شمار ہو گا اور وہ اس درجہ کو حاصل کرنے والا ہو سکتا ہے جو ہم نے اوّل بیان فرمایا۔ اس کی تائید میں ایک واقعہ ہے۔ ایک صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: ہمیں اخلاق محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ سنائیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قرآن میں دیکھ لے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے اخلاق کی خبر دی، اور فرمایا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۝﴾ (۱)

''اے محبوب درگذر فرمانے کی خصلت کو پکڑے رہو اور لوگوں کو بھلائی کرنے کی ترغیب فرماؤ اور جاہلوں سے علیحدگی اور اعراض کرو۔''

حضرت مرتعشؒ نے بھی تصوف کے معاملہ میں فرمایا:

هٰذَا مَذْهَبٌ كُلُّهٗ جِدٌّ فَلَا تَخْلِطُوْهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْهَزْلِ.

''یہ مذہب تصوف تمام کا تمام مجاہدہ ہے، اس میں لہو ولعب کا اختلاط نہ کرنا۔''

۱۔ سورۃ الأعراف: ۱۹۹

Marfat.com

اور مترسمین یعنی رسم پرست لوگوں کی متابعت کر کے اسے مخلوط نہ کر دینا اور جو تصوف میں کورانہ تقلید کر رہے ہیں اور صوفی بن رہے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچانا۔ عوام الناس نے جب اس زمانہ کے لوگوں کو دیکھا کہ رسمی متصوف لوگوں میں ٹھمکہ کے ساتھ ناچنا اور رقص و سرود کرنا، بارگاہِ سلاطین میں پہنچ کر ایک ایک لقمہ پر جھگڑنا اور بادشاہ کی بارگاہ میں مشرف ہونا کمال فقر بن گیا ہے اور عوام کے خیالات خراب ہو گئے ہیں اور صوفیائے کرامؒ سے اس قدر بد عقیدہ ہو گئے کہ عام طور پر کہنے لگ گئے کہ ان صوفیوں کا یہی طغرائے امتیاز ہے اور پہلے لوگ بھی ایسے ہی حال میں گزر گئے اور یہ نہ سمجھنا کہ یہ زمانہ فترت اور فتنہ کا ہے اور روز بروز بلائیں بڑھ رہی ہیں۔ غرض کہ جب بادشاہوں کی حرص بڑھ گئی تو اس نے انہیں ظلم و جور کی طرف مائل کر دیا اور زمانہ میں عوام کے اندر بدکاری وزنا اور فسق و فجور عام ہونے لگا۔ اسی طرح جب زُہد و ورع میں ریا پیدا ہو جاتا ہے تو وہ زاہد کو نفاق کی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے اور ہوا و حرصِ شیطانی صوفی کو رقص و سرور کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

اچھی طرح یاد رکھو! اگر چہ اہلِ طریقت تباہ ہو جائیں مگر اصول طریقت تباہ نہیں ہو سکتے اور اچھی طرح جان لو کہ اگر ایک جماعت افعالِ ہزل میں سے کچھ اختیار کر لے اور اس ہزل کو مجاہدہ و ریاضت یا جذبِ دل کے پردہ میں پوشیدہ کرنا چاہے تو اہل طریقت کے مجاہدات اس کی وجہ سے ہزل و لغو نہیں ہو سکتے (ان کے جذبات صادق، صادق ہی رہیں گے اور اہل ہزل کے ہزل ریاضت نما خالص ہزل ہی ہوں گے)۔

حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْاَخْلَا قُ الرَّضِيَّةُ.

''تصوف ایک خصلتِ پسندیدہ ہے۔''

اور خصائل پسندیدہ وہ ہوتے ہیں کہ بندہ تمام حالات میں اپنے ربّ کی رضاء میں راضی رہے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْحُرِيَّةُ وَالْفُتوَةُ وَتَرْكُ التَّكَلُّفِ وَالسَّخَاءُ وَبَذْلُ الدُّنيَا.

''تصوف ایک ایسی آزادی ہے کہ بندہ قیدِ حرص سے آزاد ہو جاتا ہے اور تصوف ایک ایسی جوانمردی ہے کہ بندہ خواہشاتِ شہوانیہ سے مجرد ہوتا ہے اور

Marfat.com

تصوف تکلفات کا ایسا ترک کردینا ہے کہ بندہ ہر متعلق اور مقسوم کے اندر خوش رہتا ہے اور تصوف ایک ایسی سخاوت کا نام ہے کہ دنیا اہل دنیا پر ہی چھوڑ دیتا ہے اور خود بے تعلق ہو جاتا ہے۔"

حضرت ابوالحسن بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ اَلْیَوْمَ اِسْمٌ بِلَا حَقِیْقَةٍ وَقَدْ کَانَ حَقِیْقَةً بِلَا اِسْمٍ.

"آج کے دن تصوف کا نام ہی نام رہ گیا اور حقیقتاً کچھ نہیں رہا۔ ایک دن وہ تھا کہ تصوف حقیقتاً خالص تصوف تھا اور نام ونمود نہ تھی۔"

یعنی عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ میں تصوف نام کا نہ تھا بلکہ حقیقتِ تصوف کا پرتَو ہر کس و ناکس میں تھا۔ اب وہ انحطاطی دَور آیا کہ تصوف نام تو باقی ہے مگر معنی حقیقی معدوم ہیں، یعنی اعمال تو صوفیوں کی نقل میں ہو رہے ہیں اور رسمی صوفی بہت مشہور ہیں مگر ان کے دعاویٔ تصوف میں بالکل مجہول ہیں۔ گویا اب صوفی ہونے کا دعویٰ تو مشہور و معروف ہے لیکن افعال و اعمال بالکل مجہول ہو گئے۔

یہاں تک مَیں نے اقوالِ مشائخ کرامؒ کی تحقیق نقل کی تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے سعادت عطا فرمائے اور تجھ پر طریق تصوف کا حال منکشف ہو جائے، اور منکرینِ تصوف کو بتا سکو کہ تصوف کے انکار سے ان کی کیا مراد ہے۔ اگر تنہا اسم تصوف کا انکار کرتے ہیں تو مضائقہ نہیں، اس لیے کہ معانی حقائق میں مسمیات سے بالکل بیگانہ ہیں اور اگر عین تصوف کے منکر ہیں تو یہ انکار تمام احکامِ شرعیہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے اور ان کے خصائل ستودہ کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تجھے وہ سعادت عطا فرمائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو سعید بنایا۔

اس کتاب میں ہم تمہیں ہدایت کرتے ہیں تاکہ تم حق تصوف کی رعایت رکھو اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور سچے صوفیوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھو۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ

Marfat.com

چوتھا باب

خرقہ پوشی

فصل:

صوفیائے کرام ؒ کا شعار کمبل پوشی ہے اور کمبل پوشی باتباع سنت ہے۔ جیسا کہ خود سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. (۱)

''اپنے پر کمبل پوشی لازم کرو، اپنے دلوں میں حلاوتِ ایمان پاؤ گے۔''

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک صحابی کا ارشاد ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُ الصُّوْفَ وَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ.

'' حضور ﷺ پشمینہ زیب تن فرماتے اور عربی گدھے کی سواری فرماتے تھے۔''

اور حضور سید یوم النشور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا:

لَا تُضَيِّعِي الثَّوْبَ حَتّٰى تَرْقَعِيْهِ. (۲)

''اے عائشہ کپڑا ضائع نہ کرنا جب تک اس پر پیوند نہ لگ جائیں۔''

۱۔ ابن عدی نے اسے ابو ہریرہ کے طریق سے ان الفاظ میں مرفوعاً روایت کیا ہے: من سره أن يجد حلاوة الايمان فليلبس الصوف اور خطیب نے ابو امامہ کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے: عليكم بلباس الصوف، تعرفون به في الآخرة. امام شوکانی نے ''الفوائد المجموعة'' (ص: ۱۹۲ کتاب اللباس) میں کہا ہے کہ اس کی کئی اسناد اور الفاظ ہیں جو صحیح نہیں اور ابن جوزی نے تین روایات ذکر کی ہیں۔

۲۔ یہ اس حدیث کا جز ہے جسے مخلد بن یزید نے سعید بن عبد العزیز کے طریق سے انہوں نے عروة بن رویم سے انہوں نے عروة سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يُزَوِّجَنِيْكَ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ: لَا تَجْمَعِيْ طَعَامًا لِشَهْرٍ وَلَا تُضَيِّعِيْ ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ.

اسے ابن جوزی ''العلل المتناهية'' ۲/۲۳۱ میں لائے ہیں اور دارقطنی نے ''العلل'' ۵/۲۷ میں نقل کیا ہے، امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' ۳/۶۸ میں، امام حاکم اور امام بیہقی نے اور امام ابونعیم نے أخبار اصفهان ۱/۸۹ میں صالح بن حسان سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے: (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔)

Marfat.com

ایسے ہی خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال تھا کہ آپ ایسا خرقہ زیب تن فرمایا کرتے جس پر تیس پیوند لگے ہوتے اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بہترین لباس وہ ہے جو کم قیمت میں حاصل ہو سکے۔

حضرت امیر المومنین مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا پیراہن مبارک ایسا ہوتا تھا کہ اس کی آستین انگلیوں تک ہوتی اور اگر کبھی اس سے لمبی آستینوں کا پیراہن زیب تن فرمایا تو جتنی لمبی اور زائد آستین ہوتی اسے آپ کاٹ ڈالتے تھے۔اور جناب سرور عالم ﷺ بفرمان الٰہی کپڑا متوسط زیب تن فرماتے تھے۔جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ "اَیْ فَقَصِّرْ"﴾(۱)

(یعنی اے محبوب! اپنے لباس مبارک کو درست رکھیو)

یعنی دراز اور لمبا ہو تو اسے کاٹ دو۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ بدر پشمینہ پوش کی زیارت کی ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو میں نے بحالتِ تجرید دیکھا کہ آپ نے پوشاک پشم زیب تن فرما رکھی تھی اور وہی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ کمبل اوڑھے ہوئے ہیں اور اس کمبل پر بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔

اور سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور ہرم ابن حبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ایسے لباسِ پشم میں ملبوس دیکھا جس پر بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔

اور حضرت حسن بصری اور مالک بن دینار اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ تمام کے تمام مرقعہ صوف زیب تن فرماتے تھے۔

اور حضرت امام ہمام سیدنا ابوحنیفہ النعمان کوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہ روایت تاریخ مشائخ مصنفہ محمد بن علی حکیم ترمذی میں موجود ہے،لکھا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اوّل

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

إِنْ أَرَدْتِ اللُّحُوقَ بِيْ فَيَكْفِيكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ ، وَ إِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ ، وَلَا تَسْتَخْلِقِيْ ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ.

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے جسے ہم سوائے صالح کے طریق کے نہیں جانتے، امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" ۲/۲۹۲ میں صالح کے ترجمہ میں اسے ذکر کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

۱۔ سورۃ المدثر:۴

Marfat.com

پوشاک پشمینہ زیب تن فرمایا کرتے تھے، بعد ازاں آپ نے گوشہ نشینی کا عزم فرمایا تو سرکار دو عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابو حنیفہ! گوشہ نشیں مت بنو بلکہ لوگوں میں تمہارا رہنا ضروری ہے، تمہارے سبب اللہ تعالیٰ میری سنت اور میرے طریقہ کو زندہ فرمائے گا۔ تو پھر آپ نے عزلت نشینی کے ارادہ کو فسخ فرما دیا اور آپ نے کبھی قیمتی جامہ زیب تن نہ فرمایا۔

حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اپنا لباس صوف کا رکھا اور آپ محققین طبقہ صوفیاء کرام سے تھے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ ایک روز حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ کی خدمت میں آئے تو آپ کے جسم مبارک پر پوشاک پشمینی تھی۔ حاضرین جلسہ نے آپ کو کچھ نظر حقارت سے دیکھا، سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ابراہیم ادہمؒ ہمارے سردار ہیں۔ اصحاب جلسہ نے یہ سن کر آپس میں کہا کہ امام ہمام کی زبانِ حق ترجمان سے کبھی سچ اور حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلی۔ ابراہیم ادہمؒ نے سیّد کا درجہ کیونکر پایا اور کہاں سے پایا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ رتبہ ابراہیم ادہمؒ نے اپنے رب کی یادِ دوامی کی برکت سے حاصل کیا اور وہ خدمتِ خداوندی میں مشغول رہا اور ہم اپنی تنہائی کی خدمت میں محو ہیں اس لیے وہ ہمارا سردار ہو گیا۔

اگر موجودہ زمانہ میں محض اہل زمانہ خرقہ پوش بن کر عوام میں عزت حاصل کرنا چاہیں اور درحقیقت ان کا دل اس لباس کے ساتھ موافق نہ ہو تب بھی روا ہے۔ اس لیے کہ لشکر میں مبارز طلب اور جنگ کا فاتح ایک ہی ہوتا ہے، اور اسی طرح ہر فرقہ میں محقق کم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ نسبت سب کی ایک ہی ہوتی ہے اور اس ایک کی طرف سب اپنے کو منتسب کرتے ہیں تو اگر احکام میں سے کسی ایک حکم میں بھی محققوں کا اتباع ہو گیا تو وہ انہی میں شمار ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (۱)

۱۔ اسے امام ابوداؤد نے اپنی "سنن" میں، امام طبرانی نے "المعجم الكبير" میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں بطریق ابی منیف الجرشی ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ امام عراقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، امام سیوطی اسے "الجامع الصغير" میں لائے ہیں۔ اور اسے حسن قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے۔ امام طبرانی نے اسے بطریق حذیفہ "المعجم الأوسط" میں ذکر کیا ہے۔ امام مناوی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان ہے جو ضعیف راوی ہے۔ جیسا کہ امام منذری نے کہا ہے۔

امام سخاوی نے "المقاصد الحسنة" میں اسکی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن اسکی شاھد روایات موجود ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقيم" میں اسکی سند کو "جید" کہا ہے، ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس سند کو "حسن" قرار دیا ہے۔ (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔)

Marfat.com

''جو شخص (رفتار و گفتار میں یا اعتقاد میں یا اعمال میں) کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی قوم میں شمار ہوگا۔''

لیکن بعض نظریں ان کے ظاہری عمل اور رسوم پر پڑتی ہیں اور بعض کی نگاہ ان کی صفاء باطن کی طرف جاتی ہے۔ غرضیکہ نظر بظاہر رکھنے والے اور نظر باطن کی طرف ڈالنے والے جو بھی ہیں، اگر ان کا قصد صورت متصوف بنانا یا صوفی بننے کا ہے، یہ چار حال سے باہر نہیں۔

(ا) یا تو باطن کی صفائی اور دل کی روشنی، مزاج کی پاکیزگی، خواہشات کا اعتدال، خصلتوں کا نیک کرنا، خاصانِ بارگاہ کے اسرار خاص کی جلوہ ریزیوں سے منور ہونا، محققین راہِ طریقت کا تقرب حاصل کرنا اور ان کی بلندیوں کا معائنہ مقصود ہے تاکہ ان کی برکت سے یہ بھی اس درجہ تک پہنچ سکے۔

(ب) یا ان کی نقل اس لیے کرے گا کہ ان کی طرح صفائی حاصل کرے، بدن ستھرا کرے، دل کو اطمینان پہنچائے اور پاکیزگی طبع کے بعد سینہ میں صفائی ان کی ظاہری اتباع سے حاصل ہو اور اتباعِ طریقت کرے اور آدابِ اسلامی پر نگاہ رکھنے میں آسانی ہو، ان کی ابتداء مجاہدہ اور حسن معاملہ سے ہوتی ہے۔

(ج) یا اس لیے کہ ان کی پیروی میں لگے گا تاکہ مروّتِ انسانی سے آپس میں بیٹھنے کے آداب درست کرے اور خصائل میں خوبی پیدا کرے اور ان کی زندگی کا ظاہر دیکھ کر اس کی نقل کرے، بڑوں سے عزت کے ساتھ ملے، چھوٹوں پر شفقت اور رحم کی عادت اختیار کرے، اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ خنداں پیشانی کا برتاؤ کرے، زیادہ حرص وحصول

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

امام ہیثمی ''مجمع الزوائد'' میں رقمطراز ہیں کہ: امام طبرانی نے ''المعجم الأوسط'' میں اسے روایت کیا ہے اس کی سند میں علی بن غراب ہے جس کو کسی ایک نے ثقہ کہا ہے اور ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں اور امام مناوی کہتے ہیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ طبرانی کی سند ابوداؤد کے طریق سے زیادہ امثل ہے۔

حوالہ کے لیے: مسند الامام أحمد ۲/۵۰، سنن أبي داؤد (باب: في لبس الصوف والشعر) (۴۰۳۱)، المقاصد الحسنة للسخاوی (۱۱۰۱) تمييز الطيب من الخبيث (۱۳۶۹)، كشف الخفا (۲۴۳۶) الدرر المنتثرة للسيوطي (۳۸۵)، الجامع الصغير للسيوطي (۸۵۹۳) فيض القدير للمناوي ۶/۱۰۴، الفوائد المجموعة للشوكاني (ص: ۲۵۴) مسند الشهاب للقضاعي ۱/۲۴۴، مشكل الآثار للطحاوي ۱/۸۸، تاريخ ابن عساكر ۱/۶۹، اقتضاء الصراط المستقيم (۳۹) تخريج أحاديث الاحياء للعراقي ۱/۳۴۱

Marfat.com

مال سے بے پروائی دکھائے، قناعت کا خوگر بن کر ان کی صحبت اختیار کرے اور محنت و مشقت کی بجائے حصول دنیا کے طریقے اپنے پر آسان بنائے، اپنے آپ کو نیکوں کی جماعت میں شمار کرائے۔

(د) یا بوجہ تن آسانی کے، اپنے میں رعونت اور نفس پرستی پیدا کر کے طلب حکومت و ریاست رکھے، بغیر منصب صدر نشینی کے صدر نشیں بننا چاہے، بغیر علم اہل علم میں اپنی شخصیت قائم کرنے کو صوفی بنے اور سمجھے ہوئے ہو کہ صوفی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

تمام خواص صوفی کا یہی خلاصہ اور مقصود ہے۔ اسی وجہ سے وہ صوفیوں کی طرح صلح اور نرمی کے ساتھ زندگی کے لیل و نہار گذارتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دلوں میں حقانیت قطعی نہیں ہوتی اور محض تنہا رہنے اور لوگوں میں دکھانے کو کم گو بننے کو طریقت بنا لیتے ہیں، حالانکہ اس طرح زندگی رائیگاں کرنے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا، ان کا صرف مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کی ایسی عزت کریں جیسی محقق صوفیاء کرام کی کی جاتی ہے اور ایسی عظمت ہونے لگے جیسی خاصانِ بارگاہ کی۔
وہ صحبت صوفیاء سے یہی فائدہ چاہتے ہیں کہ اپنی آفت حرص و ہوا کو ان کے معاملہ تجرید کے ظاہری پردہ میں مخفی کر کے ان کا سا جامہ پہن کر عوام میں کچھ مکر پھیلا سکیں اور درحقیقت یہ خرقہ بغیر کسی عمل اور بلا کسی حقیقت کے ہے وہ خود پکارتا اور اعلان کرتا ہے کہ یہ جامہ جامۂ مکر ہے، لباس تکبر و غرور ہے اور بروزِ قیامت موجب حسرت و ندامت ہوگا۔

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ (۱)

''ان لوگوں کی مثال جو تورات کو اٹھائے ہوتے ہیں اور درحقیقت اسے نہیں اٹھائے ہوئے مثل اس گدھے کی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے، بُری مثال ہے اس قوم کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ، ظالم بے دین کو راہ نہیں دیتا۔''

اس زمانہ میں ایسے گروہ بہت ہیں لہٰذا تم پر لازم ہے کہ جو کام تم سے نہ ہو سکے اس کا ارادہ نہ کرو اس لیے کہ اگر تم ہزار بار طریقت کے قبول کا اعلان کرو تو صوفی نہیں ہو سکتے نہ ہو سکو گے اور ایک لحظہ کے لیے طریقت تمہیں قبول نہ کرے گی۔ کیونکہ طریقت خرقہ پوشی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ

۱۔ سورۃ الجمعۃ: ۵

Marfat.com

حرقت سے حاصل ہوتی ہے یعنی آتشِ عشق میں جلنے کا نام طریقت ہے۔

جس کو طریقت سے آشنائی حاصل ہو گئی اس کے لیے قباء و عبا موزوں ہے اور جس نے بلا آشنائی طریقت خرقہ پوشی کی اور مرقعہ صوف پہنا تو وہ مرقعہ اس کے حق میں رقعۂ ادبار و ناشر شقاوت یوم النشور ہو جائے گا۔ جیسا کہ ایک پیر مرد کے حال میں ہے کہ ان سے لوگوں نے پوچھا:

لِمَ لَا تَلْبَسُ الْمُرَقَّعَةَ؟ قَالَ مِنَ النِّفَاقِ اَنْ تَلْبَسَ لِبَاسَ الْفِتْيَانِ وَلَا تَدْخُلُ فِيْ حَمْلِ اَثْقَالِ الْفُتُوَّةِ.

''آپ مرقعہ یعنی خرقہ کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا اگر جوان مرد نہ ہو اور جوانوں کا لباس پہنے، تو یہ منافقت ہے، اس لیے کہ ان کے معاملات کا بوجھ تو اٹھا نہ سکے اور جوانمرد بنا پھرے''۔

کیونکہ جوانمردوں کے لباس کو ملبوس کر کے جوانمردوں کے بوجھ سے بچنا خالص نفاق ہے۔ تو اگر یہ لباس اس لیے ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنے خاصوں میں سمجھ لے تو وہ بلا لباس بھی جانتا ہے اور اگر اس لیے کہ لوگ اس خرقہ میں دیکھ کر خاصۂ خاصان سمجھنے لگیں تو یہ ریا محض ہے یا نفاق خالص۔ یہ راستہ بہت مشکل اور خطرناک ہے۔ یاد رکھو! خدا کے خاصوں کی شہرت جامہ اور خرقہ پر موقوف نہیں، ان کا درجہ اس سے بالاتر ہے۔

اَلصَّفَا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنْعَامٌ وَّ اِکْرَامٌ وَالصُّوْفُ لِبَاسُ الْاَنْعَامِ.

''صفا صوفی من جانب اللہ انعام و کرام الٰہی ہے اور صوف لباسِ حیوانی ہے۔''

تو خرقۂ صوفی ایک حیلہ ہے۔ بعض لوگ تو یہ حیلہ بغرض تقرب کرتے ہیں اور جو کچھ اس خرقہ پوش پر لازم ہوتا ہے اسے پورا کرتے ہیں اور اپنے ظاہر کو خرقہ سے آراستہ کرتے ہیں، اس امید پر کہ شاید اس لباس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے حضور ہم بھی صوفیوں میں شمار ہو جائیں اور مشائخ تصوف نے خرقہ پوشی کرنا اور اس سے زینت حاصل کرنے کا اسی لیے حکم فرمایا اور خود بھی پہنا تا کہ وہ عوام میں ممتاز ہو جائے اور عوام اس کے ہر قدم کی نگرانی میں لگے رہیں، اور وہ اگر کبھی اپنے طریقہ کے خلاف قدم رکھے تو عوام اسے ملامت کریں تو اگر کبھی بہ شامتِ اعمال کوئی گناہ کا ارتکاب بھی کرنا چاہیں تو اس خرقہ کی وجہ سے لوگوں سے شرما کر رُک جائیں۔

مختصر یہ کہ کمبل پوشی محبوبوں کی ایسی زینت ہے کہ عام لوگ اس سے لوگوں میں ممتاز اور باعزت ہو جاتے ہیں اور خواص اس میں ذلیل۔ عوام کی عزت تو اس خرقہ پوشی میں یہ ہے کہ دنیا

Marfat.com

والے انہیں عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور خواص کی ذلت یہ ہے کہ انہیں عوام اسی قسم کے لباس میں دیکھ کر اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے عوام نے ان خرقہ پوشوں کو دیکھا تھا اور یہ ان کے لیے ذلت محض ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا:

اَلْمُرَقَّعَةُ لِبَاسُ النِّعَمِ لِلْعَوَامِ وَجَوْشَنُ الْبَلَاءِ لِلْخَوَّاصِ .

''مرقعہ پوشی عوام کے لیے نعمت ہے اور خواص کے لیے مصیبت کی زرہ۔''

اس لیے کہ عوام میں بہت سے لوگ وہ ہیں جو کسی ایسے کام کو تو جانتے نہیں، جس سے عزتِ دنیا حاصل کریں اور انہیں مال و دولت جمع کرنے کی سخت حرص ہوتی ہے تو وہ اس کی تلاش میں ہوتے ہیں کہ کوئی ایسا حیلہ تراشا جائے، جس سے عزت و مالِ دنیا ہاتھ آئے، تو جب انہیں یہ صوفی جامہ مل جاتا ہے تو اس کو حصولِ جاہ و مال اور عزتِ دنیا کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور خواص صوفیاء اس قسم کی عزت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ایسے موقع پر عزت کے مقابلہ میں ذلت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے جس قوم کے لیے وہ عزت ہے، ان کی ایسی عزت بلا ہے:

اَلْمُرَقَّعَةُ قَمِيْصُ الْوَفَاءِ لِأَهْلِ الصَّفَاءِ وَسِرْبَالُ السُّرُوْرِ لِأَهْلِ الْغُرُوْرِ.

''مرقعہ پیراہنِ وفا ہے اصحابِ صفا کے لیے اور یہ لباسِ سُرور ہے اہلِ غرور کے لیے''۔

چنانچہ اربابِ صفا تو اس کے پہننے سے دونوں جہاں کے قصہ اور تعلق سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور مالوفات و مرغوب طبع اشیاء سے بے نیازی حاصل کر لیتے ہیں اور ارباب سرور و غرور اس خرقہ پوشی کے ساتھ ذاتِ الٰہی کے انوار سے محجوب ہو کر ہر قسم کی صلاحیت اور نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

غرضیکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ لباس صوفی اگرچہ سب کے لیے اس کے حصول مقصد اور رستگاری کا سبب ہے اور سب کے لیے ان کی مراد پوری کراتا ہے۔ مگر ایک کے لیے عطاءِ الٰہی ہے اور دوسرے کے لیے حجابِ نامتناہی۔ غرض کہ ایک پر عطا اور دوسرے پر غطا اس کے ذریعہ حاصل ہے۔ ایک اس ہی خرقہ کے ذریعہ دنیا سے آزادی پاتا ہے دوسرا اسی کے ذریعہ صحبت و محبت سے آزاد ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مَعَهُمْ. (۱)

۱۔ امام سخاوی اسے ''المقاصد الحسنة'' (ص: ۳۹۵، حدیث ۱۰۵۱) میں ان الفاظ کے ساتھ لائے ہیں: من احب قوماً حشر معهم، امام حاکم نے ''المستدرک'' میں ''باب المغازی'' سے پہلے انہی الفاظ کے ساتھ بغیر سند ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی شاهد یہ روایت ہے: المرء مع من احب. جبکہ امام طبرانی اور ضیاء المقدسی نے بطریق اَبی قرصافہ ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: من احبّ قوماً حشره الله في زمرتهم

Marfat.com

"جس نے جس قوم کو محبوب رکھا وہ بروزِ قیامت اسی کے ساتھ محشور ہو گا اور اسی کے زمرہ میں رہے گا۔" لیکن لازم یہ ہے کہ انسان اپنا باطن درست کرے اور تحقیق کی طلب رکھے اور رسوم ظاہر یہ سے اعراض کرے اس لیے کہ جو ظاہری چیزوں پر کفایت کرے گا وہ ہرگز تحقیق کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اور یاد رکھو! وجودِ آدمی سراپا حجاب ربوبیت ہے اور یہ حجاب اس وقت تک فنا نہیں ہوتا جب تک کہ حال اور کیفیت کے بدلنے میں سعی نہ کی جائے۔ اور کیفیتِ صفا اسی فنا کا نام ہے جس میں زیبائش ظاہری اور علل واسباب کا کوئی تعلق نہ ہو، تو فانی الصفت کے لیے علل واسباب کا لباس اختیار کرنا محال ہے۔ اور تکلف دنیاوی سے اپنے کو آراستہ کرنا اور آرائش ظاہری سے مزین کرنا ممکن نہیں۔

تو جب فنا کی صورت پیدا ہو گئی اور آفت طبعی درمیان سے اٹھ گئی تو اسے کسی نام کے ساتھ مسمّٰی ہونے کی حاجت نہیں رہتی۔ خواہ اسے صوفی کہیں یا اسے کسی اور نام سے پکاریں۔ اس کے لیے سب برابر ہیں۔

فصل:

خرقہ پوشی کی شرطیں یہ ہیں:

اوّل یہ کہ خرقہ اس لیے بنائے کہ بار ملبوسات سے ہلکا ہو جائے اور انواع واقسام کے لباسوں سے فراغت حاصل کرے اور کمبلی جب تک رہے اس پر پیوند مسلسل چسپاں کرتا رہے، جہاں سے وہ پھٹے فوراً پیوند لگا دے۔

مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہم کے اس میں دو قول ہیں: ایک جماعت کہتی ہے کہ پیوند لگانے میں ترتیب شرط نہیں، جہاں سوئی ڈالے وہاں ہی سے نکال لے، موزونیت کا تکلف نہ کرے اور ایک جماعت فرماتی ہے کہ پیوند لگانے میں موزونیت اور ترتیب کا لحاظ ضرور رکھا جائے بلکہ وہ پیوند بتکلف اس طرح چسپاں کیا جائے کہ دیکھنے والا اس کی موزونیت میں تکلف محسوس کرے اس لیے کہ معاملاتِ فقر اور صحتِ معاملت کا مقتضی یہی ہے کہ اس کا کوئی فعل ناموزوں نہ ہو، اور مَیں نے (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابیؒ) نے حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے مقامِ طوس میں سوال کیا کہ درویش کو کم از کم کیا چیز لازمی ہے جس سے اس کے ساتھ نامِ فقر موزوں ہو سکے؟ فرمایا: تین چیزیں ضروری ہیں اور اس سے کم ہرگز نہ ہوں۔

اوّل: یہ کہ وہ اپنی کمبلی پر جب پیوند لگائے تو یہ سمجھے کہ پیوند کس طرح موزوں رہے گا اور اسے کس طرح کمبلی پر چسپاں کیا جائے۔

Marfat.com

دوسرے: یہ کہ (دل کی آواز اور عوام کی بات) اچھی طرح سن سکے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت رکھے۔

تیسرے: یہ کہ فقیر کا کوئی قدم زمین پر بیکار و غیر موزوں نہ پڑے (یعنی ہر قدم ذکر الٰہی کے ساتھ اٹھے اور آگے بڑھے)۔

جس وقت میری گفتگو حضرت شیخ المشائخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہو رہی تھی تو اس وقت ایک جماعت درویشوں کی ہمارے ساتھ وہاں حاضر تھی۔ جب ہم بارگاہ شیخ" سے باہر آئے تو ہر ایک کلامِ شیخ میں تصرف کرنے لگ گیا۔ ایک گروہ تو بوجہ نادانی اس کے اندر اس قدر اختلاف کر بیٹھا کہ اس نے کہہ دیا کہ بس فقر یہی ہے۔ ایک کہنے لگا کہ فقر کا معنی ہی یہ ہے کہ بہت سے ٹکڑے جمع کر کے خوبصورت طریقہ سے سیئے اور زمین پر اچھی طرح پاؤں رکھ کر چلے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے گمان میں دعویدار تھا کہ ہم طریقت کے معنوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ میرے دل کا رجحان اس ہستی پاک شیخ گرگانی" کی طرف تھا۔ میں نے یہ بات ناپسند کی کہ اتنی بڑی ہستی کا فرمان اور اس طرح اختلافات میں مخلوط ہو کر رائیگاں ہو جائے۔ مَیں نے سب سے کہا: آؤ ہم سب کلامِ شیخ " پر بحث کریں۔

چنانچہ سب نے میرے سامنے اپنی تقریر کی اور اپنا مافی الضمیر ظاہر کیا۔

جب میری باری آئی تو مَیں نے کہا پیوند وہی ٹھیک ہے جو فقر پر چسپاں کیا جائے نہ کہ وہ پیوند جو تن پر چسپاں ہو۔ جب تم پیوند فقر پر لگاؤ گے تو وہ اگر ٹھیک نہ بھی سیا گیا تب بھی ٹھیک رہے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ پیوند سے مراد صوفی کا وہ حال ہے جو بحالتِ کیف و تواجد اس پر طاری ہو، اور سننا وہ ہے جو کیفِ حالیہ میں اسے مسموع ہو نہ کہ ناز و نعم دنیا میں رہ کر۔ اس معنی میں اگر وجد کے حق سے تصرف کریں صحیح ہے اور اگر ہزل و لغو سے کریں غلط ہے۔ سمجھنا یہ ہے کہ آوازِ روح سنے نہ کہ آوازِ عقل۔

پاؤں ٹھیک رکھنا یہ ہے کہ حالتِ تواجد میں جو قدم اٹھے وہ صحیح ہو نہ کہ کھیل اور رسم کے ساتھ۔ بعض لوگوں نے میرا یہ بیان حضرت شیخ المشائخ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور پیش کر دیا۔ آپ" نے سن کر فرمایا: اَصَابَ عَلِیٌّ حَیَّرَهُ اللّٰهُ ۔ "یعنی علی بن عثمان نے سچ کہا وہ میرے کلام کے مفہوم کو پہنچ گیا اللہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے۔" تو مرقعہ پوش سے مراد گروہ صوفیاء کی صرف یہ ہے کہ زیب و زینتِ دنیاوی کے غم سے نجات پائیں اور اپنے فقر میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ سچا رابطہ رکھیں۔

اور آثارِ سلف میں مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام خرقہ پوشی

Marfat.com

فرماتے تھے اوراس خرقہ کے ساتھ آپ آسمان پر گئے اور کسی بزرگ کا قول ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرقعہ خواب میں دیکھا وہ پشمینہ کا تھا اور اس پر جو پیوند تھے، ان سے ایک نور چمکتا تھا۔فرماتے ہیں کہ مَیں نے عرض کیا اے مسیح علیہ السلام! آپ کے اس خرقہ پر یہ نور کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ نور میرے اس صبر کا ہے جو میں نے بحالتِ اضطراب و اضطرار صبر کے ساتھ اپنی ضرورت کے وقت اس خرقہ پر پیوند لگا کر شکر کیا۔اللہ تعالیٰ نے میرے ہر رنج کے بدلہ میں ایک ایک نور عطا فرمایا۔

ایک بزرگِ کامل سلسلۂ ملامتیہ کو ماوراءلنہر میں دیکھا جن کا یہ حال تھا کہ وہ مرغوب اشیاء جسے انسان شوق سے کھاتا ہے، بالکل استعمال نہ فرماتے بلکہ گلا سڑا کدو، کڑوی ککڑی، سڑی ہوئی گاجراور لباس گری پڑی لیریں جمع کر کے انہیں دھوکر پاک کر کے سیتے اور ملبوس فرماتے۔

مروُ الرّود (ترکستان میں ایک شہر ہے) وہاں متاخرین میں سے ایک صاحبِ حال ضعیف العمر نیک سیرت بزرگ تھے، جن کے لباس پر بے حد ٹکڑے پیوندوں کے سلے ہوئے تھے، ان کی مسند اور کلاہ کا یہ حال تھا کہ پرانے پیوندوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے اندر بچھوؤں نے اپنے بچے دے رکھے تھے اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ نے ایک خرقہ چھپن سال تک زیب تن فرمایا۔ جہاں سے پھٹتا بے ترتیبی کے ساتھ اس پر پیوند چپکاتے رہے۔

ایک حکایت میں عراقی درویشوں کا حال پڑھتے ہوئے دو درویشوں کا حال پایا۔ایک صاحبِ مشاہدہ تھے اور دوسرے صاحبِ مجاہدہ۔ جو صاحبِ مشاہدہ تھے انہوں نے اپنی تمام عمر میں سوا اس کپڑے کے جو اہالیانِ سماع کے وجد میں پھٹ کر گرا، کوئی کپڑا نہ پہنا (یعنی اربابِ وجد کے پھٹے ہوئے کپڑوں سے اپنا خرقہ بناتے اور وہی زیب تن فرماتے) اور دوسرے جو صاحبِ مجاہدہ تھے وہ ان لوگوں کے دریدہ کپڑے جمع کر کے پہنتے تھے اور بارگاہِ الٰہی میں استغفار کرتے رہتے تھے۔ اس لیے کہ ان کا ظاہر، باطن کے موافق ہوتا تھا اور یہ اپنے حال کی نگہداشت اور احتیاط تھی۔حضرت شیخ محمد بن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال سخت ٹاٹ پہنا اور ہر سال میں نے چار چلّے کیے اور ہر چلّہ میں علومِ حقیقت کے حقائق وغوامض پر ایک کتاب تالیف کی۔

ان کے ہی زمانہ میں ایک بزرگ تھے، جو علماء محققین طریقت سے شمار ہوتے تھے اور وہ علاقہ فارس میں رہتے تھے انہیں ''محمد بن زکریا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ انہوں نے کبھی خرقہ زیب تن نہ فرمایا۔حضرت شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت خرقہ کی کیا شرط ہے اور کس کے لیے خرقہ پوشی روا ہے؟ فرمایا: خرقہ پوشی کی شرط وہی ہے جو محمد بن زکریا اپنی سفید پیراہن میں

Marfat.com

پوری کر رہے ہیں اور خرقہ پہننا بھی انہیں کو زیبا ہے۔

فصل:

لیکن اب جو اکثر مشائخ کرامؒ نے خرقہ پوشی ترک کر دی، یہ شرائطِ طریقت میں سے کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ اس زمانہ میں جو ترکِ خرقہ پوشی کیا گیا اس کی دو وجہ ہیں:

ایک تو یہ کہ پشم مشکوک ہو گئی۔ اس وجہ میں کہ چار پائے لوٹ مار چوری چکاری میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ پھر یہ پتہ صحیح نہیں چلتا کہ جو پشم آئی وہ چوروں میں سے آئی یا کسی غارتگر سے خریدی گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نوخیز بدعت پرست لوگوں نے پشمینہ کے جامہ کو اپنا شعار بنا لیا۔ بدعتیوں کے کسی شعار کا خلاف کرنا گو سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اچھا ہے۔

اور اونی لباس بنوانے میں جو مخصوص طریقہ تکلف اختیار کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عوام میں اپنی منزلت اور جاہِ عزت چاہتے ہیں اور جو جماعت صوفیوں کی صورت بنا کر خرقہ پوشی کر رہی ہے، وہ صرف عوام میں صوفی بننے کے لیے اور محض دنیا حاصل کرنے کی غرض سے خرقہ پوش بن رہی ہے۔ حالانکہ ان سے بہت سے ناروا افعال ظاہر ہوتے ہیں اور صوفیاء کرام ؒ کو ایسے لوگوں سے بہت رنج پہنچتا ہے، اور انہوں نے اس خرقہ کو موجب زیب و زینت بنا لیا ہے اور اس کی ایسی مخصوص طرز نکالی ہے کہ ان کے سوا اور کوئی ویسا خرقہ سینا بھی نہیں جانتا۔ اس مخصوص لباس میں یہ (مکار فرقہ رہتا ہے) اور آپس میں پہچان کے لیے اس مخصوص لباس کو علامت بنا لیا ہے، یہاں تک کہ ایک بناوٹی درویش کسی درویش کے پاس گیا، اس کے خرقہ پر بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے اور بناوٹی فقیر بنا ہوا تھا، شیخ نے اسے اپنے سے جدا کر دیا۔ اس عمل سے یہ مطلب واضح ہوا کہ صفائی کی اصل طبیعت کی رقت اور مزاج کی لطافت ہے اور یہ امر واضح ہے صاف دل اور نیک طبع میں کجی اور ناہمواری نہیں ہو سکتی۔

جس طرح ناموزوں شعر طبیعت پسند نہیں کرتی ایسے ہی نادرست فعل کو بھی طبیعت قبول نہیں کرتی۔ ایک جماعت نے لباس ہونے نہ ہونے میں تکلف نہیں کیا۔ اگر خدا نے عباء و قباء عطا فرمائی وہ پہن لی اور اگر پھٹا پرانا پیراہن دیا، وہ قبول کر لیا۔

اور مَیں (علی بن عثمان الجلابی) اس طریقہ کو پسند کرتا ہوں اور اپنا لباس ایسا ہی رکھتا ہوں۔ حکایتوں میں منقول ہے جب حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو حاضر ہوئے تو قبا زیب تن تھی اور جب شاہ شجاع ؒ، حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کی

Marfat.com

زیارت کو آئے تو دیکھا کہ حضرت ابوحفص" قبا زیب تن فرمائے ہوئے ہیں حالانکہ حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دوامی لباس نہ تھا بلکہ ہمیشہ اکثر و بیشتر آپ خرقہ ہی پہنا کرتے تھے اور کبھی کبھی سفید پیراہن ،گاہے بگاہے جامہ پشم زیب تن فرماتے۔ غرضیکہ جیسا لباس میسر آتا، آپ وہی لباس ملبوس فرماتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ نفس بہت جلدی عادت قبول کرنے والا ہے اور عادتوں سے بہت ہی جلدی الفت ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ عادت طبعیتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور جو چیز طبعیتِ ثانیہ بن گئی، وہی حجاب ہو جاتی ہے۔

یہی سبب ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ الصِّيَامِ صَوْمُ اَخِيْ دَاوٗدَ.

"نفلی روزوں میں بہترین روزے صومِ داؤدی ہیں۔"

عرض کیا: حضور ﷺ! صوم داؤد کیسے تھے؟ فرمایا: ایک دن صائم رہتے اور ایک دن افطار فرماتے تاکہ روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا نفس عادی نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ عادتِ نفسانی کی وجہ سے انسان محجوب ہو جاتا ہے اور اس مفہوم میں حضرت ابو حامد دوستان مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا رویّہ نہایت درست تھا کہ مرید آپ کو جو لباس چاہتے پہنا لیتے اور جس کسی مرید کو کپڑے کی حاجت ہوتی تو بحالتِ وجدان و کیف آپ سے وہ لباس اُتار لیتے۔ حضرت ابو حامد رحمۃ اللہ نہ پہنانے والے کو کچھ فرماتے نہ اتارنے والے کو کچھ کہتے۔ اور ہمارے اس زمانہ میں بھی ایک بزرگ غزنی میں ہیں ان کا لقب "مؤید" ہے، اللہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے، انہیں بھی ملبوسات میں کچھ اختیار و تمیز نہیں ہے۔ (گویا وہ عالمِ امکان سے اس قدر تجرید حاصل فرما چکے ہیں کہ لباس تک سے اجنبی ہیں) یہ مرتبۂ تقرب بہت صحیح ہے۔

اور جو لوگ مشائخ کرامؒ میں سے اپنا لباس اکثر نیلا رکھتے ہیں اور اس کی چند وجہ ہیں:

ایک تو یہ کہ وہ سیاح ہوتے ہیں اور بحالتِ سفر سفید کپڑے میلے ہو جاتے ہیں اور انہیں سفر میں صاف کرنے اور دھونے کا موقعہ بدشوار ملتا ہے۔

دوسرے یہ کہ سفید لباس کی خواہش ہر ایک کو ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ عوام کی محبوب ترین چیز سے مجتنب ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نیلگوں رنگ ملبوس کرنا اصحابِ غم اور اربابِ محنت کا کام سمجھا جاتا ہے اور چونکہ دنیا صوفی کے لیے دارِ محنت و مصائب ہے اور اس کا تمام کام مجبوری اندوہ کے

Marfat.com

ساتھ وابستہ ہے تو اربابِ ارادت نے اس دنیا میں لباسِ غم اختیار کر لیا۔

اور ایک جماعت نے اس دنیا میں سوائے غم و اندوہ کچھ نہ پایا اور اس کا ہر معاملہ نقصان و خذلان کا پیش خیمہ دیکھا تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ یہاں سوائے اضاعت وفنا کچھ حاصل نہیں تو اس غم میں لباس کبود پہن کر غمگین بیٹھ گئے اور سمجھ گئے کہ فوت ہونا موت سے اشدتر ین ہے۔ گویا ایک جماعت تو کسی عزیز کی موت پر سیاہ پوش ہوتی ہے۔ دوسری جماعت مقصود کے فوت ہونے پر سیاہ پوش ہوگئی۔

ایک بے علم مدعی فقیر نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرتؒ! آپ نے سیاہ پوشی کیوں اختیار فرمائی ہے؟ آپ نے جواب دیا: حضور ﷺ نے تین چیزیں چھوڑیں تھیں: فقر، علم، شمشیر۔ شمشیر تو سلاطین نے لے لی مگر اس کے محل پر اسے استعمال نہ کیا۔ علم علماء نے اختیار کیا مگر اسے پڑھنے پڑھانے تک ختم کر دیا۔ فقر، فقراء نے اختیار کر لیا مگر اسے آلہ غناء وحصول مال بنالیا۔ مَیں نے ان تینوں کے غم میں سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ بغداد کے ایک محلّہ میں سے گزرے۔ راستہ میں پیاس لگی۔ آپؒ نے ایک دروازہ پر آکر پانی طلب کیا۔ ایک لڑکی اندر سے آئی اور کوزۂ آب ہمراہ لائی، آپ نے اس سے پانی لے کر پی لیا۔ آپ کی نظر پانی لانے والی کے چہرے پر پڑی۔ آپ کا دل اس کے جمال پر فریفتہ ہوگیا۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے: کُلِّیْ بِکُلِّکَ مَشْغُوْلٌ (میرا کل تیرے کل پر فدا ہے)۔ آپ وہیں بیٹھ گئے حتیٰ کہ صاحبِ خانہ آیا۔ آپ نے فرمایا میاں! میرا دل ایک گلاس پانی میں مقید ہوگیا، مجھے تیرے گھر والوں نے ایک گلاس پانی دے کر میرا دل لے لیا۔ صاحب خانہ نے عرض کی کہ حضور! وہ میری لڑکی ہے، میں اسے آپ کے عقد میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت مرتعشؒ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور عقد فرمالیا۔ یہ صاحب خانہ بغداد کے متمول گھرانے میں سے تھا۔ اس نے حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کو گرمابہ یعنی حمام میں بھیج کر پوشاکِ مکلّف سے آراستہ کیا اور وہ خرقۂ فقر اتار ڈالا جو آپ کے زیب تن تھا۔

جب رات ہوئی تو حضرت مرتعشؒ نماز میں مشغول ہو گئے اور خیال فرمایا کہ اپنے روزانہ کے اوراد سے فارغ ہو کر پھر دلہن کی طرف ملتفت ہوں گا کہ یک لخت آپ نے باآواز بلند فرمایا: هَاتُوْا مُرَقَّعَتِیْ. ''ہمارا خرقہ جلدی لاؤ۔'' سب نے متعجب ہو کر عرض کیا کہ حضور! کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: مجھے خلوتِ راز سے ابھی آواز آئی کہ مرتعش! جو پہلی نظر تو نے ہمارے سوا غیر پر ڈالی تھی، اس کی سزا میں ہم نے تجھ سے لباسِ محبوبیت اتار لیا ہے، اب اگر دوسری نظر ڈالی تو ہم لباسِ آشنائی

Marfat.com

بھی سلب کرلیں گے۔

گویا وہ لباس جس کے پہننے سے رضاءِ الٰہی مقصود ہو اور محبوبِ الٰہی کے تتبع میں اسے پہننا ہو تو اپنے ربّ سے علاقہ رکھنے کے لیے ہمیشہ اس پر راضی رہنا ضروری ہے اور یہ استقامت نہایت مبارک و مسعود ہے ورنہ اپنے دین کی محافظت کافی ہے۔اس سے آگے بڑھ کر لباسِ اولیاء میں جانا درحقیقت خیانتِ مجرمانہ ہے۔اس لیے کہ بلا کسی دعویٰ محبت کے محض مسلمان ہونا اور اسلام پر رہنا اس سے بہتر ہے کہ جھوٹا مدعی عشق و محبت بنے تو خرقہ پوشی صرف دو قسم کے لوگوں کے لیے موزوں و مناسب ہے:

ایک تارک الدنیا جماعت کے لیے۔دوسرے مشتاقانِ جمالِ الٰہی کے لیے۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام رحمہم اللہ کا طریقہ ہے کہ جب کوئی مرید ترکِ تعلق ماسویٰ اللہ کر کے اُن کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دو سے تین سال تک تین معنی کے سمجھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔اگر وہ ان تین سال میں اس تعلیم پر ثابت قدم ہو تو فبہا، ورنہ اسے کہہ دیتے ہیں کہ طریقت اسے قبول نہیں کرتی۔۔۔ پہلے سال خدمتِ خلق کراتے ہیں۔دوسرے سال اطاعتِ حق (یعنی تورع و تقویٰ بدرجۂ غایت)۔تیسرے سال میں دل کی (مراعات و) نگہداشت ہوتی ہے (یعنی خواہشات و لذاتِ نفسانیہ پر قبضہ کرنا)۔

یہ امر ظاہر ہے کہ انسان خدمتِ خلق جب ہی کرسکتا ہے جب کہ وہ اپنے کو خادم کی جگہ سمجھ کر خلقِ خدا کو اپنا مخدوم سمجھ لے۔گویا بلاتمیز خورد و کلاں سب کو اپنے سے بہتر جانے اور سب کی خدمت اپنے اُوپر واجب سمجھے۔نہ یہ کہ خدمت تو کرے مگر اس خدمت کرنے میں اپنے آپ کو مخدوموں میں فضیلت دے۔ایسے تخیل سے خدمت کرنا اپنے لیے نقصان میں ڈالنا اور بے نصیب ہونا ہے اور یہ زمانہ کی بلاؤں میں سے ایک بلا ہے۔

اور خدمت و اطاعتِ حق عزّ و جل اس وقت کرسکتا ہے جب اپنی تمام خطوطِ نفسانیہ کو دنیا و عقبیٰ سے منقطع کرلے اور خالصًا مخلصًا لوجہِ اللہ اس کی پرستاری کرے اور اسی کے لیے وہ عبادت ہو اور اگر کسی چیز کے لالچ میں عبادت کرتا ہے خواہ وہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، تو وہ پرستش اپنی پرستش ہے، نہ کہ خدائے قدس کی۔اور دل کی مراعات و نگہداشت اس وقت ہوسکتی ہے کہ اس کی ہمت یکسو ہو اور ہر قسم کے غم سے اس کا دل پاک ہو اور بارگاہِ الفت میں مواقع غفلت سے دل کی نگہداشت کرے۔

جب مریدان ہر سہ شرائط میں مکمل اترتا ہے تو اسے خرقہ پوشی کرنا مرتبہ تحقیق کے ساتھ موزوں ہوتا ہے اور یہ خرقہ پوشی رسمی اور کورانہ تقلید میں نہیں ہوتی۔

Marfat.com

مگر پھر بھی مرقع پہننے والوں کو چاہیے کہ وہ مستقیم الحال ہو۔ تمام نشیب وفراز طریقت سے گزر چکا ہو اور چاشنی حال چشیدہ ہو اور طرق اعمال سے پورا واقف ہو، قہر جلالِ محبوبی اور لطفِ جمالِ جمیلی دیکھے ہوئے ہو۔

اور پیر کامل اس درجہ کامل ہو کہ احوالِ مرید سے پورا پورا واقف ہو کہ وہ درجۂ کمال میں کس حد تک پہنچ سکے اور اس مقام پر پہنچ کر اس کا واپس نزول ہوگا یا ٹھہر جانے والوں میں سے نکلے گا (یعنی درجۂ قبض میں رہ جائے گا یا اس کا بسط بعد القبض ہوگا۔) اگر خرقہ پوشی کرنے والا پیر کامل دیکھ لے کہ یہ ایک نہ ایک دن اس کیفِ طریقت سے واپس لوٹ جائے گا تو اسے کہہ دے کہ تو اس راہ کی راہ نوردی نہ کر اور اگر جانے کہ اس مقام پر ٹھہر سکے تو اس سے معاملۂ طریقت شروع کرے اور اگر جانے کہ منتہی کو پہنچ جائے گا تو اس کی پرورش کرے اور نگاہ رکھے۔

اور اس قسم کے جو مشائخ ہیں وہ درحقیقت طبیب قلب ہیں، یعنی مرشدِ کامل مرید کے حق میں طبیبِ قلب کی حیثیت رکھتا ہے اور جو طبیب مریض کی بیماری سے جاہل اور بے خبر ہو تو ایسا طبیب اپنی تجویز سے مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جب معالج مریض کی نگرانی میں جاہل ہوگا تو خطراتِ مرض کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ پھر ایسا معالج مریض کی غذا اور شربت اور دوا تمام مرض کے خلاف ہی تیار کرے گا۔

حضرت سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ.'' (۱)

۱۔ ابن حبان نے اسے ''کتاب الضعفاء'' میں، خلیلی نے ''مشیخة'' میں، ابن نجار نے اپنی ''تاریخ'' میں ذکر کیا ہے اور ان تمام نے اُحمد بن یعقوب قرشی جرجانی اُموی کے طریق سے، انہوں اپنے باپ سے، انہوں نے رافع سے، انہوں نے ابورافع سے روایت کیا ہے۔

ابن حبان نے اسے عبداللہ بن عمر بن خاتم افریقی کے حالات میں ذکر کیا ہے اور اس نے مالک سے، اس نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے، کہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ امام شوکانی ''الفوائد المجموعة'' میں اور امام زرکشی ''التذکرة'' میں کہتے ہیں کہ یہ الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ کسی اہلِ علم کی کہی ہوئی بات ہے اور بعض حضرات نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: الشیخ فی جماعته کالنبی فی قومه، یتعلمون من علمه ویتأدبون من أدبه۔

امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں محمد بن عبدالمالک القناطری کے تعارف میں اسے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے، اس نے رافع سے باطل حدیث روایت کی ہے: الشیخ فی أهله کالنبی فی أمته۔

اُسے قناطری اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قناطیر یعنی انبار جھوٹ بولتا تھا۔ (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔)

Marfat.com

"شیخ پیر کامل اپنی قوم اور مریدوں میں ایسے ہیں جیسے نبی اپنی امت میں"۔

تو جیسے انبیاء اکرام علیہم السلام نے عوام کو دعوتِ توحید دے کر بصیرتِ حقہ بخشی اور ہر ایک قبول کرنے والے کو اس کے درجۂ ایمان کے مطابق درجۂ تقرب بخشا اور جس میں جیسی بیماری جہل کی تھی ویسا ہی علاج کیا۔ اسی طرح مرشد کامل شیخ وقت کو بھی بصارتِ حق کی دعوت دینی چاہیے اور ہر ایک کی تعلیمی غذا اس کے اندرونی درجۂ ایمان کے مطابق تجویز کرنی چاہیے تاکہ مرید کرنے کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہو۔

تو جب مرشدِ کامل صاحب ولایت مرید کو ان تین سال کے بعد ریاضت کی تعلیم دے کر اسے خرقہ پہنائے تو جائز ہے اور خرقہ پوشی کا مقصد درحقیقت حیاتِ دنیاوی کی لذتوں اور حصولِ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ سے)

امام ابن حجر عسقلانی "لسان المیزان" میں فرماتے ہیں: کہ امام خلیلی فرماتے ہیں: طبرانی کی حدیث کو صخر حاجب نامی ایک جھوٹے شخص نے مالک پر گھڑا ہے اور اسی نے یہ حدیث گھڑی: الشيخ في أهله كالنبي في أمته.

امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

بجل المشائخ فان تبجيل المشائخ من اجلال الله عزوجل، فمن لم يبجّلهم فليس منّا۔ امام سخاوی "المقاصدالحسنة" میں فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام روایات سے بھی زیادہ صحیح روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ما أكرم شاب شيخا لسنّه الاقيض الله له في سنّه من يكرمه. امام ترمذی نے اسے اپنی "سنن" میں ذکر کیا ہے. اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ امام شیرازی نے "الألقاب" میں، ابن حبان نے "کتاب الضعفاء" میں، امام دیلمی نے "مسند الفردوس" میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: الشيخ في بيته كالنبي في قومه.

امام سیوطی اسے "الجامع الصغير" میں لائے ہیں اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، ملا علی قاری "الأسرار المرفوعة" میں رقمطراز ہیں: مذکورہ روایت کو معنی کے اعتبار سے یہ صحیح حدیث تقویت دیتی ہے. العلماء ورثة الانبيا: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی اسی کی تائید کرتا ہے: فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ النحل: ۴۳)

حوالہ کے لیے دیکھئے: المقاصد الحسنة للسخاوي (۱۰۹)، تمييز الطيب من الخبيث (۷۶۶) كشف الخفاء للعجلوني (۱۵۷۶) الأسرار المرفوعة لعلى القارى (۲۵۳)، احاديث القصاص (۲۴)، تنزيه الشريعة ۲/۳۰۷، الفوائد المجموعة للشوكاني (۱۲) أسنى المطالب (۸۰۸) ميزان الاعتدال للذهبى ۳/۲۳۲، الموضوعات لابن الجوزي ۱/۱۸۳، اللآلى المصنوعة للسيوطي ۱/۱۵۳، الجامع الصغير للسيوطي (۴۹۲۹) فيض القدير للمناوي ۴/ ۱۸۵، الدرر المنتثرة للسيوطي (۲۶۶) كنوز الحقائق (۷۶)

Marfat.com

نعمت دنیا کی مرادوں سے انقطاع کر کے دل کو زندگی کی راحتوں سے صاف کرتے ہوئے اپنی عمر ساعتِ حق کے لیے وقف کرنے اور دنیا سے فنا ہو کر کفن پہننے میں ہے اور خرقہ پوش ہو کر سوائے طلبِ حق کے سب چیزوں سے کنارہ کشی کرنا اس کی شرطِ اوّلین ہے۔ جب مرید اس قسم کا خرقہ پہن لے گا تو وہ خرقہ پوش بارگاہِ جل مجدہٗ میں عزت پائے گا۔ پھر اس کا فرض ہے کہ اس خرقہ کا خاص لحاظ رکھے، اس کا حق کماحقہٗ ادا کرنے میں پوری استقامت اور ہمت سے مساعی کرے اور اپنی تمنائیں اور خواہشات اپنے اوپر حرام کر لے۔

اب بحث خرقہ پوشی میں بہت سے حقائق وارشادات بتا دیئے گئے۔

شیخ ابوعمر اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں ایک مکمل کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ عوام متصوفہ کو بہت زیادہ غلو اور شغف وعقیدت ہے۔

اور چونکہ میری مراد اس کتاب میں محض نقل اقوال نہیں بلکہ انکشافات حقیقت و مغلقات مقصود ہے اور یہی مقصودِ طریقت ہے۔

لہٰذا بہترین اشارات خرقہ پوشی ہم بتا دیتے ہیں۔

یاد رکھو! کہ خرقہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا گنبد یعنی اوپر کا حصہ صبر کے ساتھ ہو اور دونوں آستین خوف وامید کی ہوں اور اس کے آگے پیچھے کے دامن قبض وبسط سے بنیں اور اس کا گریبان جہاں سے کمر باندھتے ہیں، مخالفت نفس کے ساتھ ہو اور دونوں کرسیاں یعنی کلیان صحت ویقین کی ہوں۔ اس کی سنجاف یعنی مغزی، اخلاص کی ہو۔

اس سے بھی بہتر حقائق خرقہ یہ ہیں کہ وہ قبہٗ محبت میں رنگِ فنا سے رنگا جائے اور اس کی دونوں آستین حفظ وعصمتِ نفس کی ہوں اور اس کا آگا پیچھا فقر اور صعوبت کا بنے اور گریبان جہاں سے کمر بند ہے، مشاہدۂ جمال کے لیے مضبوط اور قائم ہو اور اس کی کرسیاں یعنی کلیان ایسی امن کی ہوں کہ تقربِ احدیت میں مامون رکھیں اور اس کی مغزی اور سنجاف قرارِ تام ہو جو مقامِ وصل میں اسے مضطرب نہ ہونے دے۔

جب صوفی اپنے باطن کو اس شان کا مرقعہ بنا لے گا تو ظاہر کے لیے بھی اسے خرقہ بنانا چاہیے اور ہماری ایک کتاب اس بحث میں ہے جس کا نام "اسرار الخرق والمؤنات" ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ہمارے مرید کے پاس ہونا ضروری ہے۔

لیکن خرقہ پہننے کے بعد اگر صوفی غلبۂ حال یا قہرِ سلطانِ وقت سے تنگ آ کر اُس خرقہ کو چاک کر دے گا تو اسے معذور سمجھا جائے گا اور خرق خرقہ اس کا مسلم ہو گا مگر خرق خرقہ باختیار خود

Marfat.com

بحالتِ تمیز ودرستی حواس میں کر ڈالا تو اسے خرقہ پوشی پھر جائز نہیں اور اہلِ طریقت اس رویہ کو نہیں مانتے۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خرقہ پوشی دیرینہ بھی ہو اور بغیر صفاء باطن کے محض ظاہری خرقہ پوش رہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ دریدگی خرقہ کے معنی یہ ہیں کہ جب صوفی اس مقام سے جہاں خرقہ پوش ہوا تھا دوسرے مقام کی طرف انتقال ہوتا ہے تو وہ ترقی درجۂ شکر میں اُس پہلے جامہ سے باہر ہو جاتا ہے اور خرقہ کی بجائے دوسرا لباس ملبوس کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک مقام کا لباس علیحدہ ہے تو دوسرے مقام پر پہنچ کر دوسرا لباس ملبوس کرنا صحیح ہے۔

اگرچہ خرقہ ایک لباس ہے کہ طریقت، فقر، صفوت کے تمام مقامات پر یہ لباس موزوں رہتا ہے تو ان مذکورہ مقامات سے بالا ہونے کی صورت میں تمام مقامات سے تبری کرنا بھی ضروری ہے، ہر چند کہ اس بحث کے لیے یہ مقام موزوں نہیں اس کے لیے باب "خــــرق و کشف وحـجـاب السماع" مخصوص ہے۔ ہم وہاں اس بحث کو بیان کریں گے۔ مگر اس جگہ اشارتاً اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ لطائف خرقہ کے بیان میں فروگذاشت نہ ہو جائے۔ خدا کو منظور ہے تو اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ اس کی جگہ پر بیان کریں گے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ خرقہ پہنانے والے کو حقیقت اور طریقت کے اندر اس قدر حکومت و قوت ہونی چاہیئے کہ اگر کسی بیگانہ پر نظر ڈالے تو اسے چشمِ شفقت سے آشنا بنا دے اور اگر اس خرقہ کو کسی عاصی پر ڈال دے تو وہ ولی بن جائے۔

ایک دن مَیں اپنے شیخ کے ہمرکاب تھا، چلتے چلتے آذربائیجان کی آبادی سے گذرا۔ مَیں نے دو تین خرقہ پوش دیکھے کہ گندم کے ڈھیروں پر کھڑے ہیں اور اپنے خرقہ کے دامنوں کو کسانوں کی طرف پھیلا رکھا ہے تاکہ وہ اس گندم میں سے ان کے دامنوں میں کچھ ڈالیں۔ میرے شیخ قدس سرّہٗ نے ان کی طرف نظر ڈالی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ (۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی خریدی ہدایت کے بدلے، تو ان کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور یہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں"۔

مَیں نے عرض کی: حضور! یہ لوگ کس قدر ذلت میں مبتلا ہیں کہ لوگوں کی نظر میں ذلیل

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۱۶

Marfat.com

ہو رہے ہیں۔شیخؒ نے فرمایا کہ ان کے پیر کو مرید جمع کرنے کی حرص ہوئی ہے تو ان کو دنیا جمع کرنے کی حرص ہوگئی اور کوئی حرص کسی حرص سے بہتر نہیں !اور خلاف امر وحکم کسی کو دعوت دینی حرص محض ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے "باب الطاق" میں ایک ترسا کو دیکھا، بڑا خوبصورت جوان تھا۔مَیں نے دعا کی :یاالٰہی !اس جوان کو میرے کام کا بنادے، اس لیے کہ اسے تونے بڑا حسین بنایا ہے۔تھوڑی مدت اس دعا کو گذری تھی کہ کہ وہ ترسا میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے شیخ "!مجھے کلمۂ تلقین فرمایئے۔وہ مسلمان ہوگیا اور جماعتِ اولیاء میں سے ایک ولی نکلا۔

حضرت شیخ ابوعلی سیاح رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ خرقہ کس کے لیے پہننا درست ہے؟ فرمایا :اس کے لیے کہ مملکتِ الٰہیہ میں تمام احکام واحوال اس کے حکم بغیر ظہور پذیر نہ ہوں۔

اب واضح ہوگیا کہ خرقہ صالحین اور اللہ کے نیک بندوں کا لباس ہے اور فقراء وصوفیاء اسے ملبوس فرماتے ہیں اور حقائق فقر وحقیقت صفوۃ ہم اس سے قبل بیان کرچکے ہیں۔

تو یاد رکھو جو کوئی لباسِ اولیاء کو کسب دنیا کے لیے آلہ بنالے گا وہ اپنے لیے آفت مول لے گا۔فقراء وصوفیاء کا اس میں زیادہ نقصان نہیں۔

ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے جو کچھ لکھا ہے وہ ہی کافی ہے۔اگر ہم اس کی شرح کی طرف مشغول ہوجائیں تو یہ کتاب کافی نہیں ہوگی۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ .

Marfat.com

پانچواں باب

فقر وصفوت

فصل:

فقراور صفوت کے فضائل میں علماء طریقت کا اختلاف ہے۔ایک جماعت کے نزدیک فقر افضل ہے اور ایک کے نزدیک صفوت فقر سے افضل ہے۔وہ لوگ جو فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر فناء کلی کا نام ہے اور اس میں انقطاعِ اسرار ہو جاتا ہے اور صفوت مقاماتِ فقر کے ایک مقام کا نام ہے اور جب فنا حاصل ہوگئی تو تمام مقامات ناچیز ہوگئے اور یہ مسئلہ بحثِ فقر وغنا کے ساتھ متعلق ہے جس کی تصریح ہم اوّل کر چکے ہیں۔

اور جو لوگ صفوت کو فقر پر مقدم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر ایک چیز ہے جو موسوم بہ اسم ہے اور صفوت نام ہے تمام موجودات سے صفائی حاصل کرنے کا۔اور جو صفوت عین فناء رہے اور فقر عین بقا تو معلوم ہوا کہ فقر نام ہے مقامات و درجاتِ صفوت سے کسی درجہ یا مقام کا اور صفوت مقام کمال کا نام ہے۔

اس بحث میں بات بہت طول پکڑ گئی ہے اور اس زمانہ میں تو عجیب وغریب طریقہ سے فقر وصفوت کی تعبیرات پیش کی جارہی ہیں اور ایک جماعت دوسری جماعت پر عجیب وغریب طریقے سے دلائل قائم کر رہی ہے اور درحقیقت یہ لوگ فقر وصفوت کی فضیلت اور اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور بغیر سوچے سمجھے مقدم مؤخر بنا رہے ہیں۔

یاد رکھو! اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ زبانی جمع خرچ کر کے محض تقریر کر دینے کا نام نہ فقر ہے نہ صفوت ،اور عوام نے جو اپنے ذہنی و وہمی تخیلات کے گھوڑے دوڑائے تو اپنے اپنے خیال کے مطابق معنی گھڑ لیے اور حقیقت معنی سمجھنے سے اپنے دل اور ذہن کو خالی کر کے روشِ حق وصداقت سے دُور ہوگئے کسی نے نفیِ حرص کا نام نفیِ عین رکھ لیا اور اثباتِ مراد کا نام اثباتِ عین گھڑ لیا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مقصود منفی ومثبت تمام کے تمام ایسے ہیں کہ قیام نفس و وجود و ہواء نفسانی اور اس کے طریقوں سے منزّہ ہیں اور طریقت جھوٹے مدعیوں کی لغو باتوں سے بالکل پاک ہے۔

مختصر یہ کہ اولیاءِ الٰہی اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں مکان ومقام ہی نہیں ہوتا اور تمام

Marfat.com

مکان ومقام وہاں فنا ہوتے ہیں اور زبانی الفاظ اور عبارتیں اس حقیقت کے معنے بیان کرنے سے منقطع ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ نہ شرب رہتا ہے نہ ذائقہ، نہ ممتنع، نہ قہر، نہ صحو، نہ محو۔ اس جگہ کا نام اربابِ ظہور ہی ڈھونڈتے ہیں اور فکر کرتے ہیں کہ کوئی ایسا نام مل جائے کہ اس مقام پر چسپاں ہو سکے اور وہ مقام کسی نام کے نیچے آکر مسمّٰی بن جائے۔ لیکن جو مقام کہ معانی اسم کے تحت آ ہی نہیں سکتا اور اس پر کسی صفت کا استعمال ہی صحیح نہیں، اسے کسی اسم یا صفت سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تو مجبور ہو کر اربابِ معنی کے نزدیک جو نام سب سے بزرگ نظر آیا اُسے اس مقام کے لیے مقرر کر دیتے ہیں۔

اور یہاں تقدیم وتاخیر کی اصل ہی نہیں۔ فقر وصفوت سے کسی کو مقدم ومؤخر کہنا بالکل ناروا ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ ایک گروہ کو نام فقر زیادہ واجب الترجیح نظر آیا۔ اُن کے دلوں میں اس کی عظمت جاگزیں ہوگئی، اس لیے کہ نام فقر سے انہیں ترک ماسویٰ اللہ اور تواضع نظر آئی۔

دوسرے گروہ کو نامِ صفوت مقدم نظر آیا۔ اُن کے دلوں پر اس کی تعظیم وتکریم سکہ زن ہو گئی۔ اس لیے کہ رفع کدورت اور فناء آفات میں انہیں یہ نزدیک نظر آیا۔

غرضیکہ انہوں نے یہ دو نام ذریعۂ اعلام بنانے چاہے۔ اگرچہ اس کی حقیقت الفاظ کا جامہ پہنا کر بیان نہیں ہو سکتی تھی۔ ان ناموں سے انہیں صرف یہ فائدہ حاصل ہو سکا، جس کی حقیقت بیان کرنے سے یہ قاصر تھے، انہیں ان اشارات کے ذریعے ایک دوسرے پر ظاہر کرتے رہیں اور ان ناموں کے ذریعے اپنے ذاتی کشف کو بتمامہ ظاہر کر سکیں اور ان جماعتوں نے فقر یا صفوت اس درجہ کا نام رکھ لیا مگر پھر بھی حقیقت معنی میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ ہاں اربابِ لسان یا اصحابِ عبارات جو اس حقیقت سے محض بے خبر ہیں، انہیں محض الفاظ پر بحث کا میدان مل گیا اور ان میں سے کوئی فقر کو مقدم کہنے لگا، کوئی صفوت کو ترجیح دینے بیٹھ گیا اور یہ محض ان کی لفاظی یا لسانی ہے۔ یہ دونوں گروہ محض لفظی تحقیق معانی میں جا کر تاریکیٔ عبارت میں رہ گئے۔ ان میں سے جسے حقیقت معنی منکشف ہوگئی وہ اہلِ حال میں مل کر اسے اور تحقیقِ حقیق کو اپنا قبلۂ دلی بنا بیٹھے اور اسے اس کی پرواہ نہیں رہی کہ اُسے صوفی کہا جا رہا ہے یا فقیر۔ اس لیے کہ یہ دونوں نام اضطراری ہیں اور حقیقتِ فقر کے اسم کے تحت میں نہیں آسکتی۔

یہ اختلافِ معنوی حضرت شیخ ابوالحسن سمنونی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے چلا آرہا ہے۔ اس لیے کہ وہ کبھی بحالتِ کشف فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے، کبھی صفوت کو فقر پر۔ تو اس وقت کے محققین نے آپ سے عرض کی کہ حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: میرا ایک حال نہیں، کبھی

Marfat.com

میری طبع معانی کو فناء و نگونساری کا مشرب حاصل ہوتا ہے اور بقاء کے درجہ میں بلندیٔ کامل مل جاتی ہے اور کبھی ایسے مقام پر ہوتا ہوں کہ اُس کا تعلق فناء سے ہوتا ہے اور ایسی حالت میں فقر پر صفوت کو ترجیح دے دیتا ہوں اور جب اس درجہ پر ہوتا ہوں جس کا تعلق بقا سے ہے تو صفوت پر فقر کو ترجیح دے دیتا ہوں اور اس لیے کہ فقر نام ہے بقا کا اور صفوت فنا کا۔

تو چونکہ مقامِ فنارویت کو خود سے بھی فنا کر دیتا ہے تو میری طبع معانی بھی فنا سے فنا ہو جاتی ہے اور مقامِ بقا میں یہی فنا ہے اور یہ گفتگو اگرچہ از روئے عبادت خوب ہے مگر یاد رکھو کہ فنا کو بھی فنا نہیں اور بقا کو بھی فنا نہیں اور جو باقی فانی ہوگا وہ خود سے ہی فانی ہوگا اور جو فانی باقی ہوگا وہ خود سے باقی ہوگا اور درحقیقت فنا بھی محض ایک ایسا اسم ہے جس میں مبالغہ محال ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی کہے کہ فنا، فنا ہوتا ہے تو اس میں مبالغہ ہوا، معنی کے وجود کے اثر کی نفی کا۔ اس لیے کہ جو فنا ہو رہا ہے وہ جب تک فنا نہ ہو، اس وقت تک اس کا کچھ اثر باقی ہے اور جب تک اثر باقی ہے فنا نہیں اور جب فنا ہو چکا تو فنا کا فنا ہونا بے معنی ہوگا اور اس عبارت میں تحیّر کے سوا کچھ حاصل نہیں اور یہ لسانیاں زبان دراز لوگوں کی سخن پروری کے ماتحت ہیں۔

اور کتاب ''فنا و بقا'' میں ہم نے بھی ایک بحث لکھی تھی لیکن وہ اس وقت لکھی تھی جبکہ ہماری نوعمری کا جوش تھا اور جذباتِ حالیہ تیزی میں تھے۔ اس کتاب میں احتیاط کے ساتھ اس کے احکام و حقائق بیان کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

اچھی طرح سمجھ لو! کہ فقر اور صفوت میں فرقِ معنوی یہ ہے کہ دنیا کی تجرید کی رُو سے تو فقر و صفوت ایک ہے اور اپنے آپ کو اس سے خالی کر دینا یہ دوسری شان ہے اور پھر اس کی حقیقت فقر و مسکنت کے معنی میں ہوگی۔ ایک جماعت نے مشائخ کرام میں سے فرمایا ہے کہ فقیر، مسکین سے افضل ہے، اس لیے کہ حضرت جلّ مجدہ نے فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ﴾ (۱)

''مال زکوۃ ان فقراء کے لیے ہے جو اللہ کی راہ اور اس کی اطاعت میں ایسے محصور ہیں کہ تجارت و رزق طلب کرنے کو زمین پر سیر نہیں کر سکتے''۔

اس لیے کہ مسکین صاحبِ مال ہوتا ہے اور فقیر تارکِ مال۔ تو ظاہر ہے کہ فقر عزت ہے اور مسکنت ذلت اور صاحبِ مال طریقت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۲۷۳

Marfat.com

تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ وَالْقَطِيْفَةِ . (۱)

''ہلاک ہوگیا دینار و درہم کا بندہ اور ہلاک ہوگیا تھیلے تھیلی کا پجاری اور تارک معلوم یعنی جس کے پاس مال ہے اس کا تارک عزت والا ہے''۔

اس لیے کہ مال دار کا اعتماد اس مال پر ہوتا ہے اور جو تارکِ مال ہوگا اس کا بھروسہ ربّ عزوجل پر ہوگا اور مالدار کو اگر کوئی کام ہوگا تو اپنا مال بڑھانے اور اس کے حاصل کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوگا۔

ایک جماعت نے کہا کہ مسکین افضل ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ . (۲)

''اے میرے ربّ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور اسی حال میں دنیا سے اٹھا اور میدانِ حشر میں بھی مساکین میں مجھے محشور فرما''۔

تو جب حضور سیّدِ عالم ﷺ مسکین کو یاد فرما کر اس طرح دعا کریں کہ اللہ مجھے مسکینوں کی زندگی عطا فرما اور حالتِ رحلت میں بھی مسکین رکھ اور جب فقر کا تذکرہ فرمایا تو کہا:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا . (۳)

۱۔ امام سخاویؒ اسے ''المقاصد الحسنة'' (ص: ۱۵۷) میں لائے ہیں اور فرمایا ہے کہ اسے امام بخاریؒ نے ابوبکر بن عیاش سے، انہوں نے ابو حصین سے، انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، امام عسکری نے اسے حضرت امام حسنؓ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن تعس عبد الدرهم ......الخ کی بجائے '' لعن عبدالدرهم .....الخ '' کے الفاظ ہیں۔

۲۔ اس حدیث کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

۳۔ اسے امام احمد بن منیع نے یزید الرقاشی کے طریق سے، انہوں نے حسن سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اُبو مسلم الکشی نے اپنی ''سنن'' میں، امام طبرانی نے عمرو بن عثمان الکلابی سے، اس نے عیسیٰ بن یونس سے، انہوں نے سلیمان تیمی سے، انہوں نے حضرت اُنس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ امام سیوطی اسے ''الجامع الصغیر'' میں لائے ہیں اور امام اُبو نعیم نے (حلیة الأولياء) کی طرف منسوب کیا ہے، امام قضاعی نے ''مسند الشهاب'' میں (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر ----)

Marfat.com

''قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے''۔

اس لیے فقیر وہ ہوتا ہے جو کسی سبب کے ساتھ وابستہ ہو اور مسکین وہ ہوتا ہے جو اسباب کو منقطع کردے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)

اسے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: کادا لفقر أن یکون کفراً، و کادالحسد أن یسبق القدر،

امام زرکشی نے اسے ''التذکرة'' میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی شاھد روایات وہ ہیں جنہیں امام نسائی اور امام ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں ابوالھیثم کے طریق سے، اس نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام بارگاہِ صمدیت میں عرض کیا کرتے تھے:

اللھمّ انی أعوذبک من الکفر والفقر، فقال رجل :ویعتد لان؟ قال: نعم. امام بیہقی نے اسے ''شعب الایمان'' (۴۳) میں، اور ابن عدی نے ''الکامل'' میں یحییٰ بن یمان کے طریق سے، انہوں نے ثوری سے، انہوں نے اُعمش سے، انہوں نے یزید الرقاشی سے، انہوں نے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ امام طبرانی نے اسے ''المعجم الأوسط'' میں عمرو بن عثمان الکلابي سے، انہوں نے عیسیٰ بن یونس سے، انہوں نے سلیمان التیمی سے، انہوں نے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام سخاوی نے ''المقاصدالحسنة'' میں اس کی تمام اسناد کو ضعیف کہا ہے، امام عراقی نے ''المغنی عن حمل الأسفارفي الأسفار'' میں یزید کو ضعیف قرار دیا ہے، امام طبرانی نے ''المعجم الأوسط'' میں ایک اور سند سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: کادت الحاجة أن تکون کفراً. اس میں بھی ضعف ہے، امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں کہا ہے کہ طبرانی کی اسناد میں عمرو بن عثمان الکلابي کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اور وہ متروک ہے۔

حوالہ کے لیے دیکھئے: المقاصد الحسنة للسخاوي (۷۸۹)، تمییز الطیب من الخبیث (۹۷۵) کشف الخفاللعجلوني (۱۹۱۹) الجامع الصغیر للسیوطي (۶۱۹۹) حلیة الأولیاء لأبي نعیم ۵۳/۳، ۳۰۹، ۲۵۳/۸، الجامع الکبیر ۶۱۳/۱ ،أسنی المطالب (۱۰۲۷)، مسند الشهاب للقضاعي (۱۰۰) الغماز علی اللماز للسمهودي (۱۹۰)، الدرر المنتثرة للسیوطي (۳۲۶)، فیض القدیر للمناوي ۵۴۲/۴، تاریخ اصبهان لأبي نعیم ۲۹۰/۱، المعجم الأوسط للطبراني (۲۷۳) شعب الایمان للبیهقي (۳۲۸)، المطالب العالیة ۱۳۹/۱، میزان الاعتدال ۴۶۴/۱، المغني عن حمل الأسفار في الأسفار للعراقي ۱۸۴/۳، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهیثمی ۷۸/۸.

Marfat.com

مزید برآں فقہ اسلامی میں ایک جماعتِ فقہا کے نزدیک مسکین صاحبِ توشہ اور فقیر مجرد کو کہتے ہیں۔ تو اس جگہ ارباب مقام مسکین کو صوفی کہتے ہیں۔

اور یہ اختلاف، اختلافِ فقہاء رضی اللہ عنہم سے ملتا ہوا ہے کہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ فقیر مجرد ہے اور مسکین صاحبِ توشہ تو فقیر افضل تر ہوا صفوت سے۔

اور جن کے نزدیک مسکین مجرد کو کہتے ہیں اور فقیر صاحبِ توشہ کو تو ان کے یہاں صفوت افضل ہوگی فقر سے۔ یہ ہے خلاصہ احکام اختلاف مشائخ کے فقر اور صفوت میں جو بر سبیل اختصار بیان کیے گے۔

وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

Marfat.com

چھٹا باب

ملامت

فصل:

مشائخ طریقت کے ایک گروہ نے راہِ ملامت کو بھی پسند کیا ہے اور انہوں نے ملامت کے طریقے کو خلوص و محبت میں مؤثر عظیم مانا ہے اور ملامت کے ساتھ مردانِ خدا اور اہلِ حق بالعموم متفق ہیں۔ خصوصاً پیشوایانِ اُمتِ رسولِ کریم ﷺ جو امام و پیشواءِ اہلِ حق تھے اور ان سے بلند وہ پیش رو محبان تھے، اُس وقت تک نیک نام رہے جب تک دلیلِ حق کا ظہور اور وحی آتی رہی۔ مگر جب لباسِ محبت و عشق پہنایا گیا تو لوگوں کی طرف سے اُن کے حق میں زبان ملامت دراز ہوگئی۔ بعض نے کہا: جادوگر ہیں، کاہن ہیں۔ کسی جماعت نے کہا: شاعر ہیں۔ کسی نے کہا مجنون ہیں۔ کوئی کہنے لگا کاذب ہیں اور مثل اس کے بہت سی بدلگامی کی گئی مگر اللہ جل شانہٗ نے اُن کی تعریف میں فرمایا:

﴿لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾(۱)

''وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑا وسیع العلم ہے۔''

اور سنتِ الٰہیہ بھی کچھ یہی ہے کہ جو اُسے یاد کرے اُس کے ذکر کو سنائے، عالم اس کی ملامت میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے اندرونی رازِ مخفی کی نگہداشت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ درحقیقت غیرتِ الٰہیہ ہے کہ اپنے محبوبوں کو غیروں کے دیکھنے سے بچالیتا ہے تاکہ کوئی آنکھ اُس کے جمالِ باطنی پر نہ پڑے اور اس کی حقیقتِ حسن کو اس سے بھی مخفی فرمادیتا ہے تاکہ وہ اپنا جمال باکمال دیکھ کر مغرور نہ ہوجائیں اور آفتِ عجب وتکبّر میں نہ پڑیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے عوام کو اُن پر چھوڑا ہے تاکہ وہ ان پر زبانِ ملامت دراز کرتے رہیں اور نفسِ لوام ان کے اندر مرکب کیا ہے تاکہ انہیں ان کی کوتاہی پر ملامت کرتا رہے اور کسی فروگذاشت ہوجانے پر وہ اپنے پر ملامت کریں بلکہ اگر نیکی بھی کریں تو اس کے کم ہونے پر ملامت کریں اور یہ

۱۔ سورۃ المائدۃ :۵۴

Marfat.com

راہِ مولا میں بڑی مضبوط جڑ ہے۔

کیونکہ عجب وتکبر سے بڑھ کر کوئی آفت اور حجاب نہیں اور عجب وتکبر کی جڑ دو چیزیں ہیں جن سے عجب وتکبر پیدا ہوتا ہے، وجاہت حاصل ہو جانا مخلوق میں اور مخلوق کی زبان سے اُس کی مدح سرائی۔ اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی انسان کی گفتار و کردار کو عوام پسند کریں۔ اس کی مدح سرائی کریں اور اسے اس سے غرور پیدا ہو۔

دوسرے یہ کہ جو کام وہ کر رہا ہے، لوگ اسے پسند کرتے ہیں تو یہ اس کام کا اہل اور اس کے قابل اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہے اور اس وجہ میں متکبر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے اس راستہ میں اپنے محبوں مقربوں پر یہ نظام فرمادیا ہے، تاکہ اس کے تمام کام اگرچہ نیک ہی ہوتے ہیں مگر عوام انہیں پسند نہ کریں اور عوام کے پسند کرنے کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ وہ اس کام کی حقیقت کو دیکھنے سے قاصر ہیں اور مجاہدات وریاضات ان محبانِ الٰہی کے بہت ہوتے ہیں مگر انہوں نے ان مجاہدات کو اپنی قوت کا نتیجہ کبھی نہیں سمجھا محض فضلِ الٰہی تصور کیا اور اُن مجاہدات کی وجہ سے انہوں نے اپنی ذات کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا۔ اسی وجہ میں وہ تکبر سے محفوظ رہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جسے اللہ پسند فرماتا ہے عوام اُسے پسند نہیں کرتے، اور جسے اپنا وجود پسند آیا اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا۔

جیسا کہ شیطان کہ اسے لوگوں نے پسند کیا اور ملائکہ نے بھی قبول کیا اور خود اس نے اپنے آپ کو اچھا سمجھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے پسند نہیں کیا تو لوگوں اور فرشتوں کا پسند کرنا اس کے لیے ثمرِ لعنت بن گیا۔

اور آدم علیہ السلام کو اوّل ملائکہ نے پسند نہیں کیا اور صاف کہہ دیا:

﴿اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا﴾(۱)

''کیا ایسے وجود کو دنیا میں وجود فرما رہا ہے جو فساد کرے''۔

اور خود آدم علیہ السلام نے اپنے وجود کو پسند نہ کیا اور عرض کر دیا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا﴾(۲)

''اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔''

لیکن چونکہ آدم علیہ السلام پسندیدہ حق تھے تو جناب باری عزاسمہ کی طرف سے ارشاد ہوا:

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۳۰ ۲۔ سورۃ الاعراف: ۲۳

Marfat.com

﴿فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا﴾ (۱)

''سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے اس کا کوئی عزم''۔

تو اللہ تعالیٰ کا پسند فرمانا آدم علیہ السلام کے لیے ثمر رحمت لایا تاکہ دنیا کے لوگ جان لیں کہ اللہ کا مقبول و مہجور خلق ہوتا ہے اور مقبولِ خلائق مہجورِ الٰہی ہوتا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ ملامتِ خلقِ خدا علامت ہے محبوبانِ الٰہی کی، اور دلیل ہے اس کے مقرب بارگاہ ہونے کی اور جس طرح مقبولِ خلائق ہو کر خرم وشاد ہونا عام طور پر پسندیدہ ہے اسی طرح خاصانِ بارگاہ خلق کے ساتھ شادکام وشادمان رہتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ سے جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اور جبرائیل علیہ السلام سے ربّ العزت جل مجدہ نے فرمایا:

أَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قَبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ إِلَّا أَوْلِيَائِيْ. (۲)

''میرے دوست میری قبا کے اندر ہیں، انہیں میرے اور میرے دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

فصل:

ملامت کی تین صورتیں ہیں: راست روی۔ قصد کرنا۔ ترک کرنا

ایک سیدھا چلنے میں۔ دوسرے قصد کرنے میں۔ تیسرے ترک کرنے میں۔

راست روی میں صورتِ ملامت یہ ہے کہ اپنا کام کرتا رہے اور احکامِ دین کی پیروی کرے اور ہر معاملہ میں رعایت ملحوظ رکھے اور لوگ اسے ایسی حالت میں ملامت کریں جیسا کہ عوام کا رویّہ ہے۔ مگر عارف کامل ان تین ملامتوں سے بھی بے تعلق اور فارغ ہو۔

اور قصد میں صورتِ ملامت یہ ہے کہ ایک شخص جبکہ اسے عز و جاہ کافی حاصل ہو چکی ہو اور لوگوں میں معزز و ممتاز ہو کر ان میں نشانہ ہو چکا ہو مگر اس کا دل اس عز و جاہ سے اور رجوعِ خلق سے متنفر ہو اور وہ چاہے کہ سب سے دل علیحدہ کر کے خلوتِ خاص میں اپنے جمیلِ حقیقی سے مشغول ہو تو اس تکلف کی وجہ میں لوگ ملامت کرنا شروع کر دیں، اور وہ بھی لوگوں کو دکھانے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرے جو خلافِ شرع نہ ہو مگر اس رویہ سے لوگ اس کے ساتھ متنفر ہو جائیں مگر وہ خود لوگوں کے اس تنفر کی پرواہ نہ کرے۔ آخرش لوگ اس سے بے پرواہ ہو جائیں۔

۱۔ سورۃ طٰہٰ : ۱۱۵

۲۔ اسے امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم'' ۴/۲۵۶ میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

ترک کرنے میں صورت ملامت یوں ہوگی کہ کسی کا گریبان کفر و ضلالتِ طبعی سے یہاں تک پکڑے کہ وہ ترکِ شریعت اور انکار متابعت قانونِ اسلام کے لیے کہنے لگے اور کہتا پھرے کہ یہ طریقہ ملامت ہے جو مَیں نے اختیار کیا ہے اور درحقیقت میں راہِ راست پر ہوں۔ اس لیے کہ میری اصلی رفتار راست روی پر ہے اور نفاق و ریاء سے اجتناب کرنا ہے اور ایسی حالت میں اسے لوگوں کی ملامت کا خوف نہیں ہوتا اور اپنی دُھن میں پختہ رہتا ہے۔ جس نام سے لوگ اسے پکاریں وہ سب نام اس کی نظر میں برابر ہوں۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز ایک گدھے پر سوار ہو کر بازار میں جا رہے تھے اور ان کے مرید اس گدھے کی باگ پکڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آوازہ کسا اور کہا یہ زندیق پھر آیا۔ مرید نے جب آواز سنی غیرتِ عقیدہ سے اس آواز کسنے والے کو مارنے کے لیے بڑھا۔ اس سے بازار کے لوگ جوش میں آ گئے۔ شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ نے مرید سے فرمایا کہ اگر تو خاموش ہو جائے تو ہم تجھے ایسی چیز بتائیں گے کہ تیرا سارا رنج و محن جاتا رہے گا۔ مرید خاموش ہو گیا۔ جب اپنی جائے قیام پر تشریف لائے تو مرید کو حکم دیا کہ وہ صندوق لاؤ۔ مرید صندوق لایا۔ اس صندوق میں بہت سے خط بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا۔ دیکھ یہ متعدد لوگوں کے خطوط ہیں۔ ہر ایک نے میرے لیے علیحدہ علیحدہ نام رکھے ہیں۔ ایک مجھے ''شیخ الاسلام'' لکھ رہا ہے، ایک ''شیخ زکی'' اور ایک ''شیخ الحرمین''۔ اس طرح علیحدہ علیحدہ سب نے میرے نام رکھے ہیں، مگر جو مَیں ہوں وہ کبھی بھی نہیں لکھا۔ میرا نام کسی خط میں نہیں ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے مطابق مجھے ایک لقب دے دیا ہے، اگر اس نے مجھے کوئی لقب دے دیا تو اس پر تو اتنا برانگیختہ کیوں ہوا؟

اب یہ بھی سمجھ لے! جو اپنے طریقۂ ملامت میں یہ قصد ہو کہ وہ جاہ، مرتبہ و ریاست ترک کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کہ روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک روز خرموں کے باغ سے تشریف لا رہے تھے اور خرمہ کی خشک لکڑیوں کا گٹھا آپ کے سر پر تھا۔ باآنکہ آپ کے پاس چار سو غلام تھے۔ لوگوں نے عرض کیا: حضور! یہ کیا ہے؟ فرمایا:

اُرِیْدُ اَنْ اُجَرِّبَ نَفْسِیْ.

''میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے نفس کا تجربہ کروں۔''

میرے پاس اگرچہ بہت غلام ہیں، مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا نفس اس حال میں کیسا ہے، جاہ اعزاز و حشمت کی وجہ سے وہ بے کار تو نہیں ہو گیا۔ یہ حکایت شانِ ملامت کی صریح دلیل ہے اور

Marfat.com

اس سے اثباتِ ملامت واضح ہے۔

ایسا ہی ایک حکایت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس کتاب میں جس جگہ ان کا ذکر ہوگا انشاءاللہ وہاں لکھوں گا اور ابو یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؒ سفرِ حجاز سے تشریف لائے تو منادی کرادی گئی اور لوگوں میں شہرہ ہوا کہ بایزید تشریف لائے ہیں۔ شہر کے لوگ جمع ہوئے اور برائے استقبال شہر سے باہر آئے تا کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لائیں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کی آمد و رفت سے اُن کی طرف مشغول ہوئے اور محسوس فرمایا کہ اب دل بھی تقربِ حق سے بعید ہو رہا ہے۔ پریشان ہو گئے (تو آپ نے یہ حیلہ بنایا کہ) جب وسطِ شہر میں تشریف لائے تو ایک ٹکیہ روٹی کی نکال کر برسرِ راہ کھانا شروع فرمادی۔ عوام میں اس حالت سے منافرت پیدا ہوگئی اور آپؒ کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔ اس لیے کہ یہ واقعہ رمضان شریف میں ہوا۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنے اس مرید سے فرمایا جو آپ کا ہم سفر تھا، کہ دیکھا تو نے! ایک مسئلہ پر شریعتِ مطہرہ کے، مَیں نے عمل کیا تو لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اور آزاد کر دیا (یعنی مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر اگر بحالتِ مسافرت روزہ نہ رکھے تو اس پر گناہ نہیں۔ وہ ان روزوں کی قضا دوسرے ایام میں کرسکتا ہے) اور مَیں یعنی علی بن عثمان جلابی (رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ اس حالت میں حصولِ ملامت کے لیے ایک بُرا فعل ہونا بھی بہتر تھا اور کوئی چیز خلافِ عادت ظاہر کرنا مناسب، لیکن آج وہ زمانہ ہے کہ اب اگر چاہے کہ لوگ اس کو ملامت کریں تو یہی کافی ہے کہ کہہ دے، جا! اور دو رکعت نفل لمبے کر کے پڑھ یا اپنے دین کو مضبوطی سے تھام اور اتباع مکمل کر۔ تو آج عوام میں اس کہنے سے تجھے علی الفور منافق اور ریا کار کہہ دیں گے۔

لیکن وہ شخص جس کا طریقہ ترک ہے اور اس کی وجہ میں وہ کوئی بات خلافِ شریعت اختیار کر کے کہتا ہے کہ میں یہ ملامت کا طریقہ اختیار کرتا ہوں تو یہ صراحتًا گمراہی، وضاحتًا آفت اور ہوسِ کاذب ہے اور اس زمانہ میں ایسے بہت ہیں کہ اُن کا مقصود لوگوں کے ردّ کرنے سے اُن کا رجحان اپنی طرف بڑھانا ہے حالانکہ ردِّ خلائق کرنا اسے زیبا ہے جو پہلے مقبولِ بارگاہ ہو چکا ہو، تو اس کے رَدّ کرنے سے عوام اس کے اُس رویہ کا رَدّ کرنے لگتے ہیں۔

اور جو پہلے ہی مقبولِ بارگاہ نہیں، وہ اگر لوگوں سے مجتنب رہے اور رَدِّ خلائق کرنے کا تکلف کرے تو یہ یقینًا لوگوں کو اپنی طرف رجوع کرنے کا بہانہ ہوگا۔

مجھے ایک مصنوعی ملامتی سے سابقہ پڑا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ کسی خراب فعل میں مرتکب تھا اور اس فعل پر ملامت کو عذر بنا رکھا تھا۔ ایک شخص نے اسے کہا کہ یہ بہانہ لغو ہے۔ مَیں نے اُسے

Marfat.com

دیکھا کہ بڑا غضبناک ہوگیا۔ میں نے اسے کہا کہ تو درحقیقت ملامتی ہے اور یہ تیرا زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ تو تیرے اس دعویٰ پر اس شخص کا انکار تیرے مقصد و مذہب کی تائید ہے اور جو تیرے خیالات و دعویٰ کی تائید کرتا ہے تو پھر اس پر تیرا غضبناک ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور یہ قہر و غضب کس لیے؟ تیرا یہ رویہ اگرچہ مانندِ طریقۂ ملامت ہے (مگر دراصل کچھ نہیں ہے)، ہمیشہ یاد رکھ کہ جو شخص کسی کو امر حق کی دعوت دیتا ہے، وہ کوئی دلیل بھی رکھتا ہے اور اس کی دلیل محافظتِ سنت ہے۔

پھر تجھ سے میں ترکِ فرض کا رویہ بھی دیکھ رہا ہوں اور لوگوں کو بھی اسی گمراہی کی طرف دعوت دے رہا ہے تو تیرا یہ انکار ملامت کے طریقہ پر نہیں بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

فصل:

یاد رکھو! مذہبِ ملامت کے اصول شیخ وقت ابو حمدون قصاب رحمۃ اللہ علیہ نے جاری فرمائے اور طریق ملامت میں انہوں نے بہت سے لطائف و حقائق بیان فرمائے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: اَلْمَلَامَةُ تَرْكُ السَّلَامَةِ. ''ملامت سلامتی ترک کر دینے کو کہتے ہیں''۔ جب کوئی آدمی کشفِ جلال اور طلبِ مال سے تبری حاصل کرلے اور مخلوقات میں رہ کر مخلوق سے ناامید ہو جائے تو وہ ترکِ سلامتی کا قصد کرتا ہے اور صاف فیصلہ کرلیتا ہے کہ مجھ پر بلائیں آئیں۔ میری تمام مالوفاتِ راحت مجھ سے چھن جائیں، اس لیے کہ میری طبیعت ان تمام چیزوں کی محبت سے آزاد ہو چکی ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان جتنا ان چیزوں سے آزاد ہوتا جاتا ہے اپنے ربّ جل مجدہ کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ تو سلامتی جس کی طرف عوام کو احتیاج ہوتی ہے، اہلِ ملامت اس سے اجتناب کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کا مقصد عوام کے مقصد کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ عوام کی سلامتی و جاہ دنیا پر نظر ہوتی ہے۔ اہل ملامت کی اس سے پشت ہوتی ہے۔ اہل ملامت کی ہمت دنیا کی ہمت سے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اس لیے کہ صوفی اپنے اوصاف میں یکتا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت احمد بن ناتک رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین بن منصورؒ سے روایت فرماتے ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ:

مَنِ الصُّوْفِیُّ؟ قَالَ وَجْدَ انِی الذَّاتِ.

''صوفی کون ہے؟ فرمایا: جو معرفتِ ذات کر چکا ہو۔''

اور حضرت ابو حمدونؒ سے ملامت کی بابت سوال ہوا۔ آپؒ نے فرمایا:

راہ آں بر خلق دشوار و مغلق است۔

Marfat.com

''ملامت کا راستہ عوام پر دشوار بلکہ بند ہے۔''

مگر ہم کچھ بیان کرتے ہیں: رَجَاءُ الْمَرْجِیَةِ وَ خَوْفُ الْقَدْرِیَةِ ۔ ترس قدریاں اور امید مرجیاں صفتِ ملامت ہے اور اس جمال میں ایک رمز خاص ہے وہ یہ کہ ملامتی کی طبیعت درگاہِ الٰہی کے علاوہ کسی طرف راغب نہیں ہوتی اور ماسوئ اللہ سے نفرت جتنی اسے ہے، کسی کو اس سے زائد نہیں۔ یہ ہمیشہ وجاہت سے متنفر رہتا ہے، برخلاف عوام کے کہ وہ اس حد تک اپنے لیے وجاہت ضرور چاہتا ہے کہ لوگ اسے پسند کریں اور اس کی تعریف ہو بلکہ اپنی تعریف کے لیے جان و دل سے مرجاتا ہے اور اسی تعریف کی خواہش میں اپنے ربّ جل مجدہٗ سے جدا ہو جاتا ہے۔

تو خائف ہمیشہ یہ خوف کرتا ہے کہ خطرہ اس پر نہ آئے اور اس وجہ میں وہ خطرہ کے مقام سے بچا رہتا ہے اور اس سعی و کوشش میں طالب کو دو خطرے پیش ہوتے ہیں:

ایک: خلقت کے حجاب کا خوف۔

دوسرے: ایسے فعل کا نہ کرنا جس سے لوگ اس کے فعل پر اس کے ساتھ گنہگار رہوں اور اس پر عوام زبان ملامت دراز کریں۔

نہ یہ اسے منظور ہو کہ اس کی وجاہت میں لوگ آرام کریں نہ یہ گوارہ کہ وہ اپنے میں کسی کو گنہگار کرے تو ملامتی کو بالخصوص یہ لازم ہے کہ دنیا و عاقبت کی خصومت جو اس کے معاملہ میں ہے اس سے انقطاع کرے اور نجاتِ دل کے لیے وہ کام کرے جو شریعتِ مطہرہ میں نہ کبیرہ ہو نہ صغیرہ تا کہ لوگ اسے رَدّ کریں اور اس کا خوف اُس کے معاملات میں مثل خوف قدریان رہ جائے اور اس کی امید معاملہ ذاتی میں ملامت کرنے والوں کی طرف سے مثل امید مرجیان ہو۔

اور دوستی و محبت کے حقائق میں ملامت سے زیادہ خوشگوار کوئی چیز نہیں، اس لیے کہ دوست کے دل پر دوست کی ملامت کا اثر نہیں ہوتا اور دوست کو سوائے کوچہ گردئ کوئے یار اور کسی سے سروکار بھی نہیں ہوتا اور بغیر کوئے یار اس کی گذر بھی مشکل ہے۔ اور اعتبار کا خطرہ دوست کے دل پر کبھی نہیں ہوتا۔

إِنَّ الْمَلَامَةَ رَوْضَةُ الْعَاشِقِيْنَ وَ نُزْهَةُ الْمُحِبِّيْنَ وَرَاحَةُ الْمُشْتَاقِيْنَ وَ سُرُوْرُ الْمُرِيْدِيْنَ.

''ملامت عاشقوں کا باغ ہے، محبوں کی نزہت و تازگی ہے، مشتاقانِ جمال کی راحت ہے اور مریدینِ خالص کا سرور ہے۔''

یہ جماعت ملامت تن اختیار کر کے ثقلین میں ممتاز ہو گئے اور سلامتی دل میں کوئی ان کے

Marfat.com

مقابل میں نہیں۔ مقربانِ بارگاہ اور کروبیاں خاص اور عالمِ ارواح والے ان کے اس درجہ کو نہیں پہنچتے اور سابقہ امتیوں میں اگرچہ زاہد، عابد، راغب، طالب گذرے اور رب کے چاہنے والے تھے مگر اس مرتبہ کو کوئی نہ پہنچا، سوا اس گروہ کے جو اس امت میں ہوا کہ اپنے سلوکِ طریقت میں سب سے دل منقطع کر کے اپنے دل سے تعلق رکھا۔

لیکن میرے نزدیک طلبِ ملامت ریا خالص ہے اور ریا، عین نفاق۔ اس لیے کہ ریا کار اس راستہ پر چلنا پسند کرتا ہے جس میں عوام کی نگاہیں تکلف پائیں اور لوگ اسے اس راہ پر چلنے کی وجہ سے پسند کریں اور ملامتی اس راستہ پر جاتا ہے جس راستہ پر جاتے ہوئے کو لوگ رَدّ کر دیں اور یہ دونوں قسم کے ملامتی مخلوق میں موجود ہیں۔ اور دونوں کو سوا اس کے اور کسی جگہ سے گذرنا بھی ناممکن ہے۔ ایک ایسی صورت میں ظاہر ہے تو دوسرا ویسی شکل میں، اور درویش کو مخلوق کی کسی بات سے تعلق ہی نہیں تو جبکہ اس کا دل مخلوق سے بے تعلق ہو چکا اور وہ ان دونوں قسموں سے آزاد ہے تو پھر کسی چیز کا پابند نہیں۔

مجھے ایک بار ماوراء النہر کے ملامتی سے ملاقات کا اتفاق ہوا تو جب وہ بے تکلف ہو گیا تو مَیں نے اس سے کہا: بھائی اس قسم کے شوریدہ افعال سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کہنے لگا، مخلوق سے اپنے کو چھپانا۔ مَیں نے کہا کہ لوگ بہت ہیں اور تیری عمر کم، تو زمانہ میں ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا لہٰذا تو خود ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتا تا کہ اس شغل سے بھی تو آزاد ہو جائے اور ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ لوگوں میں مشغول ہوتے ہیں، ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگ ان کی طرف مشغول ہیں۔ تُو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ تو اپنے کو نہ دیکھ تا کہ پھر تجھے کوئی نہ دیکھے۔ جب زمانہ کی الفت کی بلا تو نے دیکھی ہوئی ہے تو تجھے غیر سے کیا کام۔ جس کو کچھ نہ کھانے سے ہی شفا مل جاتی ہے، اُسے دوا کھانے کی کیا حاجت اور اگر وہ ایسا کر رہا ہے تو مرد نہیں۔

ایک گروہ محض ریاضتِ نفس کے لیے اپنے کو ملامتی بنا لیتا ہے تا کہ انہیں لوگ خوار کریں اور اس خواری سے اُن کا نفس ادب سیکھے، کیونکہ اُن کی خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو خواری اور ابتلاء میں دیکھیں۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کبھی آپ اپنی مراد کو پہنچے ہیں یا نہیں؟ فرمایا: ہاں! دو بار مراد ملی ہے۔ ایک بار مَیں کشتی میں تھا اور کوئی مجھے وہاں نہیں جانتا تھا۔ مَیں نے بہت میلے کپڑے پہن رکھے تھے اور میرے سر کے بال لمبے تھے۔ میں اسی حالت میں کشتی میں سوار تھا کہ لوگ میری تحقیر کرنے لگے اور میرا مذاق اُڑانے لگے۔

Marfat.com

اُن لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو تمسخر کرتے کرتے میرے سر کے بال نوچنے، کھسوٹنے لگ گیا اور لوگ مجھ سے تمسخر کرتے کرتے میرا اُور مذاق اڑانے میں مشغول ہوگئے اور مَیں اپنے دل میں اس سے خوش تھا اور مرادِ دلی پا رہا تھا۔ ہوتے ہوتے میری خوشی اپنی حد کو پہنچی اور وہ اس طرح کہ ایک مسخرے نے مجھ پر اُٹھ کر پیشاب کر دیا۔

دوسری بار اس طرح مراد کو پہنچا کہ تیز بارش ہو رہی تھی اور مَیں جا رہا تھا کہ ایک گاؤں میں پہنچا۔ سردی کے موسم نے مجھ پر شدت کر رکھی تھی اور میرا خرقہ پانی میں شرابور تھا۔ مَیں ایک مسجد میں گیا۔ وہاں لوگوں نے مجھے رہنے نہ دیا۔ وہاں سے دو اُور مسجدیں دیکھیں مگر وہاں سے بھی نکال دیا۔ سردی کی وجہ سے میرا دل لرز رہا تھا۔ میں ایک حمام کے چولہے پر گیا اور اپنا خرقہ اس پر تان دیا۔ اُس بھٹی کا دھواں جو گھٹا اس نے میرے کپڑے اور میرا منہ سیاہ کر دیا۔ اس وقت بھی مَیں اپنی مراد کو پہنچا۔

اور مجھے بھی (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ کو) ایک دفعہ ایسا واقعہ گذرا، میں نے اس امید پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ واقعہ حل ہو، مگر حل نہ ہوا۔ اور ایک دفعہ اس سے بھی قبل ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو میں مزارِ حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا اس وقت تک مجاور بنا رہا، جب تک وہ حل نہ ہوا، آخر حل ہو گیا۔

اس دفعہ بھی وہاں کا قصد کیا اور تین بار مزارِ پاک کی مجاورت کی تاکہ حل ہو، مگر نہ ہوا۔ ہر روز تین بار غسل کیے، تیس بار وضو کیے اور اُمیدِ کشف میں رہا مگر بالکل انکشاف نہ ہوا۔ آخر اُٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔ اس شہر میں ایک شب اس علاقہ کے ایک گاؤں ''کمس'' نامی میں اترا۔ یہاں ایک خانقاہ تھی اور اس خانقاہ پر جماعتِ متصوفین موجود تھی۔ مَیں نے خرقہ خشیش یعنی ٹاٹ کا کرتہ پہنا ہوا تھا اور نہایت تھکا ہوا تھا۔ میرے پاس سامانِ اہلِ رسم میں سے کچھ نہ تھا، سوا ایک عصا اور کوزہ کے یعنی ایک ہاتھ کی لکڑی اور چمڑے کے لوٹے کے سوا سامان نہ تھا۔

وہاں کے صوفیوں کی نظروں میں بہت حقیر نظر آیا اور میرا جاننے والا اس جماعت میں کوئی نہ تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر عام رسم کے مطابق آپس میں گفتگو کی کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور بات بھی یہی تھی جو انہوں نے کہی تھی۔ مَیں فی الواقع ان میں سے نہیں تھا۔ لیکن میرے لیے لابدی تھا کہ اُس شب اُس جگہ رہوں۔ مجھے انہوں نے ایک بالا خانہ پر بٹھا دیا اور خود اس سے اُونچے بالا خانہ پر بیٹھ گئے۔

مجھ کو اُنہوں نے ایک روٹی پھینک دی جو بُس کر سبز رنگ کی ہو چکی تھی۔ مَیں اس کھانے

Marfat.com

کی بُو سونگھ رہا تھا جو وہ کھا رہے تھے اور میرے ساتھ طنزاً باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ بالا خانہ پر جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھانے لگے اور اس کے چھلکے میرے اُوپر پھینکتے رہے، اس لیے کہ میں ان کی نظروں میں بہت حقیر تھا۔ آخر مَیں نے اپنے دل میں کہا: الٰہی! اگر یہ لوگ وہ ہیں جو تیرے دوست ہیں تو جامۂ دوست انہیں کیوں مل گیا یا مجھے ان سے علیحدہ نہ کیا ہوتا۔ غرضیکہ جس قدر ان کی طعن مجھ پر زیادہ ہوتی جاتی تھی میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا، حتیٰ کہ ان کی طعن و طنز کے بوجھ سے مجھ پر میرا واقعہ حل ہو گیا اور مَیں نے سمجھ لیا کہ مشائخ نے ان جاہلوں کو کس لیے اپنے اندر رکھا ہوا ہے اور ان کا بار کیوں اٹھائے ہوئے ہیں۔

یہ ہیں احکامِ ملامت جو پوری تحقیق سے مَیں نے حاصل کیے۔

بتوفیقِ الٰہی تبارک وتعالیٰ

Marfat.com

ساتواں باب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

فصل:

اب ہم اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احوال بیان کرتے ہیں جو صحابہ کرامؓ کے پیش رو اور امام گذرے ہیں اور بعد انبیاء سب سے افضل اور معاملات میں سب کے پیشوا اور انفاسِ زکیہ میں قواد اور اہل حال کی جماعت میں بعد انبیاء سابقین الاوّلین اور تمام مہاجرین و انصار سے افضل تر ہیں، تا کہ تیری مراد معلومات پوری ہو۔ ان شاالله عزوجل

ان میں شیخ الاسلام، بعد انبیاء خیر الانام، خلیفۂ پیغمبر و امامِ سیّد اہل تجرید، شہنشاہِ اربابِ تفرید و آفاتِ انسانی سے بعید امیر المومنین حضرت ابو بکر عبداللہ ابن عثمان الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپؓ کی کرامات مشہور ہیں اور احکامات و معاملات میں آپؓ کے قوی دلائل ہیں اور مسائل و حقائق تصوف میں مشہور۔ آپؓ کا کچھ حال تصوف کے باب میں ذکر کیا گیا ہے اس وجہ میں مشائخ کرام آپ کو پیشوا اور اہلِ مشاہدہ مانتے ہیں (اس لیے کہ صاحب مشاہدہ جو ہوتا ہے اس کا حال دوسروں پر کم اور بہت کم منکشف ہوتا ہے) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کی سخت گیری کی وجہ میں پیشواء مجاہدین مانتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے اور علماء میں مشہور ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رات کے وقت نماز میں قرآن کریم آہستہ آہستہ تلاوت فرماتے اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے قرآن کریم با آواز پڑھتے۔ حضور ﷺ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم آہستہ تلاوت کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا: حضور! اَسۡمَعُ مِنۡ اُنَاجِیۡهِ. ''حضور! اس لیے آہستہ پڑھتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ جس کی مناجات کر رہا ہوں وہ مجھ سے غائب نہیں۔'' اور اس کی سماعت ایسی ہے کہ اس کے لیے نزدیک و بعید اور آہستہ پڑھنا یا بلند آواز سے پڑھنا برابر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ عرض کیا:

اُوۡقِظُ الۡوَسۡنَانَ اَیِ النَّائِمَ وَ اَطۡرُدُ الشَّیۡطَانَ.

''میں سوتے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔''

یہ شانِ مجاہدات کا مظاہرہ تھا اور وہ شان مشاہدات کا، اور یہ امر واضح ہے کہ مشاہدہ کے اندر مجاہدہ اس طرح ہے جیسے قطرہ دریا میں اور یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: هَلۡ اَنۡتَ

Marfat.com

اِلَّاحَسَنَةً مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ ''عمر تم ابوبکر کی بھلائیوں میں سے ایک حصہ میں ہو۔'' جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر ہستی جن سے عزت و وقار اسلام ترقی پر آیا۔ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ایک حصہ بھلائی کے مالک ہیں تو غور کر کے دیکھ دنیا کے لوگ آپ کے مقابلہ میں کس درجہ پر ہوں گے پھر باوجود اس شان کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

"دَارُنَا فَانِیَةٌ وَّاَحْوَالُنَا عَارِیَةٌ وَّاَنْفَاسُنَا مَحْدُوْدَةٌ وَّکَسْلُنَا مَوْجُوْدَةٌ. "

''ہمارا گھر فانی ہے ہمارے حالات پرائے ہیں اور ہمارے گنتی کے سانس ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے۔''

تو سرائے فانی میں دل لگانا، عمارت کرنا جہالت کے مقتضیات سے ہے اور اپنے حالات وکوائف پر بھروسہ کرنا حماقت و بیوقوفی ہے اور چند سانس کے بھروسہ پر دل لگالینا غفلت محض ہے اور اپنی کاہلی اور سستی کو دین کہنا خیانتِ مجرمانہ ہے جو موجبِ حرمان ونقصان ہے۔

اس لیے کہ جو چیز عاریۃً آئے وہ واپس جائے گی اور جو چیز گذرنے والی ہے وہ فانی ہے اور کبھی نہیں رہ سکتی اور جو گنتی کے ساتھ ملی وہ ضرور ختم ہوگی اور کاہلی وسستی اس کی دوا معدوم ہے۔ اس فرمان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہوشیار فرمایا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان سے دل لگایا جائے۔ اس لیے کہ جو مشغول بہ فانی ہو گیا وہ باقی کے ساتھ محجوب ہو جائے گا۔

تو جب دنیا اور نفسِ امارہ طالب حق کے لیے زبردست حجاب ہیں تو مجھے لازم ہے کہ ان سے عرض کروں اور جب جان لیا کہ عاریۃً جو چیز ملتی ہے وہ دوسرے کی مِلک ہوتی ہے تو جو چیز کسی اَور کی ملک ہے، اس سے اپنا دست تصرف کوتاہ رکھنا ہی مناسب ہے۔

اور ان ہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی دعاؤں میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَهِّدْنِیْ فِیْهَا.

''الٰہی! میرے لیے دنیا فراخ فرمادے اور مجھے دنیا سے زاہد رکھ یعنی جب مجھ پر دنیا فراخ ہو جائے تو مجھے اس کی آفتوں سے محفوظ رکھ۔''

اس دعا کے ضمن میں ایک رمز ہے، یعنی پہلے مال عطا فرما تاکہ اس کا شکر ادا کروں، پھر ایسی توفیق دے کہ تیرے لیے اس سے ہاتھ کھینچ لوں اور اس سے مستغنی ہو کر منہ پھیر لوں تاکہ مجھے شکر گزاری اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے اور درجۂ صبر بھی اتنا عطا فرما کہ بحالتِ فقر

Marfat.com

مضطر نہ ہو جاؤں تاکہ فقر اختیاری ہو۔ پھر اس میں معاملت کا قول درست ثابت ہوتا ہے، جو کہ فرمایا ہے: جس کا فقر اضطراری ہو، وہ مصنوعی ہے اور جس کا فقر اختیاری ہو وہ وہ ہے کہ اس کا یہ کسب فقر، جلبِ فقر سے منقطع ہوتا ہے تو وہ فقر اس سے بہتر ہے جو بہ تکلف اپنے لیے کوئی دوسرا درجہ بنائے۔

ہم کہتے ہیں کہ فقر کی صفت زیادہ تر ظاہر تب ہو سکتی ہے جبکہ بحالتِ غنا ارادۂ فقر اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک اس ارادہ کو عملی جامہ پہنائے کہ ابنائے بنی آدم کی تمام مرغوب چیزوں سے دل کا رجحان ہٹا لے اور وہ تمام مرغوب انسان اشیاء کے مجموعہ کا نام دنیا ہے نہ یہ کہ بحالتِ فقر وغنا کی خواہش اس کے دل پر مستولی ہو اور اس حد تک دنیا حاصل کرنے میں سعی کرے کہ حصولِ درھم دینار کے لیے بارگاہِ امراء وسلاطین پر جبہ سلائی کرتا پھرے۔ تو اچھی طرح سمجھ لو کہ صفتِ فکر یہ ہے کہ وہ غنا سے فکر کی طرف آئے یہ کہ بحالتِ فقر طالب ریاست ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی مبارک وہ ہستی ہے کہ: "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ" ہیں، اُن سے آگے بڑھ کر کسی کو قدم اُٹھانا رَوا نہیں اور وہ ایسے الفاظ میں دعا فرما چکے ہیں (جو پہلے گزر چکی) اس لیے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور تمام مشائخ متصوفہ اسی مذہب پر ہیں۔ مگر ایک پیر جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور اس کے حجت ودلائل نقل کر کے اس کا ردّ بھی کر دیا ہے اور اس ردّ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اور مؤکد کرتے ہیں، جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو زہری نے روایت کیا ہے۔ یہ دلیل واضح ہے کہ جب آپ نے خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لی، آپ ممبر پر جلوہ آراء ہوئے اور خطبہ پڑھا۔ خطبہ میں آپؓ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ حَرِيْصًا عَلَى الْاَمَارَةِ يَوْمًا وَّ لَا لَيْلَةً وَّ لَا كُنْتُ فِيْهَا رَاغِبًا وَّ لَا سَاَلْتُهَا اللّٰهَ قَطُّ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّمَالِيْ فِي الْاَمَارَةِ مِنْ رَّاحَةٍ.

"خدا کی قسم! میں اس خلافت و امارت کا حریص نہیں ہوں اور نہ تھا اور کسی رات دن میں اس کی خواہش میرے دل میں پیدا نہیں ہوئی اور میری رغبت اس کی طرف نہیں اور نہ مَیں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے حضور خفیہ وعلانیہ اس کے لیے دعا کی اور مجھے اس میں کوئی راحت وخوشی نہیں۔"

حقیقتِ حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے عبد صادق کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور اس درجہ تمکین کے ساتھ معزز وممتاز بنا دیتا ہے تو وہ کسی معاملہ کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتا بلکہ منتظر ہوتا

Marfat.com

ہے کہ بارگاہِ الٰہی کی طرف سے کیا حکم وارد و صادر ہوتا ہے۔ پھر اگر صدورِ حکم ہوتا ہے کہ فقیر بن کر رہ، تو فقیری پسند کرلیتا ہے اور حکم آتا ہے کہ امارت پر متمکن ہو تو امیر بن جاتا ہے۔ کسی معاملہ میں اسے اپنے اختیارات کا تصرف و اختیار نہیں ہوتا اور نہ وہ خود کسی معاملہ میں تصرف کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے ابتداء میں بھی تسلیم ہی اختیار فرمائی اور انتہاء تک اسی تسلیم و رضا کے محور پر رہے، چنانچہ تسلیم و رضا کے مسئلہ پر جتنے بعد میں ہوئے، سب کے سب اُسی ہستی کو اپنا امام و پیشوا مانتے چلے آرہے ہیں اور آپؓ تمام اربابِ تسلیم کے امام اور اہلِ طریقت کے پیشوا خاص ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور انہیں اجل صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے سرہنگِ اہلِ ایمان، صعلوکِ اربابِ احسان، امام اہلِ تحقیق، درِ بحرِ محبت غریق یعنی سردارِ اہلِ ایمان، پیشوائے اربابِ احسان، امامِ اہلِ تحقیق، محبت کے دریا میں غریق ابوحفص سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے کہ آپؓ کی کرامات بہت مشہور ہیں اور آپؓ کی فراست و سیاست عالم میں مذکور ہے۔ بلکہ احکامِ دین کا تشدد اور سیاسیاتِ اسلامی کا تفرس آپ کا ضرب المثل ہے۔ آپ کی باریک بینی لطائف و طریقت میں اور آپ کے مسائل دقیقہ معانی تصوف میں مشہور ہیں۔ بلکہ خود سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ (۱)

''حق زبانِ عمر (رضی اللہ عنہ) پر کلام فرماتا ہے۔''

اور فرمایا حضور ﷺ نے:

قَـدْ كَـانَ فِي الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُ مِنْهُمْ فِيْ اُمَّتِيْ فَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ (۲).

۱۔ حدیث پاک کے مذکورہ الفاظ تو نہیں مل سکے مگر اس کی ہم معنی روایات موجود ہیں جنہیں امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان اللّٰہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبه''. حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث شریف کے الفاظ یوں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان اللّٰہ وضع الحق علی لسان عمر یقول به'' ۔ جبکہ امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ما کنا نبعد أن السکینة تنطق علی لسان عمر۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ کریں: مشکوۃ المصابیح (کتاب المناقب : باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حدیث: ۶۰۳۲، ۶۰۳۴، ۶۰۳۵)۔

۲۔ امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۳۴۹/۳) فضائل الصحابة باب فضل عمر رضی الله عنه) میں حضرت ابوہریرہ کے طریق سے، امام تبریزی نے مشکوۃ المصابیح ۱۷۰۲/۳ میں اور امام سراج طوسی نے کتاب اللّمع (ص: ۱۳۵) میں ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

''پہلی امتوں میں محدث تھے اور اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہی ہے''۔

آپؓ کی طرف سے طریقت میں بے حد رموز و لطائف مذکور ہیں، حتیٰ کہ ان سب کا احصار احاطہ اس کتاب میں نہیں ہوسکتا۔ تاہم بعض ان میں سے نقل کرتا ہوں۔

آپؓ نے فرمایا:

اَلْعَزْلَۃُ رَاحَۃٌ مِّنْ خُلَطَاءِ السُّوْءِ۔

''گوشہ نشینی موجب راحت ہے بُرے ہم نشین و مصاحبین کے اندر رہنے سے۔''

عزلت دو قسم کی ہے: ایک اعراض از مخلوقات۔ دوسرے انقطاع اس مخلوقات سے۔

خلقت سے منہ موڑنا ایسی صورت ہے کہ کسی علیحدہ مقام میں جا بیٹھے اور علانیہ طور پر صحبتِ ابنائے جنس سے بے زار ہو جائے اور اس تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے عیوب کی نگرانی کرے اور اپنے لیے مخالطتِ اغیار سے اتنی خلاصی پائے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ہر قسم کی بدی سے مامون کر دے۔

لیکن مخلوق سے انقطاع دل سے ہوتا ہے اور اس تعلق دلی کی صفت اس شان کی ہوتی ہے کہ اسے ظاہر سے قطعاً تعلق نہیں ہوتا۔

اور جب انقطاع دل کے ساتھ مخلوق سے ہو جائے تو اس کے دل پر اندیشۂ مخلوق مستولی رہتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ اگرچہ مخلوق میں ہو مگر مخلوق سے تنہا ہی ہوتا ہے اور اس کی توجہ مخلوق سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے اور یہ مقام نہایت بلند ہے اور ہر ایک کے لیے یہ شان بہت بعید ہے۔ اس راہ میں صحیح اترنے والے اور اس صفت کے صحیح موصوف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تخلیہ کی راحت کا پتہ دیا اور بظاہر لوگوں میں منصب امارت اور تختِ خلافت پر جلوہ فرماتے تھے۔

اور یہ دلیل واضح ہے کہ اہلِ باطن اگرچہ بظاہر مخلوق میں شامل ہوتے ہیں مگر ان کا دل اپنے جمیلِ حقیقی کے ساتھ آویختہ ہوتا ہے بلکہ ہر حال میں حق جل وعلا شانہٗ کی طرف رجوع رہتے ہیں۔

اور جس قدر مخلوقات سے ان کی صحبت ہو، اُسے منجانب اللہ ایک بلا تصور کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف اس مجبوری سے رجحان کر لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ محبوبانِ الٰہی دنیا سے قطعی طور پر صاف نہیں ہوسکتے اور یہ اگرچہ انہیں گوارہ نہیں، جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''دَارٌ اُسِّسَتْ عَلَی الْبَلْوٰی بِلَا بَلْوٰی مُحَالٌ۔''

Marfat.com

''جس گھر کی بنیاد بلا پر رکھی گئی، محال ہے کہ وہ بلا سے خالی ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجل صحابہ، خاص اصحاب رسالت مآب ﷺ سے ہیں اور اس پایہ کے مقبول بارگاہ لم یزل ہیں کہ آپؓ کے تمام افعال بارگاہِ ایزدپناہ میں مقبول ہیں، حتیٰ کہ جب آپؓ مشرف بااسلام ہونے آئے تو پہلے جبریل علیہ السلام بشارت لائے اور عرض کی:

یَامُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ! قَدِ اسْتَبْشَرَ اَھْلُ السَّمَاءِ الْیَوْمَ بِاِسْلَامِ عُمَرَ.

''حضور! آج ملائکہ کو عمر کے اسلام کا مژدہ ملا ہے۔''

تو اس طائفۂ صوفیاء میں خرقہ پوشی میں باقتداء عمر فاروق رضی اللہ عنہ جاری ہے اور صوفیاء کرامؒ کا مذہب میں سخت اور متصلب ہونا ہی اسی ہستی مقدس کی پیروی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعدِ اسلام سب باتوں میں امامِ خلق ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

انہیں اجل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ابجد وفا بدرگاہ رضا، گنج حیا، اعبد اہل صفا، متعلق درگاہِ کبریا، متجلیٰ بطریق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ابوعمرو حضرت عثمان بن عفان باحیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپؓ کا وجود باجود فوائد دین میں اظہر من الشمس ہے اور مقاصدِ اسلامی میں آپؓ کی فضلیت روشن ہے اور آپؓ کے مناقب ہر شان میں عام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رباح اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''حرب الدار'' کے روز یعنی جس دن بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تھا، ہم امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے۔ جب بلوائی بارگاہِ عثمانی میں جمع ہوگئے تو آپؓ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھالیے اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو میرا غلام ہتھیار اٹھانے سے رُکا رہے وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ ہم خوف بلوہ کی وجہ سے باہر آئے تو راستے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں ملے۔ ان کی ہمراہی میں پھر واپس حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر آئے تاکہ ہمیں اس امر کا علم ہوجائے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بعد سلام سنت الاسلام بلوائیوں کی شرارت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اجازت چاہی کہ ان بلوائیوں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے اور کہا کہ چونکہ آپؓ ہمارے سچے امام ہیں، لہٰذا آپ کی بلا اجازت ہمیں تلوار اٹھانا روا نہیں۔ اس لیے ہم

Marfat.com

چاہتے ہیں کہ آپ سے اجازت حاصل کریں، پھر ان بلوائیوں کے فتنہ کو مٹائیں۔

امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَا ابْنَ أَخِيْ أُرْجِعْ و اجْلِسْ فِيْ بَيْتِکَ حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيْ اِهْرَاقِ الدِّمَاءِ.

''اے بھتیجے! واپس تشریف لے جاؤ اور گھر میں آرام کرو، حتیٰ کہ جو پردۂ تقدیر میں ہے آ جائے۔ ہمیں مسلمانوں کا خون بہانا، اُن پر قتل کا بازار گرم کرنا زیبا نہیں، نہ ایسے کاموں سے ہمیں سروکار ہے۔''

یہ علامات خاص تسلیم رضا کی تھیں کہ عین کربت و غربت اور درد بلا کی حالت میں ظاہر ہوئی اور یہ وہ درجۂ خلت ہے جو نمرود عَلَيْهِ اللُّعْنَةُ کی آگ دہکانے کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا کہ جب منجنیق کے پلے میں آپ علیہ السلام کو ڈال کر آگ کی طرف پھینکا گیا تو جبرائیل امین علیہ السلام حاضر آئے اور عرض کی: هَلْ لَکَ مِنْ حَاجَةٍ؟ ''کیا اس وقت کوئی آپ کو حاجت ہے؟'' آپ نے فرمایا: أَمَّا إِلَيْکَ فَلَا. ''جبریل! تمہاری طرف میری کوئی حاجت نہیں۔'' جبریل علیہ السلام نے عرض کی: حضور! اگر میری طرف کوئی حاجت نہیں تو معطی حقیقی رب جل مجدہٗ کے حضور اپنی حاجت پیش فرمادیں۔ فرمایا: حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ. ''یعنی مجھ کو وہ جانتا ہے کہ اس وقت مجھ پر کیا ہو رہا ہے اور وہ مجھ سے دانا ہے۔ وہ عالم ہے کہ میرے لیے کس حال میں صلاحیت ہے اور کیا چیز میرے حق میں مفید ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس مقام پر مقامِ خلتِ ابراہیم علیہ السلام پر تھے کہ منجنیق اور اجتماع بلوائیاں بجائے آگ کے تھا اور حسن رضی اللہ بجائے جبریلِ علیہ السلام حاضر تھے۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام عین بلا میں جا کر نجات پا چکے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس بلا میں ہلاک ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجات متعلق بہ بقاء ہے اور ہلاک متعلق بفناء۔

اس حقیقت کے متعلق ہم کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تو انفاقِ مال و ہدیۂ جان اور تسلیم امور و اخلاص میں مشائخ طریقت حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متبع ہیں اور وہ یقیناً شریعت و حقیقت میں سچے امام تھے اور ان کی تعلیم وداد و محبت اسلامی میں اظہر من الشمس ہے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

اور انہی میں برادرِ مصطفےٰ ﷺ، غریق بحرِ بلا، حریق نارِ ولا، مقتداء اولیاء و اصفیا ابوالحسن علی بن ابی طالب شیر خدا کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کی شان جادۂ طریقت میں بڑی ارفع و اعلیٰ ہے اور

Marfat.com

بیانِ حقیقت میں ان کی باریک بینی بہت بلند ہے، آپ کا اصولِ حقائق میں خاص حصہ تھا، حتیٰ کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اُن کی شان میں فرماتے ہیں:

شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاءِ عَلِیُّ بْنِ الْمُرْتَضٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

"یعنی اصول عشق ومحبت اور راضی برضاءِ الٰہی کے ماہر ہمارے شیخ وامام حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔"

گویا صاف فرمارہے ہیں کہ علمِ معاملاتِ طریقت میں ہمارے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں، اور اصول اصطلاحِ صوفیاء میں علمِ تصوف اور طریقت کو کہتے ہیں اور طریقت میں عمل خاص جو ہے وہ بلاؤں کو برداشت کرتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض پیرا ہوا کہ یاامیر المومنین! مجھے ہدایت فرمائیں۔ آپؓ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلَنَّ اَکْبَرَ شُغْلِکَ بِأَھْلِکَ وَ وَلَدِکَ فَاِنْ یَّکُنْ أَھْلُکَ وَوَلَدُکَ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَوْلِیَاءَہٗ فَاِنْ کَانُوْا أَعْدَاءَ اللّٰہِ فَمَا ھَمُّکَ وَ شُغْلُکَ لِأَعْدَاءِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ.

"یادرکھو! کہ مشغولیت کو بیوی بچوں میں اہمیت کے ساتھ نہ رجوع کرنا، اس لیے کہ اگر وہ اولیاء اللہ سے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو خراب اور ضائع نہیں فرماتا اور اگر دشمنِ خدا ہوئے تو دشمنانِ خدا کے لیے غمخواری و ہمدردی کیوں ہو!!"

یہ مسئلہ انقطاع ماسویٰ اللہ سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ اللہ جس طرح چاہے اپنے بندوں کو رکھتا ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر کو سخت تنگ حالت میں چھوڑ دیا اور سپردِ خدا کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت حاجرہ کو اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہمراہ لے جاکر انہیں جنگل میں چھوڑا جہاں زراعت وغیرہ بھی نہ تھی۔ ﴿بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ﴾(۱) جس کی شان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اور خدا کے سپرد کردیا اور ان میں اپنے آپ کو مشغول نہ کیا اور اپنا دل اپنے ربِ حقیقی کی طرف رجوع کرلیا۔ حتیٰ کہ ان دونوں کی مراد دو جہاں میں پوری ہوئی۔ باآنکہ بظاہر انہیں اپنے بحالت نامرادی میں چھوڑا گیا تھا مگر وہ اپنے سب کام اپنے رب عزوجل کے سپرد کیے ہوئے تھے۔

۱۔ سورۂ ابراہیم: ۳۷

Marfat.com

اسی قسم کی بات وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک پوچھنے والے کو فرمائی، جبکہ آپؓ سے اس نے سوال کیا کہ پاکیزہ ترین عمل کیا ہے؟ فرمایا: غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللّٰہِ. یعنی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ساتھ دل کا ہر شے سے مستغنی ہو جانا۔ حتیٰ کہ دنیا کے نہ ہونے سے فقیر نہ ہو اور مال کی کثرت کی وجہ میں مسرور نہ ہو۔ اس قول کی حقیقت اسی فقر و صفوت کی طرف جاتی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

تو اہلِ طریقت حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی پیروی حقائق عبارات و دقائق اشارات میں کرتے ہیں اور تجریدِ علومِ دنیا و آخرت سے حاصل کرنے اور نظارۂ تقدیر حق میں رہنا بھی انہیں کی اطاعت کے ماتحت ہے اور لطائفِ کلام میں آپؓ کے مضامین اس قدر ہیں کہ ان کی گنتی نہیں ہو سکتی اور اس کتاب میں میرا رویہ اختصار پر ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

Marfat.com

آٹھواں باب

اہلِ بیت رضی اللہ عنہم

اہل بیتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہ پاک ہستیاں ہیں کہ ان کے لیے پاکی اَزلی ان کی ذات کے واسطے مخصوص ہے اور ان میں ہر ایک طریقت میں کامل اور مشائخ طریقت کے امام ہیں۔ عام اس سے کہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے۔ مَیں ان کے ایک گروہ کا کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان شا اللہ تعالیٰ

امام حسن سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ان میں سے جگر بندِ مصطفےٰ وریحانِ دلِ مرتضیٰ، قرۃ العینِ زہرا، ابو محمد حسن بن علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ ان کو طریقت میں نظر کامل عطا ہوئی اور تصوف کے مسائل حل کرنے اور اس کے دقائق بیان فرمانے میں آپ کو بڑا حصہ ملا ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِحِفْظِ السَّرَائِرِ فَإِنَّ اللّٰهَ مُطَّلِعٌ عَلَى الضَّمَائِرِ."

"تمہیں اپنی اندرونی اسرار کا محفوظ رکھنا لازمی ہے اس لیے کہ اللہ ضمیروں کے حال کا جاننے والا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو حکم ہے کہ راز کے معاملات پر نگاہ رکھے اور اس کی محافظت ہمیشہ کرتا رہے تو رازِ الٰہیہ کا نگاہ رکھنا عدم التفات کی بالا غیار کو مستلزم ہے، اور اظہار راز کی محافظت کرنا مخالفت جبار کو مستلزم ہے۔

کہتے ہیں کہ جب قدریوں نے غلبہ پایا اور مذہب معتزلہ (یعنی منکرین عالم بطون) جہان میں پھیلا تو خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت مولاءِ کائنات شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس پر یہ مرقوم تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ و قُرَّةَ عَيْنَيْهِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ. أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّكُمْ مَعَاشِرُ بَنِيْ هَاشِمٍ كَالْفُلْكِ الْجَارِيَةِ فِيْ بَحْرٍ لُجِّيٍّ وَ مَصَابِيْحُ الدُّجٰى وَاَعْلَامُ الْهُدٰى وَالْأَئِمَّةُ الْقَادَةُ الَّذِيْنَ

Marfat.com

مَنْ تَبِعَهُمْ نَجَا كَسَفِيْنَةَ نُوْحٍ نِ الْمَشْحُوْنَةِ الَّتِيْ يَئُوْلُ اِلَيْهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَ يَنْجُوْا فِيْهَا الْمُسْتَمْسِكُوْنَ فَمَا قَوْلُكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عِنْدَ حَيْرَتِنَا فِي الْقَدْرِ وَاخْتِلَافِنَا فِي الْاِسْتِطَاعَةِ لِتَعَلُّمِنَا بِمَا تَأَكَّدَ عَلَيْهِ رَأْيُكَ فَاِنَّكُمْ ذُرِّيَّةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ بِعِلْمِ اللّٰهِ عُلِّمْتُمْ وَهُوَ الشَّاهِدُ عَلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ . . . . وَالسَّلَامُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

''سلام ہو آپ پر اے فرزند سرور عالم اور نور چشم رسول !اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر ہمیشہ رہیں۔آپ لوگ بنی ہاشم مثل ہمارے لیے ایسے کشتی کے ہیں جو موجزن دریا متلاطم میں چل رہی ہو اور آپ وہ ستارے ہیں کہ جو ان کی پیروی اور راہنمائی کے مطابق چلا ،اس کو اس میں امن مل گئی اور جو آپ لوگوں کی پیروی کر لے گا ،نجات پائے گا ،جس طرح کشتی نوح علیہ السلام کے پیرو نجات پا گئے اور مومن ہو گئے ۔فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے ،اے ابن رسول ﷺ! ہمارے اس تحیر میں جو قدریوں کی وجہ سے پیدا ہوا اور وہ اختلاف جو اپنی اپنی معلومات کے ماتحت پیدا ہو گیا ہے ،تا کہ ہم سمجھ سکیں کہ اس وقت آپ کا مسلک کیا ہے ،اس لیے کہ آپ اہلِ بیتِ نبی اکرم ﷺ سے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہو سکتا ،بلکہ وہ ذات پاک آپ کی نگہداشت و محافظت میں ہے اور آپ مخلوقات کے محافظ ہیں اور اُن کے گواہ ۔۔۔ والسلام ۔''

جب یہ نامہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ملا ،آپ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو یہ جواب ارقام فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَتٰى اِلَيَّ كِتَابُكَ عِنْدَ حَيْرَتِكَ وَحَيْرَةِ مَنْ زَعَمْتَ مِنْ اُمَّتِنَا وَالَّذِيْ عَلَيْهِ رَأْيِيْ اِنَّ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ حَمَلَ الْمَعَاصِيْ عَلَى اللّٰهِ فَقَدْ فَجَرَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُطَاعُ بِاِكْرَاهٍ وَّلَا يُعْصٰي لِغَلَبَةٍ وَ لَا يُمْهِلُ الْعِبَادَ فِيْ مِلْكِهٖ لٰكِنَّهُ الْمَالِكُ لِمَا مَلَّكَهُمْ وَ الْقَادِرُ عَلٰى مَا عَلَيْهِ مَا قَدَّرَهُمْ فَاِنِ ائْتَمَرُوْا

Marfat.com

بِالطَّاعَةِ لَمْ يَكُنْ صَادًا وَلَاهُمْ عَنْهَا مُثَبِّطًا وَاِنْ اَتَوْا بِالْمَعْصِيَةِ وَ شَاءَ اَنْ يَّمُنَّ عَلَيْهِمْ فَيَحُوْلُ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَهَا فَعَلَ وَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ هُوَ حَمَلُهُمْ عَلَيْنَا اِجْبَارًا وَّلَا اَلْزَمْ اِكْرَاهًا بِاِحْتِجَاجِهٖ عَلَيْهِمْ اِنْ عَرَفَهُمْ وَ مَكَّنَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمُ السَّبِيْلَ اِلٰى اَخْذِ مَادَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَ تَرْكُ مَانَهَاهُمْ عَنْهُ وَ لِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ .... وَالسَّلَامُ .

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہرباں نہایت رحم والا ہے۔

”آپ کی کتاب یعنی تحریر ہمیں ملی۔ اس میں جو آپ نے اپنی حیرت کے متعلق لکھا ہے اور جو ہماری اُمت کے متعلق مسئلہ قدر میں لکھا ہے اور اس کی بابت ہماری رائے مستقیم یہ ہے کہ جو شخص قدر خیر و شر من اللہ پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور جو اپنے افعال معصیت کو خدائے جلّ مجدہٗ کی مشیت کی طرف منتسب کرے وہ فاجر، یعنی انکارِ قدر و تقدیر کرنا مذہب قدریہ ہے اور اپنے بُرے افعال اور گناہوں کو مشیتِ الٰہیہ کی طرف منسوب کرنا مذہب جبریہ ہے۔ اس لیے کہ بندہ کو مختار کیا گیا ہے۔ اس کے افعال اور اکتساب میں اُس کی استطاعت و قوت کی حد تک اور یہ اختیار منجانب اللہ عطا ہوا ہے اور ہمارا دین قدر و جبر کے درمیان ہے اور میری مراد اس نامہ میں جو کچھ میں نے ظاہر کی ہے، اس سے زائد ایک کلمہ نہیں ہے۔“

لیکن کچھ اور الفاظ اس لیے لکھتا ہوں تا کہ مضمون زیادہ واضح اور فصیح ہو جائے، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حقائق اور اصول علم میں اتنے بلند درجہ پر تھے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اُن کی طرف علوم میں بہت مبالغہ کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے اور حکایتوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ جنگل سے ایک اعرابی آیا اور حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اُس وقت کوفہ میں ایک مکان کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ اس نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے سب و شتم کے ساتھ مکالمہ شروع کر دیا اور اتنا بڑھا کہ آپ کے آباء و اجداد کرام کی شان میں بھی بکنے لگا، حضرت امامؓ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اُسے فرمایا کہ میاں اعرابی! تم مجھے بھوکے معلوم ہوتے ہو یا پیاسے یا تمھیں کوئی تکلیف پہنچی ہوئی ہے۔ اس نے جواب میں اور سخت کلام شروع کر دی۔ حتیٰ کہ بکنے لگا: تم ایسے، تمہاری والدہ ایسی، تمہارے باپ ایسے۔

امام سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے خادم کو حکم دیا کہ چاندی کا کوزہ اندر سے لائے، وہ لایا۔

Marfat.com

آپؓ نے وہ کوزہ نقری اسے عطا فرمایا اور کہا میاں معاف کرو، اس وقت ہمارے پاس یہی تھا ورنہ اور کچھ خدمت بھی کرنے میں دریغ نہ تھا۔ اعرابی نے جب یہ الفاظ سنے اور جب یہ سخاوت دیکھی تو پکار اٹھا:

اَشْهَدُ اَنَّکَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ.

"میں گواہی دیتا ہوں بیشک آپ ابن رسول اللہ ﷺ ہیں۔"

اور میں صرف آپ کے حلم و کظم غیظ کے تجربہ کے لیے آیا تھا اور یہ صفت محققان مشائخ کی ہے کہ مدح و ذم خلائق ان کے نزدیک یکساں ہوتی ہے اور وہ لوگ کسی کلمہ سخت و ست سے اپنی حالت متغیر نہیں کرتے۔

امام حسین سیّدُ الشہداء رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے شمع آل محمد، از علائقِ خلائق مجرد، سید زمانہ خود ابو عبداللہ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ جو محققانِ اولیاء کرام سے ہیں اور قبلۂ اہل صفاء، قتیل دشت کربلا ہیں اور شہزادہ گلگونِ قبا ہیں۔

اس قصہ میں محققین صحیح حالات کے ماتحت متفق ہیں کہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے اُس وقت تک اُن پر تلوار نہیں اٹھائی جب تک وہ کچھ بھی مائل بحق تھے اور اتباع کی طرف جھکے رہے، جبکہ احقاق حق ان سے مفقود و معدوم ہو گیا، اُن پر شمشیر کھینچی۔ حتیٰ کہ جان عزیز کو فدائے بارگاہِ الٰہی کر دیا اور جب تک جان فدا نہ فرما دی، آپؓ نے آرام نہ فرمایا۔ آپؓ میں سرکار ابد قرار ﷺ کے اخلاق کریم کے بہت سے ایسے نشان تھے کہ آپؓ کی ذاتِ مقدس ہی اُن نشانوں میں سے مخصوص تھی۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور ﷺ نے سیدنا امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو اپنی پشتِ اقدس پر سوار کر رکھا تھا اور ایک ڈوری اپنے دہن مبارک سے نکال کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں دے رکھی تھی اور امام حسین رضی اللہ عنہ ہانک رہے اور حضور ﷺ اپنے گھٹنوں سے تشریف لے جا رہے تھے۔ تو جب مَیں نے یہ شان دیکھی تو عرض کیا:

نِعَمَ الْجَمَلُ جَمَلُکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ.

"اے ابو عبداللہ آپ نے سواری تو بہت عجیب پائی۔"

تو حضور ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

وَنِعْمَ الرَّاكِبُ یَاعُمَرُ. (۱)

''اے عمر! سوار بھی تو بہت اچھے ہیں۔''

اس گفتگو میں بہت لطیف باتیں اور اہل طریقت کے لیے بہت سے رموز ہیں اور عجیب وغریب معاملات ظاہر ہیں۔ انہیں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَشْفَقُ الْاِخْوَانِ عَلَیْکَ دِیْنُکَ.

''شفیق ترین تیرا بھائی تیرا دین ہے۔''

اس لیے کہ نجات انسان کی متابعت دین میں ہے اور اس کی ہلاکت مخالفتِ دین میں، تو انسان کو چاہیے کہ اپنے مشفق کے حکم کے ماتحت چلے اور اس کی شفقت کا سایہ اپنے اوپر سمجھے اور اس کی پیروی بغیر کسی طرف نہ جائے۔

اور بھائی وہی ہے کہ نصیحت کرتا رہے اور شفقت ومحبت میں اس کا پابند نہ بنے۔ ایک حکایت میں ہے کہ ایک روز ایک شخص حضرت امام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ اے ابن رسول اللہ! مَیں غریب ومفلس عیالدار ہوں، مجھے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آج شب کھانے کا انتظام ہونا چاہیے۔ آپؓ نے فرمایا: بیٹھ جا ہمارا وظیفہ راستہ میں ہے، آجائے تو تجھے دے دیں۔ تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ پانچ تھیلیاں دینار کی لائی گئیں، جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آئی تھیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ لانے والے نے کہا: حضور! معاویہ معافی چاہتے ہیں اور اُن کی یہ خواہش ہے کہ یہ رقم غرباء میں تقسیم فرمادیں۔ آپؓ نے وہ تھیلیاں اسی سائل کو دے دیں اور معذرت فرمائی کہ تجھے انتظار میں بہت دیر ٹھہرنا پڑا۔ اگر اتنی سی رقم کا مجھے گمان ہوتا تو تجھے اس قدر زحمت کشِ انتظار نہ بناتا۔ ہمیں معاف کر اس لیے کہ ہم اہل بلا سے

۱۔ نعم الراکب هو یاعمر! (فی روایة عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه رأی ابا عبدالله الحسین بن علی رضی الله عنهما راکب النبی صلی الله علیه وآله وسلم، فقال: نعم الجمل جملک یا ابا عبدالله! فقال صلی الله علیه وسلم....الخ. یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی تو نہیں ملی لیکن امام ترمذی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: کان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم حاملا الحسین بن علی رضی الله عنه عنهما علی عاتقه، فقال رجل: نعم الراکب رکبت یا غلام! فقال النبی صلی الله علیه وآله وسلم: ونعم الراکب هو:

حوالہ کے لیے: مشکاة المصابیح ۳/۱۷۳۹ (کتاب المناقب: باب مناقب اهل بیت النبی صلی الله علیه وآله وسلم)

Marfat.com

ہیں اور ہم نے جملہ عیش دنیاوی سے انقطاع کر لیا ہے اور اپنی تمام تمنائیں اورآرزوئیں مٹا دی ہیں اور دوسروں کی تمنا پوری کرنے میں عمر وقف کر دی ہے۔

علاوہ اس کے آپ کے بہت سے فضائل ایسے ہیں جو امت کے کسی فرد سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے وارثِ نبوت، چراغ امت، سید مظلوم، امام محروم، زین عباد، شمع اوتاد، ابوالحسن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو اکرم اعبد اپنے زمانہ کے لوگوں میں سے گذرے۔

آپ بیانِ حقائق اور انکشافِ دقائق میں لوگوں کے اندر مشہور تھے۔ آپؓ سے لوگوں نے پوچھا: حضور! دنیاوآخرت میں نیک بخت شخص کون ہوسکتا ہے؟ فرمایا:

مَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یَحْمِلْهُ رِضَاهُ عَلَى الْبَاطِلِ وَ اِذَا سَخِطَ لَمْ یُخْرِجْهُ سَخَطُهُ مِنَ الْحَقِّ.

"وہ شخص دارین میں نیک بخت ہوسکتا ہے، جب خوش ہو تو باطل پر نہ ہو اور جب غضبناک ہو تو اس کا غصہ اسے حق سے باہر نہ کردے۔"

اور یہ صفت اُسی میں ہوسکتی ہے جو اپنے اوصافِ کمال میں استقامت حاصل کر چکا ہو، اس لیے کہ رضا بالباطل باطل ہے اور غضبناکی میں حق وصداقت کا ہاتھ سے چلا جانا اور خشمگینی کی حالت میں انصاف کا خون کر دینا بھی باطل ہے اور مومن کامل، باطل کو اختیار کرنے والا کسی حالت میں نہیں بن سکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لختِ جگر حضرت امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کر لیا گیا تو تمام کے شہید ہو جانے کے بعد سوائے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے محذرات عصمت کی نگرانی کو کوئی نہیں تھا اور آپؓ اس وقت بیمار تھے۔ حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ آپ کو "علی اصغر" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

جب مریم عفتِ پناہ کے قافلہ کو اونٹوں پر سر برہنہ بے پردہ دمشق لایا گیا اور یزید بن معاویہ **عَلَيْهِ مَا يَسْتَحِقُّ، اَخْزَاهُ دُوْنَ اَبِيْهِ.** کے روبرو پیش کیا گیا تو کسی نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے عرض کی:

كَيْفَ اَصْبَحْتُمْ يَا عَلِيُّ وَ يَا اَهْلَ بَيْتِ الرَّحْمَةِ.

Marfat.com

"اے علی اور اے اہل بیت رحمت! آپ لوگوں نے آج کیسی صبح فرمائی۔"

آپ نے فرمایا:

اَصْبَحْنَا فِیْ قَوْمِنَا بِمَنْزِلَةِ قَوْمِ مُوْسٰی مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَائَھُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَائَھُمْ فَلَا نَدْرِیْ صَبَاحَنَا بَیْنَ مَسَائِنَا وَ ھٰذَا مِنْ حَقِیْقَةِ بَلَائِنَا .

"ہماری صبح ہماری قوم کے ظلم و جور سے ایسے ہوئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی صبح ظلمِ فرعون سے ہوئی کہ قومِ موسیٰ علیہ السلام کے بچوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اس وقت اپنی صبح کو شام کے مابین نہیں جانتے۔ ہمارے امتحان و ابتلاء کی یہ حقیقت ہے اور ہم اپنے ربّ ذوالجلال کا شکر ہر حال میں بھی ادا کر رہے ہیں اور اس کے امتحان پر صبر کر رہے ہیں۔"

ایک حکایت میں ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان ایک سال حج کے لیے آیا اور طوافِ بیت اللہ سے فارغ ہو کر استلام حجر اسود کو چلا، مگر انبوہِ خلق کی وجہ سے اُسے راستہ نہ ملا، خدامِ عرب نے اس کے لیے کرسی لگا دی۔ وہ بیٹھا اور خطبہ کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو آپؓ کے روئے انور سے چاند کی طرح روشنی پھیل رہی تھی اور رخسارۂ مبارک سے نور تاباں تھا اور لباس معطر کے عطر بیزی سے راستہ مہک گیا، اوّل آپؓ نے طوافِ بیت فرمایا پھر جبکہ آپؓ حجر اسود کے پاس پہنچے تو لوگوں نے آپؓ کو تشریف لاتے دیکھ کر تعظیماً راستہ صاف کر دیا اور آپؓ باآسانی حجر اسود کے بوسہ کو تشریف لے گئے۔ ہشام آپ کی یہ ہیبت اور سطوت دیکھ رہا تھا۔ ایک شامی نے ہشام سے پوچھا اے امیر المؤمنین یہ عزت اور عظمت والا کون ہے کہ تجھے حجر تک لوگوں نے راستہ نہ دیا، حالانکہ امیر المؤمنین تُو ہے اور یہ جوان رعنا حسین وجمیل کون ہے کہ وہ جب آیا تمام لوگ حجر اسود سے ایک طرف ہٹ گئے اور صرف اُس کے لیے راستہ حجر اسود خالی کر دیا؟

ہشام اگرچہ جانتا تھا مگر محض اس خیال سے کہ شامی لوگ انہیں پہچان کر ان کے ساتھ عقیدت نہ کر لیں اور اس کی امارت و ریاست میں کہیں فرق نہ آ جائے، کہنے لگا میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔ اتفاقاً فرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا۔ کہنے لگا ہشام! تو نہ جانتا ہوگا مگر میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ شامیوں نے کہا: ابوفارس! بتا یہ کون ہیں تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ اتنی شان وشکوہ والا جوان

Marfat.com

آخر کون ہے؟ فرزدق نے کہا: لوسنو! میں ان کے صفاتِ جمیلہ تمہیں سناتا ہوں، پھر برجستہ فرزدق نے یہ اشعار آپ کی مدح میں سنائے:

قصیدہ فرزدق ابو فارس

(جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہشام کے سامنے سنایا تھا)

هٰذَا الَّذِیْ تَعرِفُ الْبَطْحَاء وَطْأَتَهٗ وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

"یہ وہ ہستی ہے جس کے قدموں کی آہٹ سرزمین بطحا جانتی ہے اور ان کے منصب جلیل کو کعبہ جانتا ہے اور حل وحرم واقف ہے۔"

هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمْ هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

"یہ لختِ جگر ہے اس ہستی پاک کا جو اللہ کے بندوں میں سب سے افضل ہے، یہ خود پرہیزگار، پاکباز اور پاک باطن دنیا میں مشہور ہے۔"

هٰذاابْنُ فَاطِمَةَ اِنْ کُنْتَ جَاهِلَهٗ وَبِجَدِّهٖ اَنْبِیَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُ

اچھی طرح پہچان لے یہ نورِ نظر سیدہ زہرا فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا ہے اگر تو ان سے بے خبر ہے اور یہ وہ ہے جس کے جدِ امجد کی بعثت پر اللہ کے تمام نبیوں کی تشریف آوری ختم ہے۔"

یَنْمِیْ اِلٰی ذِرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِیْ قَصُرَتْ عَنْ نَیْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

"انہوں نے وہ بلند مقام حاصل فرمایا جس کے مساوی عزت حاصل کرنے سے قاصر ہیں عرب وعجم کے تمام مسلمان۔"

اِذَا رَاٰهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُهَا اِلٰی مَکَارِمِ هٰذَا یَنْتَهِی الْکَرَمُ

"جب قبائل قریش ان کی رفعتِ شان دیکھتے ہیں تو پرکھنے والا کہہ دیتا ہے ان کے منصب جلیل تک اعزاز ومناقب ختم ہوجاتے ہیں۔"

مَنْ جَدُّهٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَاءِ لَهٗ وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

"یہ وہ ہیں جن کے جدِ امجد کے منصب کے آگے تمام انبیاء نیچے ہیں اور یہ وہ ہے کہ ان کی امتیوں کی فضیلت سے تمام امتیوں کی فضیلت کم ہوگئی۔"

یَنْشَقُّ نُوْرُ الدُّجٰی عَنْ نُوْرِ طَلْعَتِهٖ کَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

Marfat.com

''ان کی وجہ منیر کے ظہور سے ہدایت کے انوار پھیل گئے، جیسے سورج کی روشنی سے ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔''

یَکَادُ یُمْسِکُہٗ عِرْفَانَ رَاحَتِہٖ رُکْنُ الْحَطِیْمِ اِذَامَا جَآءَ یَسْتَلِمُ

''شاید ان کے دستِ اقدس کی ہتھیلی کی خوشبو کو جمع کر لیا ہے رکن حطیم نے، جبکہ وہ حجر چومنے آئے۔''

یُغْضِیْ حَیَاءً وَّ یُغْضِیْ مِنْ مَّھَابَتِہٖ فَمَا یُکَلَّمُ اِلَّا حِیْنَ یَبْتَسِمُ

''حیاءِ ایمانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں بند ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ان کی مہابتِ شان سے بند ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے کلام صرف اس وقت کیا جا سکتا ہے جب وہ تبسم ریز لہجہ میں ہوں۔''

فِیْ کَفِّہٖ خَیْزَرَانَ وَ رِیْحُھَا عَبَقٌ مِنْ کَفِّ اَرْوَعَ فِیْ عِرْنِیْنِہٖ شَمَمٌ

''اُن کے دست نوری میں خزران کی چھڑی ہے اور اس کی مہک اُڑ رہی ہے اور وہ ایسے کے ہاتھ میں ہے جو بہت اونچی ناک والا سردار ہے۔''

مُشْتَقَّۃٌ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ یَنْعَتُہٗ طَابَتْ عَنَاصِرُہٗ وَ الْخِیْمُ وَ الشِّیَمُ

''یہ اللہ کے رسول ﷺ کی ذات سے مشتق ہے اور اس کی تعریف جہان کر رہا ہے۔ اس کا عنصری وجود ہی پاک ہے اور اس کی خصلتیں اور عادتیں بھی پاک ہیں۔''

فَلَیْسَ قَوْلُکَ مَنْ ھٰذَا بِضَائِرِہٖ اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْکَرْتَ وَالْعَجَمُ

''تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے ان کو نقصان نہیں دے سکتا، اس لیے کہ انہیں عرب جانتا ہے اور جس سے تو نے تجاہلِ عارفانہ کیا، اسے عجم جانتا ہے۔''

کِلْتَا یَدَیْہِ غِیَاثٌ عَمَّ نَفْعُھُمَا یَسْتَوْفِیَانِ وَلَا یَعْرُوْھُمَا الْعَدَمُ

''ان کے دونوں ہاتھ ایسے برستے ہوئے بادل ہیں جن سے عام نفع ہے، ہر ایک کے ساتھ وہ ہاتھ اعانت کرتے ہیں اور اُن پر اس صفت کا عدم نہیں آتا۔''

عَمَّ الْبَرِیَّۃَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ عَنْہُ الْغِیَابَۃُ وَالْاِمْلَاقُ وَالظُّلَمُ

''محسن عالم ہیں اپنے احسانات کے ساتھ اور ان کی شان جو ان کی وجہ میں ہے پراگندہ ہو چکی ہیں گمراہی، محتاجی اور ظلم کی اندھیریاں۔''

لَا یَسْتَطِیْعُ جَوَادٌ بَعْدَ غَایَتِھِمْ وَلَا یُدَانِیْھِمْ قَوْمٌ وَّاِنْ کَرُمُوْا

Marfat.com

''دنیا کا کوئی سخی ان کی منتہاءِ سخاوت کو پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا، اور کوئی قوم کا بڑا ان کی برابری نہیں کرسکتا اگر چہ وہ اپنی قوم میں معزز ہو۔''

هُمُ الْغُيُوْثُ اِذَا مَا اَزَمَةٌ اَزَمَتْ وَالْاُسْدُ اُسْدُ الشَّرٰى وَالْبَاْسُ مُحْتَدَمٌ

''قحط سالی میں یہ موسلا دھار بارش ہیں جبکہ وہ قحط سخت ہو چکا ہو اور شیر ہیں سخت گرم ایام اور انتہائی مایوسی میں۔''

سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ لَا يَخْشٰى بَوَادِرَهٗ يُزَيِّنُهُ اثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّيَمُ

''نہایت نرم دل ہیں، حتیٰ کہ ان کے غصہ سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتا بہ سبب اس کے کہ یہ دو صفتوں، حسنِ خلق اور حسنِ خصلت سے مزیّن ہیں۔''

مِنْ مَّعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَّ بُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَّقُرْبُهُمْ مَنْجًا وَّ مُعْتَصَمُ

''یہ اس گھرانہ سے ہیں جس کی محبت عین دین ہے اور ان سے بغض کرنا کفر اور ان کا قرب مقامِ نجات ہے اور قلعہٗ محافظت۔''

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ اَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ هُمْ

''اگر زمانہ کے متقی گنے جائیں تو سب ان کے متبع ہوں گے۔ اگر پوچھا جائے کہ روئے زمین میں سب سے افضل کون ہے، تو کہا جائے گا یہی ہیں۔''

سِيَّانِ ذٰلِكَ اِنْ اَثْرُوْا وَاِنْ عَدِمُوْا لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِّنْ اَكُفِّهِمِ

''اُس کا ہاتھ کبھی عطا کرنے سے نہیں رکتا خواہ تنگی ہو، برابر ہے ان کے لیے خواہ دولت ہو یا نہ ہو۔''

اَللّٰهُ فَضَّلَهٗ قِدْمًا وَّ شَرَّفَهٗ جَرٰى بِذَالِكَ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمُ

''اللہ نے فضیلت بخشی ہمیشہ سے اور شرف تام عطا فرمایا اور ان کے اکرام کا حکم لوح و قلم میں جاری ہو چکا۔''

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّ مَخْتُوْمٌ بِهِ الْكَلِمُ

''اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر ہی ہے، ہر دن، اور اس کے علاوہ ہر کلام پر مہر لگ گئی ہے۔''

مَنْ يَّعْرِفُ اللّٰهَ يَعْرِفْ اَوَّلِيَّتَهٗ ذَا وَالدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ

''جو اس ہستی الٰہی کو جانتا ہے ان کی فضیلت کو بھی جانتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دین ان کے گھر سے امت نے حاصل کیا۔''

Marfat.com

اَیُّ الْقَبَائِلِ لَیْسَتْ فِیْ رِقَابِھِمْ لِأَوَّلِیَّتِہٖ ھٰذَا أَوْلَہٗ نِعَمْ

"عرب کا کونسا قبیلہ ہے جس کی گردن میں نہ ہوان کی بزرگی کا قلادہ، یا اس کے لیے ان کے گھر سے نعمتیں نہ پہنچی ہوں۔"

اور اس کے مثل چند اور بیت فرزدق نے کہے اور اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم کی تعریف اتنی زیادہ کی کہ ہشام غضبناک ہوگیا اور حکم دے دیا کہ اسے عسفان میں قید کیا جائے۔ عسفان مکہ و مدینہ کے پاس ایک مقام ہے (جہاں ایک کنواں ہے جس میں قیدی بند کیے جاتے تھے)۔

اس واقعہ کی خبر لوگوں نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کردی۔ آپؓ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کو بطور عطیہ بھیجے اور فرمایا اُسے کہنا ابو فارس! ہمیں معاف کرے کہ ہم لوگ اس وقت امتحان وابتلاء میں ہیں، اس ہدیہ سے زائد اس وقت ہمارے پاس کچھ نہ تھا جو کچھ زائد عطا فرماتے۔

فرزدق نے وہ درہم نقری واپس کیے اور کہلوایا کہ حضور قسم بخدا! زر وسیم کے لالچ میں بادشاہ وامراء کے دربار میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں مگر وہ محض دروغ بیروغ ہی تھا، مگر یہ قصیدہ جو مَیں نے کہا ہے یہ محض اپنے گناہوں کے کفارہ کے لیے اور اللہ ورسول ﷺ کی محبت کے لیے لکھا ہے۔

جب یہ پیغام حضور زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ملا، آپ نے حکم دیا کہ درہم واپس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ ابو فارس! اگر ہمیں دوست رکھنا ہے تو ایسا نہ کر، اس لیے کہ ہم جو چیز کسی کو عطا فرمادیں وہ واپس نہیں لیا کرتے تو بتعمیل حکم فرزدق نے وہ عطیہ قبول کیا۔

اور درحقیقت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں جو فرزدق نے کہے۔ ان کا جمع کرنا امکان میں نہیں۔

حضرت امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ:

اسی گھرانہ سے حجتِ اہل معاملت، برہانِ اربابِ مشاہدت، امامِ اولادِ نبی، برگزیدۂ نسل علیؓ حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الباقر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؓ کی کنیت بھی "ابوعبداللہ" تھی اور آپ کا لقب "باقر" تھا۔ آپؓ بیان علوم دقیقہ اور لطائف اشارات میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصیت سے مشہور ہیں۔ آپؓ کی بہت سی کرامات مشہور ہیں اور آپؓ کے بہت سے نشانات اور دلائل انور معروف ہیں۔

Marfat.com

آپؒ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اس نیت سے بلوایا کہ جب یہاں آجائیں تو انہیں شہید کر دیا جائے۔ آپؒ بلاخوف وخطر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپؒ اس کے قریب پہنچے تو اُس نے معذرت کی اور کچھ ہدیہ پیشکش کیا اور بڑے ادب واحترام سے واپس کیا۔ حاضرین دربار نے خلاف توقع عمل دیکھ کر کہا کہ جہاں پناہ نے تو امام کو شہید کرنے کی نیت سے بلایا تھا، لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو اور طرح برتاؤ کرتے دیکھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ بادشاہ کہنے لگا کہ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ دو شیر ان کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے

حضرت امام ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ آپؒ نے آیۂ کریمہ: ﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ﴾(۱) کی تفسیر میں فرمایا: **کُلُّ مَنْ شَغَلَکَ عَنْ مُطَالَعَۃِ الْحَقِّ فَھُوَ طَاغُوْتُکَ**، ''ہر وہ چیز جو تجھے مطالعۂ حق سے باز رکھے وہ ہی تیرا بت ہے۔''

تو خیال رکھ کہ کیا چیز تجھے حق سے محجوب رکھتی ہے اور کس چیز کی وجہ سے تجھے حق سے بُعد ہوا۔ اُسی کو ترک کر دے تاکہ تو مرتبۂ کشف میں پہنچے اور بارگاہ تقرب سے ممنوع ومحجوب نہ رہے اور جو ممنوع ہے اُسے یہ زیبا نہیں کہ وہ دعویٰ تقرب کرے۔

آپؒ کی خصوصیات میں ایک روایت ہے کہ آپؒ کچھ رات گذر جانے کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہو جاتے تو باآواز بلند الفاظ میں دعا فرماتے۔

''اے میرے ربّ! اے میرے مالک! رات آگئی ہے اور بادشاہوں کی حکومت انجام کو پہنچ گئی۔ ستارے آسمان پر ظاہر ہو گئے اور سب لوگ ایسے سو گئے ہیں کہ گویا ناپید ہو گئے۔ آدمیوں کی آوازیں بند ہیں اور ان کی آنکھیں مچی ہوئی ہیں اور تمام بنی اُمیہ آرام میں ہیں۔ اُن کے دروازوں پر پاسبان بیٹھے ہوئے ہیں اور بنی اُمیہ کے دربار بند پڑے ہیں اور ان کی ڈیوڑھیوں پر دربان لگے ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کی خواہشات ان سے وابستہ تھیں وہ اس وقت چھوڑ چکے ہیں۔ اے میرے اللہ! تو زندہ و پائندہ، بینندہ ودانندہ ہے۔ اونگھ اور نیند سے تو مبرا ہے۔ جو تجھے اونگھنے سونے والا جانے وہ تیری نعمتوں سے محروم ہے۔ الٰہی! تو وہ ہے کہ کوئی تجھے تیرے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتا اور رات دن میں کسی ساعت تیری صفتِ بقا میں خلل نہیں آسکتا۔ تیرا درِ رحمت کشادہ ہے۔ اس پر تجھے جو پکارے تیرے خزانہ بخشش اُس پر فدا ہیں۔ جو تیری ثناء میں رطب اللسان ہو،

۱۔ سورۃ البقرۃ:۲۵۶

Marfat.com

تو مالک الملک ہے کہ سائل کا رَدّ کرنا تجھے روا نہیں۔ جو مومن تیری درگاہ میں سوال کرے تو سائل کو تو روکنے والا نہیں خواہ وہ مخلوق ارضی ہو یا سماوی۔ الٰہی! جب میں موت اور قبر کا خیال کرتا ہوں اور حساب کا تصور آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ تیری حضوری کے مقابل دنیا کی کس چیز سے سکون پکڑا جائے۔ جب ملک الموت کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ کس طرح دنیا سے تعلق رکھوں تو مَیں تجھ سے عرض پیرا ہوں اس لیے کہ تر دامن ہوں اور تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ جب تجھے پکارتا ہوں، دل میں سکون محسوس کرتا ہوں۔ الٰہی! مجھ پر کیفیت مرگ بے عذاب نازل کر اور زندگی اخروی میں حساب بے عذاب لے کر مجھے عزت دے۔"

یہ سب کچھ فرما کر اس قدر گریہ فرماتے کہ صبح ہو جاتی۔

ایک شب مَیں نے عرض کی کہ اے میرے سردار! میرے ماں باپ کے سردار! کب تک آپ روتے رہیں گے اور کب تک یہ خروش رہے گا۔ آپؓ نے فرمایا: بھائی! یعقوب علیہ السلام کا صرف ایک یوسف گم ہو گیا تھا تو اتنے روئے کہ چشم مبارک سپید ہو گئیں اور مَیں نے اپنے اٹھارہ آدمی معہ باپ یعنی امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور شہداءِ کربلا کو اپنے سے گم کیے ہیں تو اس وقت تک میں غم ہی رہوں گا، جب تک اُن کی جدائی میں رو کر آنکھیں سپید نہ کرلوں۔

یہ مناجات عربی میں نہایت فصیح ہیں۔ مگر بخوف طوالت اس کے معنی ہی فارسی میں نقل کیے گئے تا کہ مکرر نہ ہو جائے۔ انشاء اللہ کسی دوسری جگہ اس اصل کو بھی نقل کریں گے۔

حضرت امام محمد جعفر رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے سیفِ سنت، جمال طریقت، معبر اہلِ معرفت، مزین اہلِ صفوت ابو جعفر بن محمدؐ بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں۔

آپؓ نہایت بلند خیال اور پسندیدہ سیرتوں سے مزین تھے اور سریر امامت کی رونق دینی میں آپ موزوں تھے۔ آپؓ کے اشاراتِ جمیلہ تمام علوم میں مشہور ہیں اور معانی دقیقہ میں آپ کی تقریر مسلّم تھی۔ مشائخ کرامؒ میں آپ کو لطائف کلام اور حقائق طریقت میں خاص درجہ حاصل ہے۔ بیان طریقت میں آپ کی تصنیفات مشہور ہیں۔

آپؓ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ اَعْرَضَ عَمَّا سِوَاهُ.

"جس نے اللہ کو جان لیا وہ ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو گیا۔"

یعنی عارف الٰہی وہی ہے جو معرض از غیر اور منقطع از علل و اسباب ہو جائے، اس لیے کہ

Marfat.com

اللہ کی معرفت یہی ہے کہ غیر خدا کے ساتھ اجنبی ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ عرفانِ مخلوقات اور اس کی فکر سے اپنے آپ کو جدا رکھتے اور اپنے ربّ سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کے دل میں غیر کی ایسی قدر و منزلت نہیں کہ اُس کی طرف متوجہ ہوں اور نہ وجودِ غیر سے انہیں کچھ خطرہ ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ذکر غیر کے لیے اپنے دل میں جگہ نہیں رکھتے۔

ایک روایت میں حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

لَا تَـصِـحُّ الْـعِبَادَةُ اِلَّا بِالتَّوْبَةِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدَّمَ التَّوْبَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ....﴾" (۱)

"عبادت بغیر توبہ کے صحیح نہیں حتی کہ خود حضرت عز مجدہٗ و عز اسمہٗ نے عبادت پر توبہ کو مقدم کیا۔ اس لیے کہ توبہ عبادت کی ابتدا ہے اور عبودیت اس کی انتہا۔"

چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کا ذکر نہیں کیا تو انہیں بھی توبہ کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۲)

"اللہ کی طرف اے مسلمانو! توبہ کرو تا کہ تم فلاح یافتہ ہو جاؤ۔"

اور جہاں سید اکرم تاجدارِ عرب و عجم کو یاد فرمایا وہاں بھی ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾ (۳) کہا تو گویا مقامِ عبودیت منتہاءِ کمال کا نام ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا ابن رسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، اس لیے کہ میرا دل سیاہ ہو چکا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ ابوسلیمان! (حضرت داؤد طائی کے صاحبزادے کا نام سلیمان تھا) آپ اس زمانے کے بڑے زاہدوں میں سے ہیں، آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟۔۔۔ عرض کی، اے فرزندِ رسول! آپ کو اللہ نے سب پر فضیلت بخشی ہے، آپ پر نصیحت کرنا واجب ہے۔ حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسلیمان میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں بروزِ قیامت میرے جد امجد مجھے یہ نہ فرمائیں کہ تو نے ہماری اطاعت کا حق کیوں ادا نہیں کیا، اس لیے کہ یہ کام نسب کی نسبت سے صحیح نہیں اترتا، یہ کام عمل کے اوپر موقوف ہے۔

۱۔ سورۃ التوبۃ: ۱۱۲ ۲۔ سورۃ النور: ۳۱

۳۔ سورۃ النجم: ۱۰

Marfat.com

یہ سن کر حضرت داؤد طائیؒ رو پڑے اور کہنے لگے، الٰہی! جن ہستیوں کا خمیر آبِ نبوت سے ہو اور جن کی ترکیب طبعی اصول دین پر اور برہان و حجت قرآن سے ہو، جس کے دادا شفیع المذنبین ﷺ ہوں، جن کی ماں حضرت زہرا بتول رضی اللہ عنہا ہوں وہ اس خوف حیرانی میں رکھے گئے ہیں اور اپنے اعمال کا اس شان سے محاسبہ کر رہے ہیں تو پھر داؤد طائی کس شمار میں ہے اور وہ اپنے اعمال وعبادات پر کیا فخر کرے!!

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے احباب خدام میں تشریف فرما تھے تو آپؓ نے سب سے فرمایا: آؤ! ہم تم آپس میں بیعت کرلیں اور اس امر کا عہد کرلیں کہ جسے اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت رستگاری عطا فرمادے وہ سب کی شفاعت کرے۔ سب نے عرض کی کہ اے ابن رسول اللہ! اس عہد کی اسے حاجت ہے جو محتاجِ شفاعت ہو، آپ کو ہماری شفاعت کی کیا پرواہ ہے! آپ کے جد امجد شفیع مجرمان خلائق ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اپنے اعمال پر شرماتا ہوں اور اپنے نفس کے عیبوں پر نظر کر کے ڈرتا ہوں کہ بروز قیامت جد امجد ﷺ کے حضور کس طرح منہ دکھاؤں گا۔

یہ ہے وہ کمالِ خاص جو عارف کامل کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے نفس کے عیبوں پر نظر رکھتا ہے۔ یہ صفت اوصاف کمالیہ سے ہے۔

اور تمام ممکنان الٰہی یعنی نبی، ولی، غوث، قطب سب کے سب اسی اصول پر قائم ہیں۔

چنانچہ حضور سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا:

اِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا بَصَّرَهُ بِعُيُوبِ نَفْسِهٖ . (۱)

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ ارادۂ خیر فرماتا ہے تو اسے عیوبِ نفس کے لیے چشمِ بینا عطا فرماتا ہے۔''

اور جو اَز رُوئے تواضع اپنا سر بارگاہِ حق میں جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مراداتِ دارین پوری فرماتا ہے۔

اب اگر ہم تمام مناقب اہل بیت رضی اللہ عنہم بیان کریں اور ہر ایک کے فضائل مفصل بتائیں تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں۔ لہٰذا ان کے لیے جن کی عقل خلعتِ ادراک سے مزین ہے اور جو مریدانِ خاص ہیں، اسی قدر کافی ہے اور منکر کے لیے بھی، اگر سمجھنا چاہے تو کم نہیں۔

۱۔ اس حدیث پاک کو امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے (کتاب اللمع، ص: ۱۳۹، احیاء علوم الدین ۵/۲۲۳

Marfat.com

اب اگر ہم اصحابِ صفہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا مذاکرہ بہ سبیل ایجاز و اختصار کرتے ہیں اور فضائل اہل بیت میں علی التفصیل ایک کتاب مسمی "منہاج الدین" ہم نے تالیف کی ہے، جس میں ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فضائل درج ہیں۔ اس جگہ تو ہم نے محض اسمائے کنیت پر ہی اکتفا کیا ہے تا کہ پڑھنے والے کا مقصود معلومات حاصل ہو جائے۔

اَعَزَّکَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ .

Marfat.com

نواں باب

اصحابِ صُفّہ رضوان اللہ علیہم

فصل:

اس امر پر اجماعِ اُمت ہے کہ حضور ﷺ کی ایک خاص جماعت تھی۔ صحابہ کرام میں جو تارک الدنیا ہو کر مسجد نبوی میں اللہ کی خاص عبادت کے لیے بیٹھ گئے تھے اور ہر قسم کے کسب معاش سے دست بردار تھے انہی کی شان میں قرآن پاک نے اپنے حبیب پاک محمد ﷺ کو فرمایا:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (۱)

''اے محبوب نہ فراموش فرماؤ ان لوگوں کو جو اپنے ربّ کی عبادت میں صبح وشام مشغول ہیں اور اسی کی رضا چاہتے ہیں۔''

تو خدا کی کتاب ان کی افضلیت پر شاہد ہے اور حضور یوم النشور ﷺ کی احادیث ان کے فضائل میں ہمیں بہت پہنچی ہیں۔ ہم نے ان کا تھوڑا سا حصہ مقدمۂ کتاب میں نقل کیا ہے۔ حضرت امام المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

وَ قَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَصْحَابِ الصُّفَّةِ فَرَاٰى فَقْرَهُمْ وَ جُهْدَهُمْ وَ طِيْبَ قُلُوْبِهِمْ فَقَالَ اَبْشِرُوْا يَا اَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَمَنْ بَقِيَ مِنْ اُمَّتِيْ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ اَنْتُمْ عَلَيْهِ رَاضِيًا بِمَا فِيْهِ فَاِنَّهٗ مِنْ رُفَقَائِيْ فِي الْجَنَّةِ.

اس حدیث کے معنی ہیں کہ حضور ﷺ اصحاب صفہ پر تشریف لائے، ان کو دیکھ کر ٹھہر گئے تو ان کے دل اس فقر ومجاہدہ میں حضور ﷺ نے نہایت خوش دیکھے۔ فرمایا: اے اصحابِ صفہ تمہیں مبارک ہو! تمہارے بعد جو بھی تمہاری سی شان میں خرم وشاد رہے گا، وہ بروز قیامت جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''

ان اصحاب صفہ میں سے:

۱۔ الانعام:۵۲

Marfat.com

پہلے: منادحضرت جبار و پسندیدہ سیّد الابرار حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں۔
دوسرے: دوست خداوند اور محرم احوال پیغمبر ابوعبداللہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔
تیسرے: سرہنگ مہاجر و انصار، متوجہ رضوان جبار ابوعبیدہ بن عامر بن عبداللہ الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔
چوتھے: برگزیدہ اصحاب، زینتِ ارباب ابوالیقظان حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔
پانچویں: گنج علم خزانہ حلم حضرت ابومسعود عبداللہ بن مسعود ھزلی رضی اللہ عنہ ہیں۔
چھٹے: متمسک درگاہ حرمت پاک از عیب و آفت حضرت عتبہ بن مسعود برادر عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔
ساتویں: سالک طریق عزلت معرض از معائب و ذلت حضرت مقداد ابن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں۔
آٹھویں: داعی مقام تقویٰ راضی بہ بلا و بلویٰ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں۔
نویں: قاصد درگاہ رضا طالب بارگاہ بقا اندر فنا حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہیں۔
دسویں: درِ درج سعادت بحر قناعت حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ہیں۔
گیارہویں: برادر فاروق معرض از کونین و مخلوق حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔
بارہویں: خداوند مجاہدات اندر طلب مشاہدات حضرت ابو کبشہ مولی حضور ﷺ ہیں۔
تیرہویں: عزیز از کل خلائق بحق جل مجدہ آیت حضرت ابولمرثد کنانہ بن الحصین عدوی رضی اللہ عنہ ہیں۔
چودھویں: عامر طریق تواضع سپرندہ مجتہ تقاطع حضرت سالم مولی حذیفۃ الیمان رضی اللہ عنہ ہیں۔
پندرھویں: خائف عقوبت ہارب از طریق مخالفت حضرت عکاشہ ابن الحصن رضی اللہ عنہ ہیں
سولہویں: زین مہاجر و انصار سید بنی قار حضرت مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
سترہویں: اندر زہد مانند عیسی اندر شوق بدرجہ موسیٰ ابوذر جندب ابن جنادہ الغفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
اٹھارہویں: حافظ انفاس پیغمبر ﷺ مر خیرات در خور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔
انیسویں: اندر استقامت مقیم و اندر متابعت مستقیم حضرت صفوان بن بیضا رضی اللہ عنہ ہیں۔
بیسویں: صاحب ہمت خالی از تہمت حضرت ابودرداعویم بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں۔
اکیسویں: متعلق درگار جابر گزیدۂ رسول پادشاہ حضرت ابولبابہ عبدالمنذ ر رضی اللہ عنہ ہیں۔
بائیسویں: کیمیائے بحر شرف دُر توکل را صدف حضرت عبداللہ بن بدر الجہنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

غرضیکہ اسی طرح اور بھی بہت ہیں۔ اگر ہم تمام اہل صفہ کا ذکر کریں تو کتاب طویل ہو جائے۔
حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی رضی اللہ عنہ بڑے زبردست ناقل مسائل طریقت اور جامع کلام مشائخ گذرے ہیں۔ انہوں نے صرف اہل صفہ کے حالات میں ایک تاریخ تالیف فرمائی ہے۔ اس میں اُن کے علیحدہ علیحدہ فضائل اور نام بنام حالات اور ان کی کیفیتیں

Marfat.com

لکھی ہیں۔

اُس میں انہوں نے مسطع بن ثابت بن عباد کو بھی اہل صفہ میں نقل کیا ہے مگر میں اسے درست نہیں سمجھتا۔اس لیے کہ یہ وہ مسطع ہیں جنہوں نے قصۂ افک اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی ابتداء کی تھی لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ او رحضرت ثوبان اور حضرت معاذ بن حارث اور حضرت سائب بن خلاب اور حضرت ثابت بن ودیعہ اور حضرت ابوالیسر کعب بن عمر اور حضرت وہب بن مغفل اور حضرت عبداللہ بن انیس اور حضرت حجاج بن عمر الاسلمی رضی اللہ عنھم اجمعین تمام اہل صفہ سے ہیں، اگر چہ کبھی یہ کسی سبب سے دنیا کی طرف شغل فرما لیتے تھے مگر تاہم یہ تمام درجہ میں برابر اور حقیقۃً قرنوں کے خیر القرون سے تھے اور جس وقت بھی یہ جس درجہ پر تھے، متاخرین سے بہتر اور افضل ترین خلائق تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحبت سید الانبیاء ﷺ کا شرف بخشا تھا۔ان کے ضمیر تمام عیوب سے محفوظ تھے۔جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ....الخ (۱)

"زمانوں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ زمانہ جو اس سے قریب ہے۔۔۔"

اور خود اللہ جل مجدہٗ وتبارک وتعالیٰ وعز اسمہٗ نے فرمایا:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (۲)

"اور وہ لوگ جو مسابقت کرنے والے ہیں پہلے ایمان لانے والوں میں مہاجرین وانصار سے اور وہ لوگ جو پیروی اسلام کرتے ہیں اور نیک ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔"

۱۔ یہ متفق علیہ روایت ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم نے عبیدہ سلمانی سے انہوں نے ابن مسعود سے مرفوعا روایت کیا ہے اور اسی طرح یہ روایت زہدم بن مضرب سے بھی مروی ہے۔انہوں نے عمران بن حصین سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

خیر کم قرنی ،ثم الذین یلونھم ، ثم الذین یلونھم .

حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں:المقاصد الحسنة للسخاوی (ص: ۲۰۸) صحیح البخاری ۹۳۸/۲ (کتاب الشھادات ،باب:۹)،صحیح مسلم،(کتاب فضائل الصحابة ثم الذین یلو نھم،حدیث:۲۵۳۵)

۲۔ سورۃ التوبۃ : ۱۰۰

Marfat.com

باب دہم

ائمہ تابعین رضوان اللہ علیہم

فصل:

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ:

ان میں سے آفتابِ اُمت، شمع دین وملت حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ہستی مشائخ کرام کے طبقہ کی بہت بڑی مانی گئی ہے اور اہل تصوف میں معظم ہیں۔ یہ عہد رسول پاک ﷺ میں تھے لیکن حضور ﷺ کے فیض صحبت سے دو وجہ میں مستفیض نہ ہو سکے اور محروم شربتِ دیدار رہے:

ایک: مانع حضوری آپ کا غلبہ حال رہا۔

دوسرے: اپنی والدہ ماجدہ کے حق خدمت ادا کرنے میں مصروف رہے۔

مگر حضور فخر عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فرما دیا تھا کہ ایک مردِ خدا مقام قرن میں ہے۔ اس کا نام اویس ہے۔ اس کا یہ مرتبہ ہے کہ اس کی شفاعت میری امت میں قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بکریوں کے بالوں کے برابر ہوگی اور پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ کی طرف رخ فرما کر ارشاد ہوا تم دونوں اسے دیکھو گے، ان کا قد چھوٹا ہوگا، ان کے سر کے بال لمبے ہوں گے، ان کے پہلوئے چپ پر ایک درہم برابر سفید داغ ہے اور ایک داغ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہے، جب تم اس سے ملو، ہمارا اسے سلام کہنا اور کہنا کہ وہ ہماری امت کے لیے دعا کریں۔

بعد وفات سید اکرم ﷺ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما مکہ معظمہ تشریف لائے۔ اثناء خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: يَا اَهْلَ نَجْدٍ قُوْمُوْا۔ ''اور اے نجد کے لوگو کھڑے ہو جاؤ''۔ حکم سن کر تمام کھڑے ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے اندر کوئی قبیلہ مقام قرن کا رہنے والا ہے لوگوں نے عرض کی، حاضر ہے اور جو مقام قرن کے لوگ تھے، انہیں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

آپ نے پوچھا کہ تمہارے اندر کوئی ''اویس'' نام کا آدمی ہے؟۔۔۔ عرض کی ''اویس''

Marfat.com

ایک دیوانہ آدمی ہے جو آبادی میں نہیں آتا، کسی کے پاس نہیں آتا، کسی کے پاس نہیں بیٹھتا، لوگوں کی غذا سے اس کی غذا بھی علیحدہ ہے، خوشی وغم اس کے نزدیک یکساں ہیں، جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے، جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کی: حضور! جنگل میں اونٹوں کے پاس ملے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور جنگل میں جا کر ان سے ملے۔ دیکھا کہ اویس (رضی اللہ عنہ) نماز میں مشغول ہیں۔ بیٹھ گئے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فاروق و اسد اللہ نے انہیں سلام کیا اور ہاتھوں کی ہتھیلی پر نشان دیکھے۔ پھر حضور ﷺ کا سلام پہنچایا اور اُمت کے حق میں دعا کرنے کا حکمِ حضور ﷺ سنایا۔

تھوڑی دیر فاروق و اسد اللہ (رضی اللہ عنہما) اویسؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ حضرات کو تکلیف ہوئی، اچھا اب تشریف لے جائیں، قیامت بہت نزدیک ہے اس جگہ ہمیں وہ دیدار ہوگا جس کے لیے بازگشت نہیں، مَیں اب قیامت کے راستہ کے سامان میں مشغول ہوں۔ جب قرنی لوگ حضرت فاروق اور اسد اللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت اویسؓ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے آپ کا مرتبہ سمجھا اور آپ کا احترام کرنے لگے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ وہاں سے کوفہ میں آ گئے۔ اس کے بعد ہرم ابن حیان نے ایک روز انہیں دیکھا۔ اس کے بعد جنگ وغزوات علی کرم اللہ وجہہ تک کسی نے نہ دیکھا۔ پھر جب کہ حربِ صفین ہوا، اس میں حضرت اویس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفداری میں آئے، شریکِ حرب ہو کر شہید ہو گئے۔ عَاشَ حَمِیدًا وَّمَاتَ شَهِیدًا. ''زندہ رہے تو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے تعریف ہوئی، انتقال فرمایا تو شہادت پائی۔''

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے ایک راویت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اَلسَّلَامَةُ فِی الْوَحِدَةِ'' ''یعنی سلامتی تخلیہ اور تنہائی میں ہے۔'' اس لیے کہ جو اپنا دل خالی رکھے وہ اغیار کے خطرہ اور اندیشہ سے آزاد ہے اور اپنے ماحول میں سب سے مایوس اسی وجہ میں وہ اغیار کی تمام آفتوں سے سلامتی میں رہتا ہے اور سب سے منہ پھیرے ہوئے ہوتا ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وحدت سے مراد تنہا زندگی بسر کرنا ہے تو یہ محال ہے۔ اس لیے کہ جب تک کسی کے دل میں شیطان کی محبت ہو اور اس کے سینہ میں نفس غالب ہو اور دنیا و عاقبت کی فکر اور لوگوں کا اندیشہ ہو اس وقت تک اس کو کیفیت وحدت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ماسوائے اللہ سے آرام ہو یا اس کا اندیشہ دونوں کی ایک ہی کیفیت ہے۔ تو جو تنہا ہوتا ہے اگر چہ اس

Marfat.com

کی صحبت لوگوں میں ہو، اسے اپنی کیفیت وحدت میں کوئی خلل نظر نہیں آتا اور مشغول بغیر اللہ ہو، اگر چہ خلوت نشین ہی کیوں نہ ہو وہ کیفیتِ وحدت سے محروم ہی رہے گا۔

تو قطع محبت ماسوی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دل میں سوا ذاتِ واحد کے، کسی کا تعلق اور کسی کی محبت نہ ہو اور جب اس کے دل میں خالص ذاتِ واحد جاگزیں ہو چکی، وہ کتنا ہی لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے اسے کوئی خطرہ نہیں۔

اور جو مخلوق سے محبت رکھے اس کے دل میں محبتِ الٰہیہ کا گذر نہیں ہوسکتا۔ گویا وہ محبت الٰہی کو سمجھتا ہی نہیں: لِاَنَّ الْوَحْدَةَ صِفَةُ عَبْدٍ صَافٍ سَمِعَ قَوْلَهُ تَعَالٰى ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ (۱)

''صفت عبد صافی محض وحدت ہے، سن اللہ کا فرمان! کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں۔''

حضرت ھرم بن حیان رضی اللہ عنہ:

انہیں تابعین میں سے شمع صفاء، معدنِ وفا حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ ہیں، جو بزرگانِ طریقت سے گذرے ہیں اور معاملۂ حقیقت میں حظ وافر رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحبت یافتہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بھی زیارت کر چکے ہیں، آپ کی ملاقات کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نے اویس قرنیؓ کی زیارت کا قصد کیا۔ حتیٰ کہ قرن پہنچے مگر نا امید واپس آئے۔ پھر مکہ معظمہ گئے تو خبر ملی کہ اویسؓ اب کوفہ میں رہتے ہیں، آپ شوقِ زیارت لیے کوفہ آئے مگر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ امیدِ زیارت میں ایک مدت دراز کوفہ میں گزاری۔ آخرش بصرہ آنے کا عزم کیا، روانہ ہوئے تو راستہ میں دیکھا کہ لبِ فرات اویسؓ طہارت فرما رہے ہیں اور آپ کے جسم پر خرقہ ہے، پہچان لیا۔ وضو فرما کر اویسؓ نے شانہ فرما کر بالوں کو سنوارا اور چلنے لگے تو ہرم بن حیان سامنے آئے اور سلام کیا۔

حضرت اویسؓ نے جواب سلام میں فرمایا: وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ يَا هَرِمُ بْنُ حَيَّان.

ہرم متعجب ہو کر کہنے لگے آپ نے کس طرح پہچان لیا؟ آپ نے فرمایا:

عَرَفَتْ رُوْحِيْ رُوْحَكَ.

''میری جان نے تیری جان کو پہچان لیا''

تھوڑی دیر بیٹھے پھر مجھے رخصت فرما دیا۔ میرے ساتھ جو گفتگو فرمائی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق زیادہ باتیں تھیں اور مجھے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور

۱۔ سورۃ الزمر: ۳۶۔

Marfat.com

ﷺ کی یہ حدیث سنائی اور کہا کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْاِلٰی امْرَاَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَاِلَیْہِ . (۱)

'' جز ایں نیست کہ عملوں کی جزا نیتوں پر ہے اور ہر ایک شخص کے لیے وہی بدلہ ہے جو اس کی نیت ہو، تو جس نے ہجرت کی اللہ ورسول (ﷺ) کی طرف تو اس کی ہجرت اللہ و رسول (ﷺ) کی طرف ہو گی اور جس نے ہجرت کی حصولِ دنیا کے لیے یا کسی عورت کے لیے کہ اس سے عقد کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی جس نیت سے ہجرت کی۔''

اس کے بعد فرمایا''عَلَیْکَ بِقَلْبِکَ'' .

''اپنے دل کی نگرانی ہر قسم کے اندیشۂ غیر سے رکھ۔''

اس عبارت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ مجاہدہ اتنا ہو کہ اپنے دل کو تابع حق کر لیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اپنی خواہشات کو اس دل کا فرمانبردار بنا لے۔

یہ دونوں زبردست اصول ہیں، مگر دل کو خدا کا تابع کرنا ان مریدوں کا کام ہے جو کثرت شہوت اور محبتِ حرص سے مجتنب ہو جائیں اور ہر قسم کے تفکرات جو درجہ بدرجہ پیدا ہوتے ہیں، انہیں دل سے دور کریں اور تدبیر صحت و حفظِ امور میں کوشاں رہیں اور ہر معاملہ میں نظر برحق رکھیں تا کہ ازدیادِ محبت ہو اور اپنے کو تابع دل مزکی بنالینا کاملوں کا کام ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ ان کے دلوں کو اپنے نورِ جمال سے منور فرما دیتا ہے اور تمام علل و اسباب سے آزاد کر دیتا ہے، اور وہ وہاں پر پہنچا کر خلعتِ تقرب بخش کر اپنے الطاف کی تجلیات ان پر فرماتا ہے اور اپنا مشاہدۂ جمال اور قرب

۱۔ امام مسلم نے اپنی "صحیح" ۶/۴۸ میں (کتاب الأمارۃ) امام بخاری نے اپنی "صحیح" (۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸) میں، اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح ۱/۳۰۴ میں، ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' (۱۴۳) میں، امام سخاویؒ نے ''المقاصد الحسنہ'' (ص: ۲۸) میں، امام قضاعی نے ''مسند شہاب'' ۱/۳۵ میں اور انہی الفاظ کے ساتھ امام بیہقی نے کتاب المعرفۃ ۱/۳۵ میں، امام نووی نے بستان العارفین (ص: ۲۴) میں، ابن الملقن نے ''البدر المنیر'' ۱/۸۹ میں اور امام عسقلانی نے ''التلخیص الحبیر''، ۱/۵۵ میں روایت کیا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: بلکہ صحیح بخاری میں مالک کے طریق سے الأعمال بالنیۃ کے الفاظ آئے ہیں یعنی ''انما'' نہیں ہے اور ''النیۃ'' مفرد ذکر کیا گیا ہے جبکہ ابن جارود ''المنتقی'' میں یہ الفاظ لائے ہیں ''ان الأعمال بالنیۃ''، ص: ۸۳

Marfat.com

کوان پر مستولی کر دیتا ہے۔ اس وقت ان کا جسم بھی ان کے دل کے موافق کر دیا جاتا ہے۔

تو وہ گروہ جو پہلے اہل دل گزرا، وہ صاحبِ القلوب اور باقی الصفت ہے اور یہ گروہ جو مغلوب القلوب ہے وہ فانی الصفت ہے اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے جو حق جل جلالہٗ نے فرمائی:

﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾(۱)

''مگر وہ بندے جو خالص کیے گئے۔''

اسے بفتح لام پڑھا گیا اس لیے کہ مُخْلِصِيْنَ فاعل ہے اور باقی الصفت۔ اور مخلص مفعول فانی الصفت۔ اور یہ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں کہ تن کو موافقِ دل بناتے ہیں اس لیے کہ ان کے دل تجلی حق کی طرف محول اور مشاہدۂ جمال میں محو رہتے ہیں اور باقی الصفت جو ہیں وہ دل کو بتکلف موافق امر بناتے ہیں۔

یہ مسئلہ درحقیقت صحو وسکر و مشاہدۂ و مجاہدت سے تعلق رکھتا ہے اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے مشرح طور پر کسی اور جگہ بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ:

انہیں تابعین میں امامِ عصر، فریدِ دہر، ابوعلی الحسن بن ابی حسن البصری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک گروہ نے آپ کی کنیت ''ابومحمد'' لکھی ہے اور ایک جماعت نے ''ابوسعید''۔ آپؓ کا مرتبہ اہلِ طریقت میں بہت بلند ہے اور فنِ تصوف میں آپؓ کے نہایت لطیف اشارات ہیں۔

ایک حکایت ہے کہ آپؓ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے صبر کے متعلق سوال کیا۔ آپؓ نے فرمایا: صبر دو طرح کا ہوتا ہے:

ایک صبر وہ ہے جو مصائب و بلا کے اندر کیا جائے۔

دوسرا صبر ان چیزوں سے جن سے ہمیں باز رہنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا، ان سے اطاعتِ حکم کرتے ہوئے رکنا اور خواہشات کے خلاف پر صبر کرنا۔

اعرابی نے کہا:

اَنْتَ زَاهِدٌ مَّارَاَيْتُ اَزْهَدَ مِنْكَ .

''آپ ایسے زاہد ہیں کہ آپ سے زیادہ زاہد میں نے نہیں دیکھا''۔

اور آپؓ سے زیادہ صابر بھی کوئی نہ ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے اعرابی! میرا زہد تو رغبتِ کلی ہے اور میرا صبر خالص جزع اور بے صبری۔ اعرابی نے عرض کی کہ

۱۔ سورۃ الحجر: ۴۰

Marfat.com

حضرت اس اجمال کی تفصیل فرمائیں؟ آپ نے ان جملوں سے تو مجھے مشوّش کر دیا اور میرا عقیدہ مذبذب ہو گیا۔

آپؒ نے فرمایا: ہمارا صبر بلا پر یا اطاعت حکم پر بوجہ خوف جہنم ہے اور یہ عین بے صبری ہے اور ہمارا زُہد دنیا میں رغبتِ خالص ہے نعمتِ آخرت کے ساتھ اور یہ عین رغبت ہے۔ نہایت مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنا حصہ اور اپنی قوتِ ارادی کو درمیان سے اٹھا چکے' ان کا صبر خالص اللہ کے لیے ہے نہ کہ اپنے جسم کو جہنم سے امن دینے کے لیے اور زُہد ہمارا خالص اللہ کے لیے ہو نہ کہ خصوصیت سے بہشت میں داخل ہونے کے لیے، اور یہ علامت صحتِ اخلاص کی ہے۔

آپؒ ہی سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اِنَّ صُحْبَةَ الْأَشْرَارِ تُوْرِثُ الظَّنَّ بِالْأَخْيَارِ.

''جو بدبختوں میں رہے گا نیکوں کی جماعت سے اور ان کے پیشواؤں سے بدگمان ہو جائے گا۔''

اور یہ بات متفق علیہ ہے بلکہ یقینی اور موجودہ دور کے لوگوں کے بالکل موافق حال ہے جو عام طور پر محبوبانِ بارگاہ کے منکر ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسمی صوفیوں کی مجالس میں عوام بیٹھے اور ان کے ہر کام میں انہیں خیانت نظر آئی اور ان کی زبانوں پر دروغ بے فروغ پایا اور دوسروں کی غیبت کرتے سنا اور ان کے کان دو بیت اور ہزلیات پر لگے ہوئے دیکھے۔ ان کی آنکھیں لہو ولعب اور شہوت پرستی پر لگی ہوئی دیکھیں اور ان کی تمام تر کوششیں حرام ومشتبہ مال جمع کرنے میں صرف پائیں۔ تو انہوں نے خیال کر لیا کہ صوفی عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں اور ان کا عمل اور مجاہدہ یہی ہے بلکہ صوفیاء کا یہی مذہب ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور اتہام ہے۔ بلکہ صوفیوں کے تمام افعال اطاعت الٰہی پر ہیں اور ان کی زبان کلامِ حق اور ثمرِ محبت حق حاصل کرنے پر کھلتی ہے۔ ان کے ضمیروں میں خالص محبتِ الٰہی بھری ہوئی ہوتی ہے، ان کے کان سماعِ حق کے محل اور حقیقت نیوش ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں مشاہدۂ جمالِ یار کو کھلی ہوتی ہیں۔ ان کی سعی وکوشش تمام حصول اسرارِ خفیہ پر ہوتی ہے اور وہ رازِ مخفی کے دیکھنے میں مجاہدہ کرتے ہیں۔

اگر کوئی قوم ایسی ظاہر ہو جائے کہ صوفیاء کے زمرہ میں مل کر ان کی سی رفتار وگفتار میں خیانت کرے تو ان کی خیانت کا اثر ان پر ہی پڑے گا نہ ان احرارِ جہان اور ساداتِ زمان پر۔

یاد رکھو! جو شریر لوگوں سے صحبت رکھے گا وہ اپنی شرارتِ نفس کے ماتحت ہو گا اور اگر اس میں بھلائی اور نیکی ہو گی تو وہ اخیار کے ساتھ ہی صحبت پسند کرے گا۔ از مترجم شعر

Marfat.com

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

تو یاد رکھو! ہر کسی کی برائی اس کی ذات سے ہوگی صحبت ناسزا اور غیر کفو قبول کرنا اس کی نااہلی ہے بلکہ وہ روزِ ازل ہی سے اس قوم اشرار سے ہوگا اور اس نے اپنے نفس کے شر کو نہ سمجھا ہوگا تو ایسے منکر جو خاصانِ بارگاہ سے بدظن ہو گئے، وہ ایسے مکاروں کی اقتداء میں خراب ہوئے برخلاف ان اخیار و محبوبانِ بارگاہ کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچشم رضا دیکھا اور اپنے خواص میں انہیں جگہ عطا فرمائی، ان کی صحبت اگر جان و دل کے بدلہ میں حاصل ہو تو بھی ارزاں ہے، اس لیے کہ ان کا طریقِ عمل برگزیدہ اور وہ تمام عالم سے علیحدہ اور ان کی برکت سے انسان مقاصدِ دارین حاصل کرتا ہے ان کا حال اس شعر میں کسی نے خوب کہا ہے:

فَلَا تَحْقِرَنَّ نَفْسِیْ وَاَنْتَ حَبِیْبُھَا فَکُلُّ امْرِءٍ یُّصْبُوْ اِلٰی مَنْ یُّجَانِسُ

"نہ حقیر سمجھ تُو میرے وجود کو حالانکہ تو اس کا محبوب ہے، یاد رکھ! ہر شخص اپنے ہم جنس سے مطلب کو پہنچتا ہے۔"

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے رئیس العلماء، فقیہ الفقہاء، حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے عظیم الشان اور بلند رتبہ والے گزرے ہیں۔ آپؓ کے فرامین بہت مقبول ہیں اور بہت زیادہ پاک باطن تھے۔ آپؓ کے مناقب بہت ہیں خصوصاً فن فقہ میں اور توحید و حقائق تفسیر و شعر لغت و غیرہ میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ آپؓ بظاہر مرد عیار نظر آتے اور دل کے اعتبار سے نہایت پارسا تھے کہ پارسا نما اور عیار طبع اور مذہب طریقت میں یہ صورت نہایت محمود ہے۔

مشائخ کرام رضی اللہ عنہم میں آپؓ سے ایک روایت مشہور ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

"اِرْضَ بِالْیَسِیْرِ مِنَ الدُّنْیَا مَعَ سَلَامَۃِ دِیْنِکَ کَمَا رَضِیَ قَوْمٌ بِکَثِیْرِھَا مَعَ ذِھَابِ دِیْنِھِمْ"۔

"راضی رہ اس تھوڑی دنیا سے جس میں تیرا دین سلامت رہے، جیسے راضی ہیں کثرتِ مال و دنیا کے ساتھ اپنا دین فنا کر کے عوام الناس"۔

یعنی فقر سلامتی دین کے ساتھ اس سے بہتر ہے کہ غنا غفلت کے ساتھ حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب فقیر اپنے دل میں نظر کرتا ہے تو اندیشہ کی زیادتی نہیں پاتا اور جب ہاتھ پر نظر ڈالتا ہے تو اسے قانع پاتا ہے اور غنی، اور غنی جب دل میں نگاہ کرتا ہے تو اندیشوں کی دنیا آباد دیکھتا ہے

Marfat.com

اور جب ہاتھ کو دیکھتا ہے تو مشتبہ مال سے ملوث ہوتا ہے۔

تو رضاء دوستانِ الٰہی اس کے خداوندی پر بلا غفلت رہتی ہے اور رضائے غافلان دنیا پر غرور کے حصول اور آفت بے حسرت و ندامت اس آفت سے اچھی ہے جو آفت پر ذلت و معصیت ہو۔ غرضیکہ جب کوئی بلا غافلوں پر آتی ہے تو کہتے ہیں الحمد للہ مال پر ٹل گئی، جان وتن اس آفت سے محفوظ رہے اور جب کوئی بلا محبوبانِ بارگاہ پر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ الحمد للہ کہ یہ بلا تن پر ٹل گئی اور دل محفوظ رہ گیا اس لیے کہ جو بلا تن پر آئی اور اس سے دل محفوظ رہ جائے وہ نہایت اچھی بلا ہے اور اگر وہ بلا دل پر آتی اور دل غافل ہو جاتا تو اگرچہ تن نعمتوں میں ہوتا مگر ایسی نعمت، نعمت نہیں بلکہ نقمت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قلیل دنیا کے ساتھ راضی رہنا اس کے کثیر ہو جانے کی موجب ہے اور رضاء کثیر دنیا کے ساتھ اسے قلیل کر دینے والی ہے اور ایسی جماعت کے لیے قلیل مثل کثیر ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت ہے کہ آپؓ مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص آپؓ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا سعید! مجھے وہ حلال بتاؤ کہ اس میں حرام نہ ہو اور وہ حرام بتاؤ جس کے اندر حلال نہ ہو۔ آپؓ نے فرمایا:

"ذِكْرُ اللّٰهِ حَلَالٌ لَيْسَ فِيْهِ حَرَامٌ وَ ذِكْرُ غَيْرِهٖ حَرَامٌ لَيْسَ فِيْهِ حَلَالٌ"

"اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا ایسا حلال ہے کہ اس میں حرام نہیں اور غیر خدا کا ذکر ایسا حرام ہے کہ اس میں حلال نہیں۔"

اس لیے کہ اس کے ذکر میں نجات ہے اور اس کے غیر کے ذکر میں ہلاک ہی ہلاک۔

وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ.

Marfat.com

گیارھواں باب

تبع تابعین تا بہ زمانہ حال

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ:

شجاع طریقت، متمکن اندرِ شریعت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے بلند ہمت اور بہت باقدر لوگوں سے گزرے ہیں۔اپنے زمانہ کے مشائخ میں بہت معزز تھے۔آپؒ کی ابتدائی توجہ اور بیعت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔

آپ ابتداء زمانہ میں بڑے ریاکار اور فتنہ وفساد میں مشاق تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیقِ توبۃ النصوح عطا فرمائی اور ایسے مقرب بارگاہ ہو گئے۔

کچھ علم وعمل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔آپؒ کی زبان عجمی تھی اس وجہ سے زبان عربی پر دشواری سے چلتی تھی۔آپؒ کی بہت سی کرامتیں مخصوص ہیں۔آپؒ کا درجہ یہاں تک بلند ہوا کہ ایک روز حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کی عبادت گاہ میں آئے۔نمازِ شام کی تکبیر ہو رہی تھی اور جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر اقتداء کی مگر جب دیکھا کہ حضرت حبیب عجمیؒ کی زبان سے مخارجِ قرآن کریم صحیح نہیں نکل رہے تھے، نماز تو آپ نے پڑھی مگر یہ محسوس فرمایا کہ ان کے مخارج صحیح نہیں ہیں۔

شام کو جب سوئے تو خواب میں جمالِ الٰہی سے مشرف ہوئے۔عرض کی: الٰہی تیری رضا کس چیز میں ہے۔۔۔ جواب ملا حسن! اگر میرے حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھتا اور صحیح نیت کرنے سے تجھے اس کی عجمی زبان نہ روکتی تو میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔

اور مشائخ میں مشہور ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب ظلمِ حجاج سے فرار ہو کر تشریف لائے تو حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں روپوش ہوئے۔حجاج کے آدمی آئے اور آپ سے کہنے لگے۔حبیب! تم نے حسن کو کبھی دیکھا ہے۔آپ نے فرمایا: ہاں۔ملازموں نے کہا کہاں دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی میرے عبادت خانہ میں تشریف لے گئے ہیں۔متلاشی اندر حجرہ میں گئے، کسی کو نہ پایا، سمجھے کہ حبیب عجمی نے ہم سے مذاق کیا ہے۔غضبناک ہو کر بولے سچ بتاؤ کہ کس جگہ انہیں دیکھا ہے۔آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ سچ کہتا ہوں کہ وہ میرے حجرۂ عبات میں

Marfat.com

ہیں۔ دوبارہ پھر گئے مگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ انہیں نظر نہ آئے۔ پھر سہ بارہ دیکھنے گئے، آخرش مایوس ہو کر چلے گئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا حبیب! تو مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برکت سے مجھے ان کی نظر سے مخفی کر دیا مگر تم نے ان سے یہ کیوں کہہ دیا کہ حسن بصری اس جگہ اندر ہیں۔ عرض کی استاد! میری برکت سے آپ ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں کیے گئے بلکہ وہ سچ جو مَیں نے بولا اس کی برکت سے آپ کو وہ سپاہی نہ دیکھ سکے، اگر میں جھوٹ بول دیتا تو مجھے اور آپ کو وہ رسوا کرتے۔

اس قسم کی بہت سی کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئیں۔

آپ سے لوگوں نے پوچھا: رضاءِ الٰہی کس چیز میں ہے؟ آپؒ نے فرمایا:

فِیْ قَلْبٍ لَّیْسَ فِیْهِ غُبَارُ النِّفَاقِ .

''اس دل میں رضاء الٰہی ہے جس پر غبارِ نفاق نہ ہو''

اس لیے کہ نفاق خلافِ وفاق ہے اور رضا عین وفاق اور محبت کو نفاق کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ اس کا مقام محض رضا ہے تو رضاء صفتِ محبوبان ہوئی اور نفاق صفتِ دشمنان اور یہ مضمون بڑا زبردست ہے۔ ان شاء اللہ کسی دوسری جگہ بیان کیا جائے گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے نقیبِ اہلِ انس، زین جملہ جن وانس حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سرّ خاص تھے۔ مشائخ میں آپ کی کرامات مشہور ہیں اور ریاضت ومجاہدہ میں آپؒ کی خصلتیں مذکور۔

''دینار'' ایک غلام تھا اور یہ صاحبزادہ اسی حالت میں پیدا ہوئے کہ ان کے والد غلام تھے۔ آپؒ کی بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت مالکؒ ایک شب ہم چشموں میں مشغولِ عیش وطرب تھے۔ جب سب سو گئے تو آپؒ نے اس عود سے آواز سنی جسے بجا رہے تھے:

یَا مَالِکُ مَالَکَ اَنْ لَّا تَتُوْبَ ؟

''اے مالک! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تُو توبہ نہیں کرتا؟''

یہ سنتے ہی آپؒ نے سب کاموں سے ہاتھ کھینچا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آ کر بیعتِ توبہ کی اور اپنے چال چلن کی اصلاح اس درجہ کی کہ ایک دن مالک بن دینارؒ کشتی میں لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ کسی کا ایک نگینہ جواہرات کا گم ہو گیا، سب کی طرف نظر ڈالی، حضرت مالک بن دینارؒ ہی سب میں اجنبی نظر آئے، آپؒ پر اس نگینہ کی چوری کا الزام لگ

Marfat.com

گیا۔ آپؒ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی کہ یک لخت تمام دریا کی مچھلیاں دریا سے منہ نکالے ہوئے نظر آئیں اور دیکھا کہ ہر مچھلی کے منہ میں ایک ایک نگینہ ہے۔ آپؒ نے ایک نگینہ لے کر اسے دے دیا اور خود کشتی سے سطحِ آب پر اُتر کر کنارہ پر تشریف لائے اور دریا سے باہر ہو گئے۔ آپ کے ارشادوں میں سے ہے کہ:

"أَحَبُّ الْأَعْمَالِ عَلَیَّ الْإِخْلَاصُ فِی الْأَعْمَالِ."

"عملوں میں سے محبوب ترین عمل مجھے وہ اخلاص ہے جو عمل میں ہو۔"

اس لیے کہ عمل با اخلاص ہی عمل ہوتا ہے اور اخلاص عمل کے اندر بمنزلۂ روح ہے اور عمل بمنزلۂ جسم، چنانچہ جب جسم بے روح رہ جاتا ہے تو وہ جماد محض ہوتا ہے۔ اسی طرح عمل بلا اخلاص محض حباء منشور ہے مگر اخلاص تمام اعمال میں باطن ہے اور طاعات اعمال ظاہرہ کا نام ہے اور اعمالِ ظاہری عملِ باطن کے ساتھ تکمیل کو پہنچتے ہیں اور اعمال باطن کی قدر و قیمت اعمال ظاہر پر موقوف ہے۔

جیسے اگر کوئی کسی کے ساتھ ہزار برس دل سے مخلصانہ محبت رکھے مگر جب تک اس کا عمل اخلاص کا نظر نہ آئے گا وہ اخلاص، اخلاص نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی ہزار سال ظاہری عمل کرتا رہے مگر جب تک اس میں اخلاص نہ آئے گا، وہ عمل طاعت مخلصانہ نہ کہلائے گا۔

حضرت ابو حبیب بن سلیم الراعی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے امیر الاولیاء، فقیر بے ریا ابو حلیم حضرت حبیب بن سلیم الراعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ مشائخ کرام میں آپؒ کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے، آپؒ دلائل اور آیات کے بیان فرمانے میں خاص مہارت رکھتے تھے اور آپؒ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے خاص مصاحب تھے اور آپؒ کے حالات اصحابِ حال کے سے تھے۔ آپؒ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ. (۱)

"مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔"

آپ بکریاں چراتے اور کنارۂ فرات پر تشریف رکھتے، آپؒ کا طریقہ زیادہ تر عزلت نشینی تھا۔

مشائخ کرام میں سے ایک راوی ہیں کہ جب میں فرات کے کنارے سے گزرا۔ حبیبؒ

۱۔ اس حدیث پاک کا تفصیلی ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

Marfat.com

کو نماز میں پایا اور آپؒ کی بکریوں کی نگرانی بھیڑیا کر رہا تھا۔ مَیں نے کہا اس بزرگ کی زیارت کرنی چاہیے اس میں علاماتِ ولایت پائے جاتے ہیں۔ میں ٹھہرا رہا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، مَیں نے سلام عرض کیا۔ آپؒ نے فرمایا: صاحبزادہ کس کام سے ادھر آئے ہیں۔۔۔ میں نے عرض کی: حضور کی زیارت کے لیے۔ آپؒ نے فرمایا: جزاک اللہ.

میں نے کہا حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ بھیڑیئے اور بکریوں کو ایک جگہ دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بکریوں کا چرواہا اپنے ربّ کے ساتھ موافق ہے۔ یہ فرمایا اور اپنا پیالہ چوبیں ایک پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ اس پتھر سے دو چشمے جاری ہو گئے: ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا۔ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا حضور! یہ درجہ کس عمل کے بدلہ میں حاصل کیا۔ فرمایا: بِمُتَابَعَةِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلِ اللّٰهِ حضور سید یوم النشور ﷺ۔ پھر فرمایا صاحبزادے! قوم موسیٰ علیہ السلام جبکہ ان کی مخالف تھی، تو پتھر نے انہیں پانی دیا تھا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام درجۂ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے برابر نہ تھے پھر جبکہ میں حضور ﷺ کا پیروکار ہوں تو پتھر مجھے کیوں نہ شیر و شہد دے۔ اور پھر محمد ﷺ تو موسیٰ علیہ السلام سے کہیں افضل و اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔ مَیں نے عرض کی۔ حضور! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُ قَلْبَکَ صَنْدُوْقَ الْحِرْصِ وَبَطْنَکَ وِعَاءَ الْحَرَامِ.

''اپنے دل کو حرص و ہویٰ کا صندوق نہ بنا اور اپنے شکم کو حرام کا برتن نہ کر۔''

اس لیے کہ ہدایتِ مخلوق انہیں دو چیزوں میں ہے اور نجات انہیں دو چیزوں سے مجتنب رہنے میں ہے۔ علاوہ اس کے میرے شیخ سے یہاں بہت سی روایات ہیں لیکن مَیں اس وقت ضیق میں ہوں، اس وجہ سے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ میری کتابیں غزنی میں رہ گئیں۔ اللہ اس شہر کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ میں اس وقت ہندوستان کے شہر لہانور (۱) میں ہوں جو مضافات ملتان سے ہے اور ناجنسوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ والحمد للہ علی السرّاء والضرّاء

حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے پیر صالح حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپؒ بھی مشائخ کرامؒ میں مقتداء مانے جاتے ہیں۔ آپ کو معاملاتِ عبادت میں خاص حصہ عطا ہوا اور میدانِ فقر میں آپؒ کا قدم بہت صحیح تھا اور آپ کے مجاہدات کی روش نہایت پاکیزہ تھی۔

۱۔ ''لہانور'' سے مراد شہر لاہور ہی ہے۔

Marfat.com

اور حضرت عمرو ابن عثمان مکیؒ نے آپ کے حالات میں بہت کوشش کی ہے۔ آپؒ کے کلام و مضامین مقبول خواص ہیں اور آپ کے عملی جواہر پارے بہت سی کتابوں میں مشہور ہیں اور عمرو بن عثمانؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا:

مَا مَالُکَ، قَالَ: اَلرِّضَاءُ مِنَ اللّٰهِ وَالْغِنٰی عَنِ النَّاسِ. "

آپ کا خزانہ اور مال کیا ہے؟ فرمایا: میرا مال رضاء الٰہی ہے اور مخلوقات سے بے نیازی۔"

جو اپنے ربّ سے راضی ہو گیا وہ مخلوقات سے مستغنی ہو گیا اور زبردست خزانہ مردِ کامل کا رضائے مولا ہے اور اس میں اشارۂ غنا جو ہے وہ من جانب اللہ ہے، تو جو من جانب اللہ غنی ہو گا وہ یقیناً غیر خدا سے مستغنی ہو گا اس کا راستہ بجز درگاہ الٰہی کوئی نہیں، وہ خلاء ملا میں بجز اپنے ربّ حقیقی کے کسی کو نہیں پکارتا۔ کسی نے مشائخ میں سے کہا کہ میں حضرت ابو حازمؒ کے پاس آیا، دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں، مَیں کچھ دیر ٹھہرا رہا تا کہ وہ بیدار ہوں، تھوڑی دیر بعد آپؒ اٹھے، مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ حضور ﷺ نے میرے ذریعہ آپ کو پیام فرمایا ہے کہ جاؤ ماں کی خدمت کرو، یہ حج سے بہتر ہے۔ یہ سنتے ہی میں واپس گھر آ گیا اور حج کو نہیں گیا۔ بس اس سے زائد ان سے میری گفتگو نہیں ہوئی۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے داعی اہل مجاہدت، قائم اندر مشاہدت حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپؒ اپنے زمانہ میں اپنی نظیر آپ ہی تھے اور آپ کو بہت سے تابعین (یعنی وہ جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی زیارت کی) کی صحبت کا شرف ملا اور بہت سے مشائخ آپ کو اپنا امام و پیشوا مانتے ہیں اور رموزِ طریقت میں آپؒ پوری دستگاہ رکھتے تھے اور حقائق تصوف میں آپؒ کے خیالات بہت بلند تھے۔ آپؒ کے ارشادات جامع اور کامل ہوتے تھے۔ آپؒ ہی سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

مَارَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰهَ فِیْهِ.

"میں نے کوئی چیز نہ دیکھی مگر جو دیکھا اس میں جلوۂ الٰہی دیکھا"۔

اور یہ خاص مقام مشاہدہ ہے کہ بندہ غلبۂ محبت یار میں اس مقام پر پہنچ جائے کہ جب وہ فعل میں نظر ڈالے تو اسے فعل نہ سمجھے۔ جیسے کوئی تصویر کو دیکھے تو اس کی نظر مصور پر پڑتی ہے۔ اس مضمون کی حقیقت بموجب فرمان ابراہیم علیہ السلام ہے کہ جب آپؑ نے ماہتاب و آفتاب کو دیکھا

Marfat.com

تو ''هٰذَا رَبِّیْ''(۱) فرمایا اور جب ستارہ دیکھا تو ''هٰذَا رَبِّیْ'' اور یہ کہنا تمام تر غلبۂ شوق میں تھا کہ جس چیز کو دیکھا اس میں صفاتِ محبوب کا مشاہدہ کیا۔

اس لیے کہ جب محبانِ خاص عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر شے کو مقہور بقہر و اسیر سلطانِ دہر دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے اس کے پردہ میں فاعلِ حقیقی کی قدرت کام کر رہی ہے، تو اس کی تلاش کرتے کرتے اپنے دل میں ہر چیز کو محض ناچیز یقین کر لیتے ہیں اور جب محبوبانِ بارگاہ بچشم اشتیاق اس عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو مقہور نہیں بلکہ سب کو قاہر دیکھتے ہیں اور مخلوق کو نہیں بلکہ سب میں جلوۂ خالق دیکھتے ہیں اور اس بحث کو ہم باب مشاہدہ میں بیان کریں گے۔ اِنْ شَـاءَ اللّٰه . اس مسئلہ میں ایک جماعت کو غلط فہمی ہوگئی ہے اور وہ اس غلط فہمی کے ماتحت کہتے ہیں کہ وہ مرد جس نے کہا ''رَأَیْتُ اللّٰهَ فِیْهِ'' یعنی اللہ کو میں نے اس میں دیکھا۔'' اس سے مکان اور حلول ثابت ہوتا ہے۔ اگر بِـالْفَـرْضِ وَ التَّقْدِیْرِ کوئی کہے کہ مکان مخلوق ہے تو مکین بھی مخلوق ہوگا اور اگر مکین قدیم تو مکان بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ اس میں دو فساد آتے ہیں یا خلق کو قدیم کہا جائے یا معـاذ اللّٰه خالق کو محدث، اور یہ دونوں کفر ہیں۔

تو دیکھنے سے مراد ذاتِ حقیقی نہیں ہوگی بلکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر چیز میں نشانیٔ قدرتِ الٰہیہ اور براہینِ فطرتِ قادریہ کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں پھر اس بحث میں بڑے لطیف رموز و نکات ہیں جو اپنی جگہ پر ان شاءاللہ بیان کریں گے۔

حضرت ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے امام امامان، مقتداء سنیاں، شرف فقہاء، عزِّ علماء حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخراز رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپؓ مجاھدات و عبادات میں نہایت ثابت قدم تھے اور طریقت کے اصول میں بڑے جلیل الشان عالم مانے گئے ہیں، حتیٰ کہ ابتداء زمانہ میں آپؓ نے عزم عزلت نشینی فرمالیا تھا اور مخلوقات سے علیحدگی فرمالی تھی۔ چاہتے تھے کہ مخلوقات سے علٰیحدہ ہو کر دل کو ریاست و جاہِ مخلوق سے پاک فرمائیں اور خالص ربّ جل مجدہٗ کی اطاعت میں کمربستہ ہوں کہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضور سید اکرم ﷺ کے استخوانہائے مبارک لحد مبارک سے جمع کر کے ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دے کر پسند کر رہے تھے۔ اس خواب سے اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ بیدار ہو گئے اور سخت پریشان۔ آخر صحابہ کرامؓ کے ایک تلامذہ میں سے حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ تھے، ان کی خدمت میں گئے اور خواب بیان کیا۔ آپؓ نے تعبیر دی کہ خواب مبارک ہے، تم

۱۔ سورۃ الأنعام: ۷۷

Marfat.com

علمِ سید الانبیاء ﷺ حاصل کر کے محافظت سنت میں اعلیٰ درجہ پاؤ گے بلکہ ان روایاتِ سنت میں نقد و تنقیح کر کے تصرف فرمانے کے مجاز بنو گے اور صحیح کو سقیم سے علیحدہ کرو گے۔

دوبارہ پھر خواب میں جناب رسالت مآب ﷺ کو دیکھا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں:

''ابو حنیفہ! تجھے اللہ نے میری سنت زندہ کرنے کے لیے بنایا ہے، گوشہ نشینی کا عزم نہ کر۔''

چنانچہ آپؒ نے خدمتِ دین شروع کر دی اور بڑے بڑے مشائخ کرامؒ سے مثل ابراہیم اور فضیل بن عیاض، داؤد طائی، بشر حافی رحمہم اللہ وغیرہم کے استاد ہوئے اور علاوہ اس کے آپؒ کے تورع اور اتقاء کے بہت سے واقعات علماء میں مشہور ہیں۔ چنانچہ بادشاہ ابو جعفر منصور کے عہد کا واقعہ مشہور ہے کہ چار آدمی اس نے اپنی سلطنت کے قضاۃ کے لیے خاص طور پر منتخب کیے اور فیصلہ کیا کہ ان میں سے ایک قاضیِ اسلام بنایا جائے: [i] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ [ii] حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ [iii] حضرت مسعر ابن کدام رحمۃ اللہ علیہ [iv] حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یہ چاروں زبردست علماء میں سے تھے۔ کسی کو ملازمین میں سے حکم ملا کہ ان چاروں کو بلا لائے۔ جب ایلچی آیا، چاروں روانہ ہوئے راستہ میں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں آپ حضرات کو کچھ باتیں کہوں جو فراستاً میرے ذہن میں آئی ہیں۔ سب نے جواب دیا کہ فرمائیں۔

آپؒ نے فرمایا میں تو حیلہ سے اپنے کو عہدۂ قضا سے بچا لوں گا اور مسعر دیوانہ بن کر بچ جائے گا اور سفیان دربار سے بھاگ جائیں گے۔ اب رہے شریح، یہ قاضی بنیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت سفیان تو راستہ ہی سے بھاگے اور کشتی میں بیٹھ کر فرمانے لگے مجھے چھپا لو کہ حکومت میرا سر کاٹنا چاہتی ہے اور یہ جملہ حدیثِ سید اکرم ﷺ سے ماوّل فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ. (۱)

''جو قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔''

ملاحوں نے آپ کو چھپا دیا اور یہ تینوں حضرات دربار ابو جعفر منصور میں پہنچے۔

۱۔ اسے امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابو عاصم کی طرح بطریق عثمان بن محمد الاخنسی روایت کیا ہے۔ امام قضاعی نے بطریق زید بن اسلم، سعید المقبری اور اعرج ان دونوں نے ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بعض کے الفاظ یہ ہیں اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: **فانہ قد ذبح** مذکورہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں اور اسی طرح امام نسائی اور امام دارقطنی کے الفاظ ہیں اور ایک روایت اس طرح ہے: **من استعمل علی القضاء** جبکہ ابوداؤد کے یہ الفاظ ہیں: **من ولی القضا**۔ امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حسن اور غریب ہے۔ (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔)

Marfat.com

ابوجعفر منصور نے خصوصیت سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ کو منصب قضاء پر متمکن ہونا چاہیے۔ آپؒ نے فرمایا امیر المومنین! میں عربی النسل نہیں بلکہ ان سے محبت رکھنے والا ہوں تو ساداتِ عرب میرے حکم پر خوش نہ ہوں گے۔ ابوجعفر منصور نے کہا حضرت! اس عہدہ کو نسب سے تعلق نہیں ہے، یہ عہدہ علم والے کو ملتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا پھر بات یہ ہے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں اور سچ کہتا ہوں کہ لائق نہیں۔ پھر اگر مَیں سچ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ مَیں اس عہدہ کے لائق نہیں اور اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ دروغ گو قاضیِ مسلمانان بننے کا کس طرح اہل ہوسکتا ہے؟ اور آپ کہ خلیفۂ الٰہی ہیں، کبھی رَوا نہیں رکھ سکتے کہ دروغ گو کو اپنا نائب بنائیں اور مسلمانوں کے خون، مال، عزت و روپیہ کا اس پر بھروسہ کریں۔ یہ فرمایا اور بموجب پیشگوئی نجات پاگئے۔

اب حضرت مسعر بن کدامؒ کی باری آئی۔ آپ آگے بڑھے اور امیر المومنین، ابوجعفر منصور کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے: ابوجعفر! اچھی طرح ہو، تمہارے بچے بیوی تو اچھے ہیں، منصور نے یہ بے ربط کلام سن کر حکم دیا کہ اسے دربار سے نکال دو، یہ دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضرت شریح کو فرمایا گیا کہ تمہیں منصب قضا پر آنا چاہیے۔ آپ نے کہا کہ میں سودائی آدمی ہوں، میرا دماغ کمزور ہے۔ منصور نے کہا علاج کرالیں، عصارہائے موافقہ اور نبیذ ہائے مثلث استعمال کریں آپ کی عقل کامل ہوجائے گی۔ آخرش منصب قضا شریح کو دے دیا گیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت شریح کو چھوڑ دیا اور کبھی ان سے کلام نہ فرمایا اور یہ آپؒ کے کمال حال کی خاص نشانی تھی، ان میں دو علیحدہ علیحدہ شانیں نظر آئیں، ایک تو ان کی پیشگوئی کی صداقت کہ جیسا فرمایا ویسا ہوا، دوسرے اپنے کو صحت و سلامتی پر اتنا قائم رکھا کہ جاہ و اعزازِ خلقت کی پرواہ نہ کی۔

یہ ستون ایسے پایہ کے نکلے کہ کسی نہ کسی حیلہ سے مخلوق کو اپنے سے دور رکھ کر اتنے بڑے

(بقیہ حوالہ گزشتہ صفحہ سے)

امام نسائی کہتے ہیں: داؤد مشہور راوی نہیں اور اخفسی قوی نہیں، اور امام سخاوی رقمطراز ہیں: یہ حدیث صحیح بلکہ حسن ہے۔ حوالہ کے لیے: مسند الامام احمد ۲/۲۳۰، ۳۶۵، سنن ابی داؤد ۳/۲۲۳، ۲۲۴ (حدیث: ۳۵۵۴، ۳۵۵۵) سنن الترمذی ۶ /۲۷۵ (حدیث: ۱۳۴۰)، المعجم الصغیر للطبرانی ۱ /۱۷۶ السنن الکبری للبیهقی، ۱۰ /۹۶، تاریخ بغداد للخطیب ۶ /۱۵۰، ۱۵۱، تاریخ جرجان، السهمي، (ص: ۶۱)، العلل المتناهیة لابن الجوزی ۲ /۱۷۰، کشف الخفاء ۲/۲۴۳، المقاصد الحسنة للسخاوی (ص: ۴۰۹ حدیث: ۱۱۰۷)

Marfat.com

منصب سے مجتنب ہو گئے۔ آج کے دن عام علماء وفضلاء اس قسم کے عمل اور ورع وتقویٰ کی پرواہ نہیں کرتے اس لیے کہ وہ سب کے سب حرص و ہویٰ کے ساتھ وابستہ ہیں اور طریقۂ حق سے فرارشدہ ہیں۔ ان کے لیے امراء کے گھر بمنزلہ قبلہ ہیں، ظالم اہل حکومت کی بارگاہ بیت المعمور ہے اور جابروں کے درباروں میں ان کے فرش تک پہنچ جانا، "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" سے کم نہیں سمجھتے اور جو کچھ ان کی مرضی کے خلاف بات ہو اس سے یہ پہلے منکر ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ غزنی میں (خدا اس شہر کو محفوظ رکھے) علم و امامت کے مدعیوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ مرقعہ پہننا بدعت ہے۔ مَیں نے اسے جواب دیا کہ جُبّہ حشیش اور پوشاک دبیق جو خالص ابریشم سے تیار ہوتا ہے تمہارے اور تمام مردوں کے لیے شرعاً حرام ہے، تم ان عباؤں اور قباؤں کو ظالم جابر حکام سے خوشامد کر کے لیتے اور پہنتے ہو، اس میں اوّل تو خوشامد حرام، پھر ظالم سے لے کر حرام، پھر اس کا پہننا حرام، لیکن اسے تم پہنتے ہو اور کبھی اسے بدعت تک نہیں کہتے، برخلاف خرقہ کے کہ وہ جامہ حلال ہوتا ہے اور مال حلال سے خریدا جاتا ہے، اس کا پہننا کس طرح بدعت بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تمہارے دلوں پر رعونت غالب نہ ہو اور نفس کی گمراہی میں تم نہ پھنسے ہوتے تو اس کے بجائے کہ خرقہ کو بدعت کہہ دیا کوئی اچھی بات کہہ دیتے۔

عورتوں پر لباس ابریشم حلال ہے اور مردوں پر حرام اور دیوانوں پر مباح، اگر تم لوگ عورت یا دیوانہ ہو تو پھر تم معذور ہو۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَدَمِ الْاِنْصَافِ.

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوفل بن حیان رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور مخلوقات حساب و کتاب کے مقام پر کھڑی ہے۔ حضور سید یوم النشور ﷺ کو دیکھتا ہوں کہ حوضِ کوثر کے کنارے جلوہ فرما ہیں اور آپ کے بائیں طرف بہت سے مشائخ حاضر ہیں۔ ایک بزرگ معمر کو دیکھا کہ بہت خوبصورت ہیں اور آپ کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنا رخسار مبارک حضور ﷺ کے رُخِ اقدس پر رکھا ہوا ہے اور ان کے برابر حضرت نوفل بن حیان رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ انہوں نے جیسے ہی مجھے دیکھا تو میری طرف آئے اور سلام فرمایا۔ میں نے انہیں کہا: مجھے پانی دیجئے۔ فرمایا: حضور ﷺ سے اجازت لے لوں، کہ حضور ﷺ نے انہیں انگلی سے اشارہ فرما کر پانی دینے کا حکم فرمایا۔ مَیں نے پانی پیا اور میرے ساتھی جو تھے انہیں پلایا۔ مگر وہ جام جس میں پانی ملا تھا، بدستور مملو ہی رہا کچھ کم نہ ہوا۔

مَیں نے حضرت نوفل بن حیانؓ سے پوچھا کہ یہ بزرگ سفید بالوں والے جو حضور

Marfat.com

ﷺ کے داہنے جانب کھڑے ہیں کون ہیں؟ فرمایا یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام ہیں اور بائیں طرف جو کھڑے ہیں وہ صدیق اکبر خلیفۂ رسول رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی طرح میں پوچھتا رہا اور اپنی انگلیوں میں گنتا رہا حتیٰ کہ سولہ بزرگوں کو میں نے گنا۔ جب میں بیدار ہوا تو سولہ عدد پر میری انگلی میں گرہ کے نشان تھے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ عِنْدَ عِلْمِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ. ''حضور! میں حضور کو کہاں تلاش کروں، فرمایا ابوحنیفہ کے علم کے نیچے۔''

غرضیکہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ورع وتقویٰ میں اس قدر مناقب ہیں کہ یہ کتاب ان کی متحمل نہیں۔

مَیں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ایک بار شام میں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذنِ حضور اکرم ﷺ کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا کہ اپنے آپ کو مکہ میں دیکھا اور اسی خواب میں دیکھا کہ سرکارِ مدینہ ﷺ بابِ بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک بزرگ معمر کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں۔

میں فرطِ محبت سے دوڑا اور حضور ﷺ کے پائے اقدس کو چومنے لگا اور مَیں اس تعجب میں تھا کہ یہ معمر، حضور ﷺ کے اتنے محبوب کون ہیں!! حضور ﷺ میرے تعجب کو نورِ نبوت سے سمجھ گئے۔ مجھے فرمانے لگے یہ تیرا امام ہے اور تیرے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔ مجھے اس خواب کے بعد اس ہستی پاک کے ساتھ امید قوی ہے اور میرے اہل شہر بھی بالخصوص امیدوار ہیں اور اس خواب سے میرا یہ خیال بھی صحیح ہو گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصافِ طبع سے فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں، اس لیے ان کے چلانے والے حضور سید یوم النشور ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے (یعنی ارادۂ صواب کرے گا مگر بلا ارادہ خطا ظاہر ہو جائے) یا مصیب ہوتا ہے (یعنی حقیقتِ معاملہ کو اچھی طرح پہنچنے والا)۔

اور جب ان کے قائد خود حضور ﷺ ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور نبی کی صفتِ بقا سے قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر سے صدورِ خطا ناممکن ہے جو اس ذات کے ساتھ قائم ہے، اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی۔ یہ درحقیقت ایک نہایت لطیف رمز ہے۔

مروی ہے کہ جب حضرت داؤد طائی رضی اللہ عنہ علم دین حاصل فرما کر پیشوا بن چکے اور

Marfat.com

منصب افتاء حاصل کرلیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اب مجھے کیا حکم ہے؟۔۔۔امام صاحب نے فرمایا:

عَلَيْکَ بِالْعَمَلِ فَاِنَّ الْعِلْمَ بِلَاعَمَلٍ کَالْجَسَدِ بِلَا رُوْحٍ

''اب تم پر عمل لازم ہے اس لیے کہ علم بلاعمل ایسے ہے جیسے جسم بلا روح۔''

جب تک علم، عمل کے ساتھ نہ ہو، صاف نہیں ہوتا اور نہ بغیر عمل زمانہ سے مخلصی ملتی ہے اور جو مجرد علم پر قناعت کرے وہ عالم نہیں ہے۔ اس لیے کہ عالم مجرد علم پر قانع نہیں ہوتا اور علم کا جو عین ہے وہ خود عمل کا متقاضی ہے۔ جس طرح ہدایت، مجاہدہ، کی متقاضی ہے یا جیسے مشاہدہ بلا مجاہدہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح علم بے عمل نہیں آتا اور علم میراث عمل ہے اور علم کا فائدہ اور اس کا انکشاف عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ کہ کسی صورت میں علم کو عمل سے جدا نہیں کرنا چاہیے جیسے نورِ آفتاب کو آفتاب سے علیحدہ نہیں کرسکتے۔ اور ابتداء کتاب میں ہم نے بیانِ علم پر ایک مختصر باب لکھ دیا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ

حضرت عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے سیّدِ زُہاد، قائدِ اوتاد حضرت عبداللہ بن المبارک مروزی ہیں! رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپؒ کا وجود اپنے زمانہ میں محتشمانِ قوم میں سے تھا اور شریعت و طریقت کے احوال و اسباب و اقوال میں آپ کو امامِ وقت مانا گیا۔ آپؒ نے بڑے بڑے مشائخ کرام و صوفیاء عظام کی زیارت فرمائی اور ان کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ کی تصانیف ہر علم و فن میں مشہور اور کرامتیں مذکور ہیں۔

ابتدائی دَور آپ کا ایسا تھا کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ تھے اور اتنے دلدادہ تھے کہ ایک رات مستانہ وار اٹھے اور ایک اپنے ہم چشم کو ساتھ لے کر اپنی معشوقہ کے مکان کے زیر دیوار کھڑے ہوگئے۔ معشوقہ بھی آپ کی فریفتہ تھی، وہ وقت معہودہ پر بر سر بام آ گئی اور تمام شب یہ اسے دیکھتے رہے، وہ انہیں دیکھتی رہی۔ تمام شب گزر گئی۔

جب صبح کی اذان کی آواز آئی، ابن مبارکؒ کو خیال آیا کہ عشاء کی اذان ہو رہی ہے مگر جب دن نکل آیا تو سمجھ گئے کہ یہ عشاء کی نہیں فجر کی اذان تھی اور مَیں نے تمام شب حسن پرستی معشوقہ میں گزار دی۔ نفس لوامہ نے ملامت کی، آپ کو محسوس ہوا اور دل سے کہنے لگے: تجھے شرم کرنی چاہیے کہ تمام رات محض ہوائے نفسانی کو پورا کرنے کو تو نے ایک پاؤں کھڑے ہو کر گزار دی، اس پر خواہش ہے کہ اعزازِ اخروی حاصل کرے، اگر یہ شب نماز میں طویل سورت شروع کر کے

Marfat.com

اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہوتا تو دیوانہ وار خود رفتہ ہو جاتا۔ ابن مبارک!۔۔۔ اس پر دعویٰ ایمان۔۔۔!!

پس یہ مکالمہ دل سے کر کے آپؒ نے فی الفور توبہ کی اور ایسی توبہ کی کہ اس کے بعد آپ کے اوقات، علم اور طلبِ حق میں صرف ہوئے اور زُہد و دیانت میں یہ درجہ پایا کہ ایک بار آپؒ کی والدہ باغ میں گئیں اور آپ کو باغ میں سویا ہوا دیکھا۔ قریب پہنچیں تو دیکھتی ہیں کہ ایک بہت بڑا سانپ شاخِ گل منہ میں لے کر آپ کے سرہانے مگس رانی کر رہا ہے۔ اس زمانہ میں آپ مقام مرو میں تھے۔ اس کے بعد آپ یہاں سے بغداد شریف چلے آئے اور بزرگان عظام کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے پھر کچھ عرصہ مکہ معظمہ میں حاضر رہے بعد ازاں پھر مرو واپس آ گئے۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو برائے زیارت حاضر آئے اور ایک درس آپ کے لیے قائم کیا گیا اور ایک مجلس خاص آپ کے فیضِ صحبت سے استفادہ کرنے کو قائم ہو گئی۔ مرو میں مسلمانوں کے اندر کچھ لوگ عقلی دلائل کے ماتحت اپنی رائے کے مطابق عمل کرنے والے تھے اور کچھ لوگ فرمان رسالتمآب ﷺ پر عامل تھے۔ اب تک ان کا یہی رویہ ہے، ان لوگوں کو ''رضی الفریقین'' کہتے ہیں اس لیے کہ دونوں فریق باہم موافق تھے۔ پھر آپؒ نے یہاں دو مسافر خانے بنوائے۔ ایک ان لوگوں کے لیے جو حضور ﷺ کے حکم کے ماتحت عمل کرتے تھے، دوسرا ان کے لیے جو اپنی رائے اور عقل کی روشنی میں چلتے تھے۔ چنانچہ آج تک یہ دونوں لوگ وہاں موجود ہیں اور اصلی عقیدہ میں دونوں متحد اور ایک عقیدہ پر قائم ہیں۔

بعد ازاں آپ وہاں سے پھر حجاز تشریف لے آئے اور یہاں ہی ہمیشہ کے لیے رہ گئے۔ لوگوں نے آپؒ سے ایک بار پوچھا کہ آپؒ نے عجائباتِ عالم میں سے کیا چیز خاص دیکھی؟۔۔۔ فرمایا: ایک راہب دیکھا (راہب نصاریٰ کے زاہد کو کہتے ہیں جو تارک الدنیا ہو) جو اپنے طریقہ کے مجاہدہ و ریاضت میں گھل کر زار و نزار ہو چکا تھا اور خوف الٰہی سے اس کی کمر اتنی جھک گئی تھی کہ دوہرا ہو گیا تھا، میں نے اس سے پوچھا:

> ''یَا رَاهِبُ! كَيْفَ الطَّرِيْقُ اِلَى اللّٰهِ فَقَالَ لَوْ عَرَفْتَ اللّٰهَ لَعَرَفْتَ الطَّرِيْقَ اِلَيْهِ فَقَالَ اَعْبُدُ مَنْ لَااَعْرِفُهٗ وَ تَعْصِیْ مَنْ تَعْرِفُهٗ.''
>
> ''اللہ تعالیٰ تک رسائی کا کونسا راستہ ہے؟ کہنے لگا اگر تو اللہ کو پہچان لے گا، اس کے راستہ کو بھی جان لے گا۔ (پھر) کہنے لگا میں اس کا پرستار ہوں جسے آج تک نہیں پہچانا اور تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے جسے تو جانتا ہے۔''

Marfat.com

یعنی معرفتِ ذات، مقتضی خوف ہے اور مَیں تجھے بے خوف اور بے غم پاتا ہوں اور بے خوفی مقتضی کفر و جہل ہے۔ اس جواب سے مَیں نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا اور اس کے الفاظ نے مجھ پر یہ اثر کیا کہ بہت سے ناکردنی افعال سے رکا رہا۔

آپ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَائِہٖ".

''محبوبانِ بارگاہ کے قلوب پر سکون حرام ہے۔''

اس لیے ان کے دل سکون میں نہیں ہوتے۔ دنیا میں ان کا اضطراب طلبِ جمال کے لیے رہتا ہے اور عقبیٰ میں ان کا اضطراب طربِ بے کیف کی وجہ میں۔ چونکہ دنیا میں وہ جلوۂ یار سے غیبت میں رہنے کی وجہ سے مضطر رہتے ہیں اور عقبےٰ میں وصلِ بے کیف کے باعث۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ ان کی دنیا مثل عقبیٰ کے ہے اور عقبیٰ مثل دنیا کے۔ اس لیے کہ سکونتِ دل کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں یا حصول مقصود یا مراد پانے سے غفلت اور یہ لوگ ان دونوں چیزوں کو روا نہیں رکھتے۔ ☆

ان کا مقصد یہ ہے کہ خفقانِ محبت سے دل کو سکون ہی نہ ملے اور غفلت، محبان الٰہی کے یہاں حرام ہے اس لیے کہ غفلت آئی اور حرکاتِ طلب میں سکون ہوا، اور وہ اضطرار و اضطراب طلب سے دل میں سکون پسند نہیں کرتے۔ اس بحث میں اہل طریقت محققین کے بہت قوی دلائل ہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے شاہِ اہل حضرت، بادشاہِ درگاہِ وصلت ابوعلی الفضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ بھی ''صعالیک'' قوم میں سے تھے اور اکابر صوفیا سے گزرے ہیں۔ آپ ؒ کو اعمال و عبادات سے خاص حصہ عطا ہوا تھا اور اربابِ طریقت میں ایک مشہور صوفی مانے گئے۔

آپ کی بھی ابتدائی کیفیت عیاری و راہزنی میں رہی۔ مرو سے باور کے مابین ان کا محاذِ قزاقی تھا، لیکن طبیعت کی خوبی اس وقت بھی اتنی تھی کہ آپ کو جوانمرد اور رحم دل، صلح پسند و بلند ہمت کہا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ جس قافلہ میں نسوانی طبقہ ہوتا اسے لوٹنا بُرا جانتے تھے، اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ فرماتے اور جس کے پاس کالائے سفر یا سرمایہ زادِ راہ کم ہوتا اس سے کچھ نہ لیتے بلکہ متمول کو اگر لوٹتے تو اتنا مال ضرور چھوڑ دیتے جس سے وہ اپنا سفر پورا کر سکے۔

آخر کار ایک سوداگر مرو سے روانہ ہوا۔ لوگوں نے اسے کہا کہ راستہ میں فضیل راہزن

☆ دو گونہ رنج و عذابست جان مجنون را بلا فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

Marfat.com

ہے۔ اس کے لیے کچھ بدرقہ لے جاؤ (یعنی اس کے مقابلہ کا انتظام کر کے جاؤ)۔ سوداگر نے کہا میں نے اس کی راہزنی کے ساتھ یہ بھی سنا ہے کہ وہ خدا ترس آدمی ہے، اس لیے کسی خاص انتظام کی حاجت نہیں، صرف ایک قاری صاحب کو کچھ روزینہ مقرر کر کے ساتھ لے لیا ہے اور اونٹ پر بٹھا کر کہہ دیا ہے کہ آپ راستہ بھر تلاوتِ قرآن مجید شب و روز فرمائیں۔ غرضیکہ قافلہ اس جنگل میں آ گیا جہاں فضیل کی کمین گاہ تھی۔

قافلہ دیکھتے ہی فضیل گھات میں لگے اور قافلہ کے قریب پہنچے۔ اتفاقاً اس وقت قاری کی زبان پر یہ آیت کریمہ آ گئی:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (۱)

"کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور یاد سے خشوع و خضوع حاصل کریں۔"

اس آیت کے سنتے ہی فضیل رضی اللہ عنہ کے دل میں رِقت محسوس ہوئی اور آفتابِ ہدایت و رحمت ان کی پیشانی پر تاباں ہوا۔ انہوں نے رہزنی کے ایام میں جن جن پر غارت کی تھی سب کی فہرست بنا رکھی تھی۔ اسی وقت توبہ کی اور جن جن کا مال لوٹا تھا انہیں راضی کر کے معافی لی اور مرو سے روانہ ہو کر بیت اللہ شریف کے مجاور بن گئے۔ یہاں بڑے بڑے بزرگانِ دین اور عرفاءِ کاملین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ پھر کوفہ میں آ کر حضرت امام ہمام ابوحنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کی صحبت سے ایک مدت تک متمتع رہے۔ آپ ہی سے فن حدیث میں بڑی بڑی بلند روایات منقول ہیں اور فن تصوف و معرفت میں بہت سے بلند کلام مشہور ہیں۔ آپ ہی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ عَبَدَهٗ بِكُلِّ طَاقَتِهٖ

"جو اللہ تعالیٰ کا عرفان کامل کر لے وہ ضرور اپنی تمام ہمت و قوت اس کی پرستش میں صرف کرے گا۔"

اس لیے کہ جو بھی عارفِ الٰہی ہو جائے گا، وہ یقیناً اس کے انعام و احسان کو جان لے گا اور اس کی رافت و رحمت سے واقف ہو گا، پھر جب اسے جان لے گا اس کا یقیناً دوست بن جائے گا اور جب دوست بنے گا تو دوست کی پیروی بحد استطاعت لازمی کرے گا اس لیے کہ حکمِ محبوب محب پر دشوار و بار نہیں ہوا کرتا۔

۱۔ سورۃ الحدید: ۱۶

Marfat.com

تو جس کی دوستی جس سے زیادہ ہو گی، حرصِ اطاعت بھی اس میں بڑھ جائے گی اور ازدیادِ محبت حقائق معرفت میں سے ہے۔ جیسا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور ﷺ میرے پاس سے اٹھے اور میری نظروں سے اوجھل ہوئے۔ مجھے وہم ہوا کہ شاید حضور ازواج کے کسی کمرہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ مَیں حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چلی، مسجد میں آئی تو مَیں نے حضور ﷺ کو نماز میں قیام فرما دیکھا اور اشکباری میں تمام شب گزر گئی۔ صبح کو بلال آئے، فجر کی اذان دی مگر حضور ﷺ بدستور نماز میں اشکباری کے ساتھ مشغول تھے۔

جب جماعت سے فارغ ہوگئے تو حضور ﷺ حجرہ میں تشریف لائے۔ میں نے دیکھا کہ پائے اقدس اس قدر متورم ہیں کہ انگلیوں سے شقاق ہو کر زرد پانی جاری ہے۔ میں رونے لگی اور عرض کی حضور ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب خواص کے اول آخر تمام گناہ عفو فرما دیئے، پھر اس قدر غم کیسا! چھوڑیئے، یہ کام وہ کرے گا جسے اپنی عاقبت کے امن کا خطرہ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ میرے ربّ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے یہ منصب جلیل عطا فرمایا:

اَفَلا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا (۱)

''تو کیا مجھے اس کی بارگاہ میں شکر گزار بندہ نہ ہونا چاہیے۔''

جبکہ اس نے مجھ پر کرم فرمایا مژدہ بخشش سنایا تو کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں عبادت و شکر بھی نہ کروں اور اپنی استطاعت و قوت کے موافق استقبالِ نعمت بھی نہ کروں۔

۱۔ اسے امام ترمذی نے ''الشمائل المحمدیہ'' میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے، راوی کہتے ہیں:
قام رسول اللہ ﷺ حتی انتفخت قدماہ فقیل لہ : اتتکلف ھذا وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر ،قال : افلا اکون عبدًا شکورًا۔ اسے امام مسلم نے اپنی "صحیح" کی کتاب المنافقین ۱۴۱/۸ (حدیث نمبر ۲۸۱۹) میں اور امام بخاری نے اپنی صحیح ۱۴۹/۱ کی کتاب ''التھجّد و التفسیر'' میں روایت کیا ہے اور امام عسقلانی نے اسے ''فتح الباری'' میں عطا عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت کیا ہے، ابوالشیخ ابن حبان نے اسے کتاب اخلاق رسول اللہ ﷺ میں ذکر کیا ہے اور انہی کے طریق سے ابن جوزی نے الوفاء باحوال المصطفی ﷺ میں ذکر کیا ہے۔ اس روایت کی سند میں ابو جناب نامی ایک راوی ہے جسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور اسی کو ابن حبان نے اپنی "صحیح" میں عبدالمالک کی سند سے روایت کیا ہے اور اسی طرح امام عراقی نے ''تخریج احیاء علوم الدین'' میں کہا ہے۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے لیلۃ المعراج میں پچاس نمازیں قبول فرمالیں اور وہ حضور ﷺ کو قطعاً گراں نہ گزریں۔حتیٰ کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے سے حضور ﷺ محض اُمت کی خاطر واپس تشریف لے گئے اور پچاس کی، پانچ نمازیں کرالائے۔اس لیے کہ اس ہستی مقدس کی طبع مقدسہ فرمانِ محبوب کے ساتھ کسی مخالفت کی روادار نہ تھی:

لِاَنَّ الْمُحَبَّۃَ هِیَ الْمُوَافَقَةُ.

''اس لیے کہ محبت نام ہی موافقت محبوب کا ہے۔''

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلدُّنْیَا دَارُ الْمَرْضٰی وَالنَّاسُ فِیْهَا کَالْمَجَّانِیْنَ وَ لِلْمَجَّانِیْنَ فِیْ دَارِ الْمَرْضٰی اَلْغُلُّ وَالْقَیْدُ.

''دنیا بیمار خانہ ہے اور لوگ اس میں پاگلوں کی طرح آباد ہیں اور ظاہر ہے کہ پاگلوں کے لیے زنجیر و قید ہوتی ہیں تو ہماری خواہشاتِ نفسانیہ ہمارے لیے بیڑیاں ہیں اور ہماری معصیت شعاریاں ہماری قید۔''

حضرت فضل بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں ہارون رشید کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا۔ جب حج کیا تو مجھے کہنے لگے اس جگہ مردانِ خدا میں سے کوئی خدا کا بندہ ہو تو اس کی زیارت کریں۔مَیں نے عرض کی ہاں! حضرت عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ ہیں۔ہارون رشید نے کہا چلو مجھے ان کی خدمت میں لے چلو۔ہم ان کے پاس پہنچے اور تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جب رخصت ہونے لگے تو ہارون رشید نے میرے ذریعہ دریافت کرایا کہ اگر آپ پر کچھ قرض ہے تو فرمائیں تاکہ ادا کر دیا جائے۔آپ نے فرمایا ہاں کچھ مقروض ہوں۔مختصر یہ کہ بحکم ہارون رشید وہ قرض ادا کر دیا گیا۔جب باہر آگئے تو ہارون نے مجھ سے کہا: فضل! ابھی میرا دل کسی، ان سے زیادہ رفیع الشان مقرب بارگاہ کی زیارت کا متقاضی ہے۔مَیں نے کہا حضرت سفیان بن عیینہ بھی یہاں ہیں۔ہارون نے کہا چلو۔چنانچہ وہاں پہنچے۔تھوڑی دیر فیض صحبت سے مستفید ہو کر رخصت ہونے لگے اور حسبِ سابق میرے ذریعہ یہاں بھی سوال قرضداری کا کیا گیا۔آپ نے بھی اپنا مقروض ہونا ظاہر کیا اور بموجب حکم شاہی وہ ادا کر دیا گیا۔باہر آکر ہارون مجھ سے کہنے لگے فضل ابھی میرے دل کا مقصد حل نہیں ہوا کہ اچانک مجھے یاد آ گیا کہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بھی یہاں ہی ہیں۔میں ہارون کو ان کی خدمت میں لے گیا۔آپ بالا خانہ کے جھروکہ میں تلاوت قرآن فرما

Marfat.com

رہے تھے۔ ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے اندر سے دریافت فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا امیر المومنین ہیں۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب سن کر فرمایا مجھ سے اور امیر المومنین سے کیا تعلق۔ میں نے کہا سبحان اللہ! حضور ﷺ کی حدیث ہے جس میں ارشاد ہے:

لَيْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ يُذِلَّ نَفْسَهٗ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ.

''بندہ کو یہ زیبا نہیں کہ اطاعتِ الٰہی میں اپنے کو ذلیل کرے۔''

آپ نے فرمایا:

بَلٰى، اَمَّا الرِّضَاءُ فَعِزٌّ دَآئِمٌ عِنْدَاللّٰهِ.

''ٹھیک ہے مگر رضاءِ مولا میں رہنا دوامی عزت ہے۔''

اس رضا کے اہل کے نزدیک تو میری ذلت دیکھ رہا ہے، اور میں رب جل وتعالیٰ کے حکم کے آگے راضی ہو کر ہمیشہ کی عزت پاتا ہوں۔ پھر آپ نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھول کر چراغ گل فرما دیا اور ایک گوشہ میں حجرہ کے اندر تشریف فرما ہو گئے۔ ہارون اندھیرے میں آپ کو ڈھونڈنے لگے۔ آخر حضرت فضیلؒ پر ہارون کا ہاتھ جا پڑا۔ حضرت فضیلؒ نے فرمایا وہ ہاتھ جس سے زیادہ نرم میں نے نہیں دیکھا اگر عذاب الٰہی سے نجات یافتہ ہے تو بہت ہی اچھا ہے۔ ہارون رشید سن کر رو پڑے اور اتنے روئے کہ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا عرض کی: حضور! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اے امیر المومنین تمہارے باپ حضور ﷺ کے چچا تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی ایک قوم کا امیر بنا دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا چچا! میں نے آپ کے ایک ایک سانس کو آپ کی دنیائے جسم کا امیر بنایا۔ یعنی آپ کا ایک ایک سانس جو اطاعتِ الٰہی میں گذرے وہ مخلوقات کی اطاعت سے تمہارے لیے بہتر ہے۔ لِاَنَّ الْاِمَارَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ النَّدَامَةُ. ''اس لیے کہ امارت سے قیامت کے روز بجز ندامت کچھ حاصل نہیں۔''

ہارون عرض کرنے لگے، حضور! کچھ اور بھی فرمائیں۔ حضرت فضیلؒ نے فرمایا: جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو مسندِ خلافت پر متمکن کیا تو آپ نے حضرت سالم بن عبداللہ اور رجاء بن حیوٰۃ اور محمد بن کعب القرظی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر عرض کی کہ میں اس بلا میں مبتلا ہو گیا ہوں، اب بتایئے ان بلاؤں کا علاج میرے لیے کیا ہے، میں درحقیقت اس منصب کو بلا سمجھتا ہوں اگرچہ عوام اسے نعمت جانیں۔ ان حضرات میں ایک صاحب فرمانے لگے کہ امیر المومنین اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ کل روزِ قیامت عذاب سے مامون رہیں تو ہماری اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں:

۱) معمر مسلمانوں کو باپ کی طرح بانگاہ عزت دیکھو۔

Marfat.com

۲) جوان مسلمان کو مثل بھائی کے برتو۔

۳) مسلمانوں کے بچوں کو بیٹوں کی طرح سمجھو۔

پھر انہیں باپ، بھائی، بیٹوں کی طرح سمجھنا ہی کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ معاملہ بھی باپ، بیٹوں، بھائیوں کا سا رہے۔ پھر یقیناً دیارِ اسلامیہ گھر کی طرح ہوں گے اور اہل وعیال کا سا برتاؤ تیرے ساتھ رہے گا۔ اور بموجب حکم حدیث نبی کریم ﷺ آپ کی حکومت قائم ہوگی جیسا کہ ارشاد ہے:

زُرْ اَبَاکَ وَ اَکْرِمْ اَخَاکَ وَ اَحْسِنْ عَلٰی وَلَدِکَ.

''اپنے باپ کی زیارت کر اور بھائی کے ساتھ احترام سے پیش آ اور اولاد کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔''

پھر حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے ہارون کو فرمایا، امیر المومنین! مجھے خوف ہے کہ یہ آپ کا حسین رُخِ زیبا کہیں دوزخ کی آگ میں نہ جھلسے۔ لہٰذا آپ سب سے زیادہ خوفِ الٰہی رکھیں اور اس کے احکام کے حقوق اس وقت سے زیادہ بہترین صورت میں ادا کریں۔ اس کے بعد امیر المومنین ہارون رشید نے عرض کی: حضرت! آپ پر کچھ قرضہ تو نہیں۔ حضرت فضیل نے فرمایا ہاں قرضہ ہے مگر وہ تیرے ادا کرنے کا نہیں، مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی پیروی کا قرضہ ہے، اگر اس قرضہ میں وہ مجھے پکڑ لے تو مجھے افسوس ہی افسوس ہے، ہارون رشید عرض کرنے لگے حضرت! میں تو لوگوں کے قرض کے متعلق استفسار کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کی طرف سے مجھے بے حد نعمتیں مل رہی ہیں، مجھے ہرگز اپنے رزاق حقیقی کا شکوہ نہیں جو میں بندوں سے کرتا رہوں۔

ہارون رشید نے ہزار دینار پیشکش کیے اور عرض کی یہ قبول فرمائیں اور اپنی ضرورتوں میں صرف کریں۔ حضرت فضیل فرمانے لگے: امیر المؤمنین! میری کوئی نصیحت تم پر کارگر نہ ہوئی اور ابھی سے ظلم وجور اور ریاگری شروع کر دی۔ ہارون کہنے لگے: حضور! میں نے کیا ظلم کیا۔ فرمایا میں نے تجھے نجات کی طرف بلانا چاہا، تو تُو نے مجھے بلا میں پھانسنے کا ارادہ کیا، یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔

مختصر یہ کہ ہارون اور فضل رحمہما اللہ دونوں روتے ہوئے رخصت ہوئے، حضرت فضل بن ربیع فرماتے ہیں کہ باہر آ کر ہارون نے مجھے کہا اے فضل! فرشتہ خصلت صوفی اگر ہے تو یہ ہے۔ یہ شانِ بے نیازی اور یہ رعب وداب کی ادائیں اس کے کمال ولایت کی دلیل ہیں، ان کی نظر میں دنیا اور اہل دنیا ہی جو حقارت ہے اس کی نظیر وہی حضرت فضیل ہیں اور زینتِ دنیا سے منافرت اور

Marfat.com

اہل دنیا کی تواضع سے بے پرواہی جو مَیں نے ان میں پائی اس کی مثال بھی یہی خود ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مناقب و پاک حالات ہیں، مگر یہاں مختصراً اس پر اکتفا کیا گیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سفینۂ التحقیق و کرامت، شمشیر شرف وولایت ابوالفیض حضرت ذوالنون بن ابراہیم مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپؒ نہایت خوش خلق تھے، آپؒ کو ''ثوبان'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ خاندانی حیثیت سے عالی اور اہل طریقت میں عارف اور صوفی کامل مانے گئے ہیں۔ آپؒ طریقۂ ملامتیہ پر تھے۔ اسی وجہ سے اہل مصر کی نظروں سے آپ کے مناصب عالی مخفی رہے۔

کوئی آپؒ کو بری نظر سے دیکھتا، کوئی معمولی آدمی سمجھتا۔ غرضیکہ جب تک آپ مصر میں رہے کسی نے آپؒ کے حالِ باطن اور جمالِ ایمانی کو نہ پہچانا۔ جب آپؒ کی رحلت ہوئی اور جس رات دنیا سے کوچ فرمایا تو شہر کے ستر آدمیوں نے حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور یہ فرماتے سنا کہ: ''اللہ کا دوست ذوالنون مصری آرہا ہے، ہم اس کے استقبال کو آئے ہیں۔''

جب وفات ہوگئی تو آپ کی پیشانی پر بخط جلی لکھا ہوا پایا۔

"هٰذَا حَبِيْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِيْ حُبِّ اللّٰهِ قَتِيْلُ اللّٰهِ."

''یہ خدا کا محبوب ہے۔ اللہ کی محبت میں وفات پائی، یہ قتیل اللہ ہے۔''

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو مرغانِ ہوائی آپ کے جنازہ پر اس طرح چھا گئے کہ پر سے پر ملا کر مثلِ ابر، سایہ کناں تھے۔ اہالیانِ مصر نے جب آپ کا یہ درجۂ رفیع دیکھا تو پچھتائے اور جو لوگ آپ کو بری نظر سے دیکھتے تھے تائب ہوئے۔

آپ کی تعلیمات اور حقائق علوم میں کافی نہایت نفیس بیانات موجود ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اَلْعَارِفُ كُلَّ يَوْمٍ اَخْشَعُ لِاَنَّهٗ فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ مِّنَ الرَّبِّ اَقْرَبُ.

''ہر روز عارف کامل خاشع و ترساں رہتا ہے اس لیے کہ اس کی ہر ساعتِ تقرب مرتبۂ قرب میں قریب تر ہوتی ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ جو شخص بارگاہ میں قریب تر ہوتا جائے گا لامحالہ شیون جبروتی کا تحیّر بڑھتا رہے گا اور جتنا تحیر ترقی افزاء ہوگا، خشوع وخضوع ترقی کرے گا اور جلالِ حق اس پر اور اس کے دل پر مستولی ہوتا جائے گا۔

Marfat.com

تو پھر وہ اپنے کو اتنا اجنبی اور بعید دیکھتا ہے کہ آرزوئے وصل بھی فنا ہو جاتی ہے اور خشوع پر خشوع زیادہ ہونے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے بحالتِ مکالمہ جناب باری سے عرض کیا:

اَیْنَ اَطْلُبُکَ قَالَ عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ.

''الٰہی! میں تجھے کہاں تلاش کروں، فرمانِ الٰہی ہوا ٹوٹے دلوں میں''۔ اور ان میں جو قیدِ عشق سے اپنے کو مایوس کر چکے ہیں۔ ☆

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: الٰہی! مجھے میرے دل سے زیادہ کوئی نا امید تر اور شکستہ نظر نہیں آتا۔ تو ارشاد باری ہوا کہ موسیٰ! پھر وہیں ہوں جہاں تو ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ جس میں ترس و خشوع نہیں اس کا دعویٰ عرفان جہالت خالص ہے اسے عارف نہیں کہہ سکتے۔

اس لیے کہ حقیقتِ معرفت کے لیے علاماتِ صدق ارادتِ لازمی ہے اور ارادتِ صادق بندۂ کامل کو اسباب وانساب کو قطع کرنے کی طرف آمادہ کرتی ہے۔ اسے سوائے اپنے ربّ جل مجدہ کے کسی سے تعلق ونسبت نہیں رہتی۔ جیسا کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلصِّدْقُ سَیْفُ اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ مَاوُضِعَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا قَطَعَہٗ.

''راستی ایسی شمشیر الٰہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی چیز اس کے سامنے نہیں ہوتی مگر اسے کاٹ دیتی ہے''

اور صدق رویت مسبب کی طرف ہے نہ کہ اسباب سبب کی طرف اور جب سبب ثابت ہو گیا، حکم صدق ساقط ہو گیا۔ ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ اپنے یارانِ طریقت کے ساتھ کشتی میں تشریف فرما تھے اور رود نیل کی سیر میں مشغول تھے جیسا کہ اہل مصر کی عادت ہے، کہ اچانک ایک اور کشتی آئی جس میں ایک جماعت اہل طرب ونشاط کی بیٹھی تھی اور باہم جھگڑے فساد کی باتیں کرتے جا رہے تھے۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنشیں شاگردوں کو ان سے سخت نفرت پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ حضور! ان کے لیے بددعا فرمائیں کہ یہ سب غرقِ دریا ہو جائیں تا کہ مخلوق سے ان کی شومی و بدچلنی منقطع ہو جائے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور دستِ دعا دراز فرما کر عرض کی، الٰہی! جس طرح اس گروہ کو دنیا کے عیش عطا فرمائے ہیں اسی طرح انہیں اس جہاں کا عیش بھی عطا فرمادے۔ یہ سن کر مریدان خاص متعجب ہوئے، جب ان اوباشوں کی کشتی آپ کے قریب آئی اور ان

☆ بقول شاعر: مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

Marfat.com

کی نگاہیں حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ پر پڑیں، یک لخت سب رونے لگے اور اپنے عود اور تمام سازتوڑ کر توبہ کرتے ہوئے رجوع الی اللہ میں متوجہ ہو گئے۔

آپؒ نے اپنے خواص کو فرمایا تم دیکھ رہے ہو اس جہان کا عیش، اس جہان کے عیش سے توبہ کرنے میں تھا، دیکھا! دونوں کی مراد حاصل ہو گئی اور اس طرح مراد ملی کہ کسی کو رنج نہ ہوا۔ یہ فرمان مسلمانوں پر اس مرد خدا کی شفقت خاص کے ماتحت تھا اور اس میں حضور سید یوم النشور ﷺ کی اقتداء بھی تھی کہ کفار نے جس قدر ظلم و تعدی میں زیادتی کی، حضور ﷺ کی شانِ رحمت اتنی ہی بڑھتی گئی اور ان کے مظالم سے شانِ رحمت میں تغیر نہ آیا بلکہ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. (۱)

''الٰہی! اس قوم کو راہِ ہدایت دکھا دے، یہ نادان ہیں۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ مَیں بیت المقدس سے مصر آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ دُور سے آ رہا ہے، مَیں نے دل میں سوچا کہ اس سے کچھ باتیں کی جائیں۔ چنانچہ جب وہ قریب آیا تو مَیں نے دیکھا وہ مرد نہیں ہے بلکہ ایک بڑھیا معمر ہے، ہاتھ میں لکڑی ہے اور پشمینہ کا جبہ زیب تن ہے۔ میں نے کہا مِنْ اَیْنَ؟ ''آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟'' قَالَتْ مِنَ اللّٰہِ ''فرمایا اللہ کی طرف سے'' قُلْتُ: اِلٰی اَیْنَ؟ ''میں نے کہا کدھر تشریف لائے جا رہی ہیں؟'' قَالَتْ اِلَی اللّٰہ ''فرمایا اللہ کی طرف''۔ میرے پاس کچھ دینار تھے۔ میں نے نکال کر پیش کرنے چاہے کہ اشارے سے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ ''ذوالنون! تیرا وہم جو میری طرف سے تیرے دل میں پیدا ہوا یہ تیری عقل کے ضعف کی بنا پر ہے، میں جو کام کرتی ہوں اللہ کے لیے کرتی ہوں اور سوائے اپنے ربّ کے کسی سے کچھ نہیں لیتی، اس لیے کہ میں سوائے اس کے کسی کی پرستار نہیں، تو جس کی پرستار ہوں اسی سے جو لینا ہو وہ لیتی ہوں''۔ یہ فرمایا اور مجھ سے علیحدہ ہو کر چل دیں۔ اسی واقعہ میں ایک عجیب و غریب رمز لطیف ہے کہ

۱۔ اسے امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' ۸/۲۴ کی ''کتاب البر والصلۃ والآداب'' میں، امام بخاری نے ''الادب المفرد'' (ص: ۱۱۹) میں، قاضی عیاض نے ''الشفاء'' ۱/۱۳۷ میں، ابن سید الناس نے ''عیون الاثر'' ۲/۱۱۴ میں، ابن جوزی نے ''الوفاء'' ۲/۴۳۹ میں، امام غزالی نے ''احیاء علوم الدین'' ۲/۱۳۳ میں اور امام زرقانی نے ''شرح المواھب اللدنیہ'' ۴/۲۵۱ میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

انی لم ابعث لعانا ولکن بعثت داعیا ورحمۃ ، اللھم اغفر لقومی أو اھدِ قومی، فانھم لا یعلمون .

Marfat.com

اس لیے کہ لوگوں کے عمل دو صورت پر ہوتے ہیں: ایک تو وہ جو اپنا ہر کام صرف اللہ کے لیے کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم نے یہ کام خالص اللہ کے لیے کیا ہے، لیکن باوجود اس کے کہ وہ خالصتاً لوجہ اللہ کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے لیے کرتے ہیں اگرچہ ان کی ہوائے نفسانی اور خواہش ان سے منقطع ہوتی ہے مگر آخر وہ جو عمل کر رہے ہیں اس میں حرص ثوابِ آخرت اور جزائے جنت کا لالچ ضرور ہوتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں کہ عمل کرتے ہیں مگر ثواب و عتاب آخرت اور ریاء سمع دنیا دونوں سے علیحدہ ہو کر محض تعمیل حکمِ محبوب کے لیے کرتے ہیں اور حقیقتاً محبت حق تعالیٰ اس کی متقاضی ہے کہ اپنے حقوق سے بھی علیحدہ ہو کر فرمان محبوب کی تعمیلِ حکم اور تعظیم میں جھک جائے۔

پہلی جماعت کے خیال میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جو کچھ آخرت کے لیے کیا جائے وہ خالص اللہ کے لیے ہے اور انہوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ اطاعت کرنے سے مطیع کو جو بے حد و کراں حصہ ملے گا وہ دنیا کی اس مصیبت سے بہتر ہے جس میں اس دنیا کے اندر راحت اور تھوڑی دیر لطف حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے اطاعتِ الٰہی کے بدلہ جو راحت ابدی ملے گی وہ ہمیشہ کے لیے ہو گی اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال و عبادات و ریاضات و مجاہدات سے کیا فائدہ ہے اور اعمال صالحہ ترک کرنے سے کیا نقصان!! اگر تمام عالم صدقِ ابوبکر رضی اللہ عنہ حاصل کرے تو اس کا فائدہ اسی کے لیے ہے اور کذبِ فرعونی اختیار کرے تو اس کی ذات ستودہ صفات کا کیا نقصان!! سوا اس کے کہ اپنی جان پر ظلم ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ (۱)

''اگر تم اچھے عمل کرو گے تو اپنی جانوں کے ساتھ بھلائی کرو گے اور اگر برے عمل کرو گے تو وہ بھی تمہاری جانوں پر ہیں۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۲)

''جس نے کوشش کی تو یقیناً اس نے اپنے لیے کوشش کی بیشک اللہ تمام عالم سے بے نیاز ہے''۔

لوگ ملکِ ابدی اپنے لیے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ خالص اللہ کے لیے کر رہے ہیں۔ یاد رکھو! محبتِ الٰہی میں طریق محبت اختیار کرنا، یہ بالکل علیحدہ چیز ہے۔ دوست دوست کے حکم کی تعمیل اس غرض سے نہیں کیا کرتا کہ اس کا معاوضہ ملنے کی امید رکھے بلکہ اس

۱۔ سورۃ الاسراء:۷ ۲۔ سورۃ العنکبوت:۶

Marfat.com

کا مقصد اس تعمیل میں صرف اور صرف دوست کے حکم کی ادائیگی اور اس کی خوشنودگی مرکوز ہوتی ہے۔اس کی نظر کسی اور چیز پر نہیں جاتی۔یہاں صرف اتنا ہی کافی ہے، خدا نے چاہا تو اس کی تفصیل بابِ اخلاص میں بیان ہوگی۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے امیر امراء، سالک طریق لقاء ابو اسحٰق حضرت ابراہیم بن ادہم بن منصور رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔اپنے زمانہ کے یگانہ عارف طریقت اور سید اقران گزرے ہیں۔آپؒ کی بیعت حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے تھی۔آپؒ نے بہت سے قدماء مشائخ کو دیکھا اور حضرت امام ہمام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر تحصیل علم فرمایا۔ابتدائی دور میں آپؒ امیر بلخ تھے۔ایک دن آپ شکار کو گئے اور اتفاقاً لشکر سے بچھڑ گئے اور ایک ہرن کے پیچھے لگ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ہرن کو قوتِ ناطقہ عطا فرمائی اس نے بزبان فصیح حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے کہا:

اَلِهٰذَا خُلِقْتَ اَوْ بِهٰذَا اُمِرْتَ؟.

''کیا اسی لیے تم پیدا کیے گئے تھے یا اسی کام کا تمہیں حکم ملا ہے۔''

یہ سنتے ہی آپ کے دل میں خیال آیا اور توبہ فرما کر سب سے ہاتھ اٹھا لیا اور زہد و ورع کے پابند ہو گئے۔پھر حضرت فضیل ابن عیاض رضی اللہ عنہ اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے ملے۔ان کی صحبت میں رہ کر مستفید ہوئے اور توبہ کے بعد آپؒ نے اپنی محنت کی آمدنی کے سوا بیت المال وغیرہ کسی ذریعہ کو ذریعۂ معاش نہ بنایا۔آپؒ کی عملی شان اظہر من الشمس ہے اور آپؒ کی کرامات بے حد مشہور ہیں۔فن تصوف میں آپؒ کے بڑے بڑے لطیف و بدیع اقوال نفیسہ منقول ہیں۔چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی توصیف میں فرماتے ہیں:

مَفَاتِيْحُ الْعُلُوْمِ اِبْرَاهِيْمُ .

''کنجیاں جمیع علوم ابراہیم بن ادہمؒ ہیں۔''

آپؒ سے مروی ہے کہ فرمایا:

''اِتَّخِذِ اللّٰهَ صَاحِبًا وَّ ذَرِ النَّاسَ جَانِبًا .

''اللہ جل علاشانہٗ کو اپنا یار پکڑ اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ۔''

اس سے آپؒ کی مراد یہ ہے کہ جب بندہ کا رجوع بحق تعالیٰ درست ہو تو وہ محبتِ الٰہی

Marfat.com

میں مخلص بنتا ہے اور مخلصانہ رجوع الی اللہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ماسوائے اللہ سے اعراض و انحراف کر لے اس لیے کہ صحبتِ خلق کو معاملۂ الٰہی سے کوئی سروکار نہیں اور صحبتِ الٰہی اگر صحیح طور پر قبول کر لی جائے تو پھر مخلص بحق تعالیٰ ایسا ہو جاتا ہے کہ فرمانِ الٰہیہ کے پورے کرنے اور اطاعتِ الٰہی میں نگونسار رہنے میں اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ خلوص عین محبت ہے اور خلوصِ محبت بحق جب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب نفس امارہ سے دشمنی ہو جائے، تو نفس امارہ کے دشمن سے حرص و ہویٰ کی تمام بھیڑ بھاڑ دور ہو جاتی ہے اس لیے کہ جو ہوا و حرص کا آشنا و پابند ہے وہ یقیناً خدا سے جدا ہے اور جو شاخ ہویٰ کو کاٹ چکا، وہ اپنے ربّ کی خلوۃِ خاص میں آرمیدہ ہو گیا۔

تو درحقیقت وجودِ انسان ہی اپنے حق میں دنیا ہے۔ جب انسان اپنے وجود سے اعراض کرے تو گویا اس نے مخلوقات سے اعراض کر لیا اور جس نے اپنے وجود کی طرف توجہ کی تو گویا مخلوق کی طرف متوجہ ہوا اور یہی وہ جفا ہے جو اس نے اپنے اوپر کی اور یہ بھی مسلم امر ہے کہ تمام مخلوقات جس حال میں ہے بحکم قضا و قدر صحیح ہے مگر ہر انسان کو اپنے سے کام ہے اور ہر انسان مخلوق ہے۔

تو بناء استقامت ظاہر و باطنی، طالب کے لیے دو چیزوں پر ہے۔ ایک اس امر پر کہ اپنے کو پہچانے اور جانے یعنی علم حاصل کرے، دوسرے وہ عمل جو کر رہا ہے اسے سمجھے، اس کا تعلق رؤیتِ لوحِ تقدیر پر ہے۔ اس میں ترکِ فرمانِ حق کو حجت ماتحت تقدیر نہیں بنایا جا سکتا۔

اس لیے اعراض مخلوقات سے اس وقت تک صحیح نہیں ہو گا جب تک خود اس کی جانب سے ارادتاً اعراض نہ ہو۔ تو جب خود اپنے ارادہ سے اعراض مخلوقات سے کر لیا تو سب کچھ مرادیں اپنے ربّ سے پالے گا اور جب حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رجوع ہو تو گویا اقامت امرِ حق کے لیے خود آیا، اب مخلوقات سے آرام حاصل کرنے کی کوئی صورت تیرے پاس نہ رہے گی تو جو چیز بھی سوائے حق جل علاشانہٗ کے کسی غیر سے چاہے گا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ غیر اللہ سے آرام جان طلب کر رہا ہے اور بغیر رؤیت توحید ہو گا اور آرام اپنی ذات سے حاصل کرنا اثبات تعطل ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کا بلی کی طرح رہنا، اس سے بہتر ہے کہ اپنے اختیارات میں رہے۔ اس لیے کہ صحبت یا غیر خدا کے لیے ہے اور صحبت با خود، حرص و ہویٰ کے پالینے کے لیے۔ اب اس بحث کو ہم اسی کتاب میں کسی اور جگہ مفصل بیان کریں گے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایات ہے جو فرماتے ہیں کہ جب میں جنگل میں گیا ایک ضعیف العمر بزرگ صورت سے ملا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا: اے ابراہیم! تمہیں معلوم ہے یہ کون سی جگہ ہے تم بغیر زادِ راہ کے جا رہے ہو؟ میں اسے سمجھ گیا کہ یہ ضعیف العمر بزرگ نہیں

Marfat.com

بلکہ شیطان ہے۔ میری جیب میں چار درم نقرئی پڑے تھے جو میں نے کوفہ میں زنبیل بیچ کر جیب میں ڈال لیے تھے، میں نے انھیں نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نفل پڑھوں گا۔ چار سال متواتر صحرا نوردی میں رہا۔ میرا رزاقِ مطلق بلا کسی تکلیف کے مجھے روزی پہنچاتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ ان کے فیضِ صحبت میں مَیں نے ان سے اللہ کا نام سیکھا۔ بس اس کے بعد سے میرا دل ماسوائے اللہ سے قطعاً فارغ ہو گیا۔ علاوہ ازیں آپؒ کے بہت سے مناقب ہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ

حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سریرِ معرفت تاج، اہل معاملت حضرت بشر بن الحارث الحافی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجاہدات و ریاضات میں بڑی بلند شان والے ہیں۔ اعمال و اخلاص میں حظ تام رکھتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے خاص صحبت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔ وہ اپنے ماموں حضرت علی بن حشرم رضی اللہ عنہ کے مرید تھے۔ علم اصول و فروغ کے بڑے جیّد عالم گزرے ہیں۔ آپؒ کی توبہ کا ذکر یوں ہے کہ ایک روز آپؒ مست شباب ہوئے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا۔ اسے تعظیم کے ساتھ آپؒ نے اٹھالیا، اسے پڑھا تو لکھا ہوا تھا، "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" آپ نے اسے عطر لگا کر پاک مقام پر رکھ دیا۔

اسی رات خواب میں جمال الٰہی سے مشرف ہوئے اور یہ بشارت سنی:

يَا بَشْرُ طَيَّبْتَ اسْمِيْ فَبِعِزَّتِيْ لَأُطَيِّبَنَّ اِسْمَکَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

"اے بشر! تو نے میرے نام کو خوشبو کیا، میری عزت و جلال کی قسم! میں تیرے نام کی مہک دنیا و آخرت میں پھیلاؤں گا۔"

حتیٰ کہ کوئی تیرا نام نہ سنے گا مگر نام سن کر اسے راحتِ دلی ملے گی۔ آپؒ نے اپنی آزاد رَوِش سے اسی وقت توبہ کر لی اور زُہد و تقویٰ کا طریقہ مضبوط تھام لیا اور مشاہدۂ جمالِ یار میں اتنے محو ہو گئے کہ غایتِ استغراق میں جوتی بھی نہ پہنتے، اسی وجہ میں آپ "حافی" کہلاتے ہیں (حافی "ننگے پیر" کو کہتے ہیں)۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے جوتی پہننا کیوں ترک کر دی؟ فرمایا: زمین میرے محبوب کا بنایا ہوا فرش ہے، میں جائز نہیں سمجھتا کہ محبوب کے بچھائے ہوئے فرش سے اپنے پیروں کو علیحدہ کروں اور میرے پیر اور اس کی بساط میں کوئی واسطہ رکھوں۔

یہ بات آپ کے غرائب معاملات میں سے ہے کہ ان کے نظر و خیال میں پاؤں اور زمین کے مابین جوتی حجاب تھی۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

Marfat.com

" مَنْ اَرادَ اَنْ یَّکُوْنَ عَزِیْزًا فِی الدُّنیَا وَ شَرِیْفًا فِی الْاٰخِرَۃِ فَلْیَجْتَنِبْ ثَلاثًا لَا یَسْأَلُ اَحَدًا حَاجَتَہٗ وَّ لَا یَذْکُرُ اَحَدًا بِسُوْءٍ وَلَا یُجِیْبُ اَحَدًا اِلٰی طَعَامِہٖ."

"جو چاہے کہ دنیا میں عزت دار رہے اور آخرت میں شریف، تو اسے چاہیے کہ تین باتوں سے مجتنب رہے:

(۱) مخلوقات میں سے کسی سے اپنی حاجت روائی نہ چاہے۔

(۲) کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے۔

(۳) اور کسی کا مہمان نہ بنے۔"

اس لیے کہ جو اپنے ربّ کے دروازہ کو جانتا ہے، اسے مخلوق کے سامنے حاجت لے جانے کی کیوں حاجت ہو، اور یہ حقیقت ہے کہ وہاب مطلق کے در کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف وہی دستِ سوال دراز کرے گا جسے کیف عرفانِ حق حاصل نہ ہوا ہو اور جبکہ یقین قلب کے ساتھ وہ جان چکا کہ قاضی الحاجات تمام عالم کا وہی جمیل حقیقی ہے تو جس غیر سے حاجت روائی چاہے گا وہ اپنے جیسے سے حاجت روائی چاہنا ہوگا۔

لِاَنَّ اِسْتِعَانَۃَ الْمَخْلُوْقِ مِنَ الْمَخْلُوْقِ کَاِسْتِعَانَۃِ الْمَسْجُوْنِ مِنَ الْمَسْجُوْنِ .

"اس لیے کہ طلبِ اعانت مخلوق کی مخلوق سے ایسے ہے جیسے ایک قیدی اپنے ساتھ کے قیدی سے اعانت چاہے" (۱)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے فلکِ معرفت، فلکِ محبت ابویزید طیفور بن علی بسطامی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۱۔ (اَقُوْلُ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ) حضرت بشر حافیؒ کے اس قول پر جو ذکر ہوا، عارف باللہ فانی فی اللہ حضرت خواجۂ عالم مخدوم علی بن عثمان الجلابی رحمۃ اللہ نے جو تحریر فرمایا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ان کے مرتبہ اور شان کے لیے یہی شایان ہے لیکن اس سے کوئی زبانی توحید کا بیمار یہ نہ سمجھ لے کہ یہ شان "ہرا یرا غیرا نتھو خیرا" کی ہے بلکہ یہ مرتبہ ان پاک ہستیوں کا ہے جو مشاہدۂ جمالِ یار میں ہر آن مستغرق رہنے والے ہیں، عوام کے لیے تو قرآن پاک: "وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ" فرمارہا ہے اور حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم 'فَلْیُنَادِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ' کا حکم دے رہے ہیں، لہٰذا اس مضمون سے عوام غلط فہمی میں پڑ کر اپنے کو محرومِ اعانت خاصانِ بارگاہ نہ بنائیں۔ اچھی طرح یاد رکھیں کہ یہ خاصانِ بارگاہ شناورانِ دریائے محبت، غریق بحرِ وحدت، سرمستانِ بادۂ عشق و معرفت کے شان کی ترجمانی ہے۔ عوام کا یہ درجہ ہرگز ہرگز نہیں۔

Marfat.com

اجل مشائخ سے گزرے ہیں ان کی کیفیت حالیہ اعلیٰ درجہ پر تھی اور ان کی شانِ تصوف بہت بلند مانی گئی ہے، حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَبُوْیَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَةَ جِبْرَئِیْلَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ.

''بایزید بسطامی ہم میں ایسے معظم ہیں جیسے جماعت ملائکہ میں جبریل امین''۔

آپ کے جدامجد مجوسی تھے اور بسطام کے معززین میں سے ایک آپ کے والد بھی تھے اور آپ سے احادیث نبی کریم ﷺ میں بہت روایات ہیں اور آپؒ اپنے بسطام کی آبادی میں فردالفرید گزرے ہیں اور فنِ تصوف میں آپ کو یکتا عالم مانا گیا ہے اور حقائق علم بیان کرنے میں آپؒ سے زائد دوسرا نظر نہ آیا اور آپؒ علم کے ساتھ محبت اور شریعتِ مطہرہ کی خاص طور پر تعظیم کرنے والے تھے اور یہ تمام صفات آپؒ میں حقیقتاً موجود تھیں، یہ نہیں کہ الحاد و زندقہ کی مدد کے لیے زُہد و ورع کا محض پردہ ڈال لیا ہو، جیسا کہ اکثر ایسا کر لیتے ہیں۔

بلکہ آپ ابتداء سے مجاہدہ وعمل صالح میں رہے۔ چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں:

عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهَدَةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا اَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابِعَتِهٖ وَلَوْ لَا اخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِيْتُ وَاخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا فِيْ تَجْرِيْدِ التَّوْحِيْدِ.

''تیس سال مجاہدہ کرتا رہا، میں نے شدید ترین علم وعمل سے زیادہ کسی چیز کو نہ پایا اور اختلاف علماء نہ ہوتا تو میں زُہد و ورع سے رہ جاتا اور حق اطاعتِ دین ادا نہ کرسکتا اور سچ بات یہ ہے کہ اختلاف علماء رحمت ہے مگر جبکہ توحید میں مجرد ہو جائے تو پھر یہ اختلاف نہیں رہتا۔''

بقول شاعر ؎

چہ کافر چہ مومن چہ گبر و چہ ترسا
دو عالم بدو زلف شیدا برآمد (مترجم)

اور حقیقت حال یہ ہے کہ عام طور پر طبیعت علم کے مقابلہ میں جہل کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور جہل کا یہ ادنیٰ فائدہ واضح ہے کہ بہت سے کام بغیر کسی فکر کے انسان کرسکتا ہے اور اس علم کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ عالم کا کوئی قدم فکر وغور کے بغیر نہیں اٹھ سکتا اور شریعتِ اسلامیہ کا راستہ اور اس کی پل صراط اخروی پل صراط سے کہیں زیادہ باریک اور پُرخطر ہے۔

تو ایسے ماحول میں انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اس طرح رہے کہ اگر بلند و بالا

Marfat.com

مقاماتِ ولایت حاصل کرنے سے عاجز ہو تو میدانِ شریعت میں رہ جائے اور بلندی سے گرے تو ادھر ادھر نہ گرے بلکہ شریعت کے ماحول میں گر کر ٹھہر جائے تاکہ اگر تمام کمالات و مراتب تقرب تجھ سے رہ جائیں تو کم از کم تیری عملی کیفیت تو باقی رہے۔ اس لیے کہ مرید کے لیے سب سے سلوک میں بڑی بلا اور آفت ترکِ عمل ہے اور شریعتِ مطہرہ کی اتباع اور اس کے ماتحت معاملہ رکھنے میں مدعیانِ ولایت و کرامت کے تمام دعاوی گم ہو جاتے ہیں اور تمام انسان اپنی لسان سے جو پردہ ڈال کر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں، برہنہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ لَاخَطَرَ لَهَا عِنْدَ اَهْلِ الْمَحَبَّةِ وَ اَهْلُ الْمَحَبَّةِ مَحْجُوْبُوْنَ بِمَحَبَّتِهِمْ.

"عشاق اور اہلِ محبت کے دلوں میں جنت کا کبھی خطرہ بھی نہیں گزرتا، اس لیے کہ وہ اپنے محبوب کے پردۂ محبت میں محجوب ہیں۔"

انہیں اپنے محبوب کے انداز و ناز کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہیں۔

اور چونکہ بہشت مخلوق ہے، اگرچہ مخلوقات میں بہترین مخلوق سہی مگر محبت محبوب، صفتِ محبوب ہے اور صفتِ مخلوق نہیں، تو قدیم کو چھوڑ کو جو مخلوق کی طرف گیا، وہ محروم ہوا۔ تو محبانِ محبوب پردۂ محبت میں روپوش ہیں اس لیے کہ وجودِ محبتِ محبوب، مقتضی دوئی ہے اور اصل توحید میں دوئی کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے محبانِ الٰہی وحدانیت سے وحدانیت کی طرف ہوتے ہیں اور ماسوائے اللہ سے بالکل محجوب، اور یہ بھی حقیقۃ الامر ہے کہ طریقۂ محبت میں علتِ محبت بھی محبت ہی ہے۔ اب ایک بڑی آفت جو اس بحث میں ہے وہ یہ کہ دوستی میں ایک مرید اور ایک مراد ضروری ہے تو اب اگر مرید حق ہے تو بندۂ مراد ہوگا اور اگر مراد حق ہے تو مرید بندہ ہوگا۔

تو ایسی صورت میں جبکہ حق کو مرید اور بندہ کو مراد کہا جائے تو بندہ کا ثابت ہونا لازم ہوگا (جو بالکل باطل ہے) اور اگر حق تعالیٰ مراد اور بندہ مرید قرار دیا جائے تو بھی طلب و ارادت مخلوق بجانب حق لازم آئے گی۔ اور طریقۂ محبت میں ان توہمات کا قطعاً دخل نہیں۔ بہر حال محبّ میں آفت ہستی وجود جب تک ہے اس وقت تک محبّ نہیں ہو سکتا۔ محبّ، محبّ ہی جب کہلائے گا جبکہ اس کے ارادہ اور دعاوی تمام فنا ہو جائیں اور یہی محبّ کے لیے بہترین مقام ہے اور محبّ درحقیقت وہی ہے جو بقاء محبت کے ساتھ فنا ہو جائے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہی سے مروی ہے آپ

Marfat.com

نے فرمایا:

''ایک دفعہ میں مکہ معظمہ گیا تو صرف بیت اللہ نظر آیا۔ میں نے کہا حج مقبول نہیں ہوا اس لیے کہ ایسے پتھر مَیں نے بہت سے دیکھے ہیں۔ دوبارہ جب گیا تو بیت اللہ بھی دیکھا اور ربّ جل علا صاحب بیت کو بھی پایا۔ تو مَیں نے کہا ابھی حقیقتِ توحید منکشف نہیں ہوئی (اس لیے کہ قدیم کے ساتھ حادث بھی نظر آ رہا ہے)

تیسری بار گیا تو تمام کا تمام جلوۂ خداوندی نظر آیا۔ نہ بیت تھا نہ کوہ۔ تو غیب سے ندا آئی اے بایزید! تو اگر اپنے کو بھی نہ دیکھتا تو خواہ تمام عالم دیکھتا مگر مشرک نہ ہوتا اور جبکہ تو تمام عالم کو میرے ساتھ نہیں دیکھتا مگر اپنے کو دیکھ رہا ہے، مشرک ہے۔ میں نے فوراً توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی (اس لیے کہ توبہ کرنے والا حادث ہو کر اپنا وجود مانتا ہوا توبہ کرتا ہے) اور اس مقام پر وجود کا اثبات ہی عند الصوفیاء شرکِ خالص ہے۔''

حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے امامِ فنون، جاسوس ظنون حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپؒ عالم تھے اور اصول وفروع میں عالم کے علماء آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے علماء میں ممتاز اور یکتۂ زمانہ تھے۔ آپ نے ایک کتاب اصولِ تصوف میں تالیف کی ''رغائب'' نام رکھا۔ علاوہ اس کے بہت سی تصانیف بڑے بلند فنون میں تصنیف فرمائیں۔ اتنے بلند ہمت تھے کہ بغداد شریف میں اپنے وقت کے شیخ المشائخ مانے گئے۔

آپؒ کا ایک ارشاد منقول ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

''اَلْعِلْمُ بِحَرَكَاتِ الْقُلُوْبِ فِیْ مُطَالَعَةِ الْغُيُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَكَاتِ الْجَوَارِحِ .''

'' جو حرکات دل عیوب پر واقف ونگران رہے، وہ عمل ظاہری کرنے والے سے افضل ہے۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ علم محل کمال ہے اور جہل محل طلب اور علم بارگاہِ ربّ العزت میں بہتر ہے اور جہل بدتر۔ علم انسان کو درجۂ کمال تک پہنچانے والا ہے اور جہل بارگاہ الٰہی میں جانے سے روکتا ہے۔

Marfat.com

اور خلاصہ تو یہ ہے کہ حقیقتاً علم، عمل سے بزرگ ترین ہے، اس لیے علم ہی وہ چشمہ ہے جس کے ذریعہ انسان کو عرفان الٰہی حاصل ہوتا ہے اور اگر بحالت جہل عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پاسکتا۔ ع

کہ بے علم نتواں خدارا شناس۔ (از مترجم)

اور پھر واضح طور پر ظاہر ہے کہ اگر عمل بلا علم میں کوئی قوت ہوتی تو نصاریٰ کے رہبان اپنے انتہاءِ زُہد اور شدتِ مجاہدے سے مقامِ مشاہدہ پر پہنچ جاتے اور مومن غیبت میں پڑے رہ کر عاصی کے عاصی ہی رہ جاتے۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ عمل بندہ کی صفت ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بعض راویوں نے ہماری مذکورہ بالا عبارت میں غلطی کی اور انہوں نے علم وعمل کی جگہ عمل ہی نقل کر دیا یعنی اسی طرح انہوں نے کہا:

اَلْعَمَلُ بِحَرَكَاتِ الْقُلُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَكَاتِ الْجَوَارِحِ. ☆

حالانکہ یہ محال ہے کہ بندہ کا عمل حرکات دل کے ساتھ ہوا اور اگر اس سے مراد فکر و مراقبہ اور حالاتِ قلبیہ ہوں تو تعجب نہیں اس لیے کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً. (۱)

☆ (یہ حکم ایسی ہستیوں کے لیے ہے، عوام اس سے علیحدہ ہیں) یہ ایک لطیف واقعہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے حال کی ترجمانی کے لیے کافی ہے۔ (از مترجم غفرلہ)

۱۔ اسے ابوالشیخ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ جبکہ امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور امام سیوطی نے "اللآلی المصنوعہ" میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: ان تفکر ساعة خیر من عمل الدهر: امام دیلمی کی ایک روایت میں ثمانین سنة (اسی سال) اور دوسری روایت کے مطابق الف سنته (ہزار سال) ہے، ملا علی قاری نے "الأسرار المرفوعة" میں کہا ہے کہ اسے امام فاکہانی نے "فکر ساعة" کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت سری سقطیؒ کے کلام سے ماخوذ ہیں۔ جبکہ امام ابن جوزی نے "الموضوعات الکبیر" میں حضرت عثمان بن عبداللہ القرشی سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ عثمان اور اس کا شیخ دونوں جھوٹے ہیں اور امام سیوطی نے "اللآلی المصنوعة" میں ان کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: عراقی نے "تخریج الاحیاء" میں ان کو ضعیف قرار دینے پر اکتفا کیا ہے حالانکہ اس کی شاهد روایت موجود ہے۔ پھر امام دیلمی کی روایت کو سعید بن میسرہ کی طرف اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ سنے ہیں: تفکر ساعة فی اختلاف اللیل والنهار خیر من عبادة الف سنة.

(بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔۔۔)

Marfat.com

"ایک ساعت قدرتِ الٰہیہ کے فکر و مراقبہ میں بیٹھنا ساٹھ ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے۔"

لیکن درحقیقت عمل جوارح کو فکر و مراقبہ سِرّی سے کوئی نسبت نہیں اگرچہ وہ یقیناً عمل سِرّی ہونے کے علاوہ اعمال جوارح سے فاضل ترین ہے اور افعالِ باطن سے جو حالات پر اثر ہوتا ہے وہ درحقیقت اعمالِ ظاہر کی تاثیر سے اثر پذیر ہوتا ہے۔

اسی بنا پر حضور ﷺ نے فرمایا:

نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ وَّ سَهَرُ الْجَاهِلِ مَعْصِيَةٌ . (۱)

"عالم کا سونا بھی عبادت ہے اور جاہل کی بیداری معصیت۔"

اس لیے کہ خواب و بیداری میں جاہل کا سِرّ یعنی قلب مغلوب ہوتا ہے اور جس کا دل مغلوب ہے اس کا جسم بھی یقیناً مغلوب ہے تو دل کا مغلوبِ حق ہونا حرکاتِ ظاہری اور محنت کے سبب نفسِ امارہ کے غالب ہونے سے بہتر ہے۔

آپؒ سے ایک روایت ہے کہ ایک روز آپؒ نے ایک درویش کو فرمایا:

" كُنْ لِلّٰهِ وَ اِلَّا فَلَا تَكُنْ . "

"تُو یا تو اپنے کو ذاتِ واجب کے سپرد کر دے یا فنا ہو جا۔"

یعنی یا بحق باقی بن یا از خود فانی ہو یا اس صفت سے متصف ہو جیسے ربّ جل مجدہٗ نے فرمایا:

﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (۲)

"آدم کو سجدہ کرو۔"

یا اس صفت سے متصف ہو:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾ (۳)

"کیا انسان پر وہ وقت آ گیا اس زمانہ سے جبکہ وہ کچھ نہ تھا۔"

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)

حوالہ کے لیے ملاحظہ کریں: الفوائد المجموعة للشوكاني (ص: ۲۴۲) تنزيه الشريعة ۳۰۵/۲، كشف الخفا، للعجلوني ۳۷۰/۱، تذكرة الموضوعات لابن الجوزي (ص: ۱۸۸)، الأسرار المرفوعة لعلي القاري، (حديث: ۳۷۲)، اللآلي المصنوعة للسيوطي ۲۲۷/۲.

۱۔ سلسلة الاحاديث للالبانی ۲۰۹/۱

۲۔ سورة البقرة: ۳۴۔ ۳۔ سورة الدهر: ۱

Marfat.com

اگر تو بحق باقی رہتا ہے تو تیری قیامت تیرے اختیار میں ہوگی اور اگر فنا ہو جائے گا تو باقی بحق رہ کر قیامت بحق کے ساتھ تیرا نشر ہوگا اور اس میں ایک معنی ہیں (جسے رازدان رازِ جمیل جانتے ہیں) وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے معرضِ خلق، طلبِ ریاست سے منقطع حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصر طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ کبراء مشائخ سے گزرے ہیں اور اہل تصوف میں سیّد السادات تھے۔ اپنے زمانہ کے بے مثل صوفی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید ہیں اور حضرت فضیل ابن عیاض و ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ وغیرہ عارفانِ کامل کے ہمعصر گزرے ہیں اور حضرت حبیب ابن سلیم راعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص ہیں۔ آپؒ کو علومِ عقلیہ ونقلیہ سے حظّ وافر ملا اور فن فقہ میں ''فقیہ الفقہاء'' مشہور ہیں۔

حکومت وریاست چھوڑ کر آپؒ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی، آپ کا زُہد وورع خصوصیت سے مشہور ہے۔ آپؒ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں اور آپؒ کی عملی شان خاص طور پر قابل ذکر ہے اور بیان حقائقِ معرفت میں آپ کامل گزرے ہیں۔

آپ سے مروی ہے کہ آپؒ نے اپنے مریدان خاص میں سے ایک مرید کو فرمایا:

" اِنْ اَرَدْتَّ السَّلَامَۃَ سَلِّمْ عَلَی الدُّنْیَا وَاِنْ اَرَدْتَّ الْکَرَامَۃَ کَبِّرْ عَلَی الْاٰخِرَۃِ ."

''بیٹے! اگر دنیا کی سلامتی چاہتا ہے تو دنیا سے وداع ہو کر اس سے غائب ہو جا اور اگر کرامتِ آخرت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر مرگ پڑھ لے۔''

یعنی یہ دونوں چیزیں محل حجاب نہیں اور تمام فراغتیں دنیا وآخرت کے ترک میں مضمر ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ وجود سے فارغ ہو جائے، اسے کہہ دو کہ دنیا سے اعراض کرے اور جو چاہے کہ دل فارغ ہو اس سے کہہ دو کہ عاقبت کی امیدوں سے اپنا دل علیحدہ کرلے۔

ایک حکایت ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ربط ضبط رکھتے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قاضیٔ اسلام سے ملنا جلنا پسند نہ فرماتے۔ عرض کیا گیا یہ دونوں مُبلّغ علم مانے ہوئے ہیں پھر ان میں سے ایک کو آپ محبوب رکھتے ہیں اور ایک سے تعلقات ربط نہیں فرماتے۔

آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ محمد بن الحسن نے نعمت ہائے دنیاوی ترک کر دیں اور

Marfat.com

منصبِ علم کو پسند فرمایا ہے تو اس کی عزت کا دینی سبب علم ہے اور ذلتِ دنیاوی اس کی نظر میں ہے اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اوّل سے ایک درویش تارک الدنیا تھے اور ان کی تنگدستی حصول علم کی وجہ میں رہی۔ اب ان کی عزت کا سبب اور وجاہت وثروت کا باعث ان کا علم بنا ہے۔ تو محمد بن حسن ابو یوسف جیسا نہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپؒ نے فرمایا کہ مَیں نے حضرت داؤد طائی جیسا ''مستغنی عن الدنیا'' نہیں دیکھا۔ ان کی نظر میں تمام دنیا اور اہل دنیا کی کچھ حیثیت ہی نہیں۔ آپؒ کو حزب فقراء بچشم کمال دیکھتے تھے اگر چہ آپ دنیاوی بلا میں بھی ہوتے۔ علاوہ اس کے آپ کے بہت سے مناقب ہیں۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ اہلِ حقائق، منقطع از علائق حضرت ابوالحسن سری بن مغلس السقطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپؒ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے اور تمام علوم میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے بالخصوص فن تصوف میں آپ کی شان بہت بلند تھی اور تصوف کی ترتیب، مقامات اور بسط احوال میں سب سے اوّل جس نے غور وخوض کیا وہ یہی سرّی سقطی ہیں اور مشائخین عراق کا اکثر حصہ آپؒ کے ہی بیعت سے مشرف ہے۔ آپؒ نے حضرت حبیب بن سلیم راعی کی رحمۃ اللہ علیہ بھی زیارت کی اور ان کی فیضِ صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپؒ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ چونکہ آپ بازار بغداد میں ''سقط فروشی'' کیا کرتے تھے (جسے اردو زبان میں ''کباڑی'' کہتے ہیں) اسی بناء پر آپ کو ''سقطی'' کہا جاتا ہے۔

آپ کا رجوع الی اللہ کا واقعہ یوں ہے کہ جس بازار میں آپ کباڑی کا کام کرتے تھے اس میں آگ لگ گئی۔ تمام بازار جل کر خاک سیاہ ہوگیا، آپ سے کہا گیا کہ حضرت! آپ کی دکان بھی جل گئی ہے، آپ نے فرمایا میں دکان اور مال کی قید سے آزاد ہو چکا ہوں۔ جب آ کر لوگوں نے دکان دیکھی کہ تمام بازار میں وہی ایک دکان ہے جو جلنے سے بچی ہوئی تھی اور چاروں طرف کی تمام دکانیں سوختہ تھیں، جب آپؒ نے اپنے حافظِ حقیقی کا یہ کرم دیکھا تو فرطِ مسرت میں تمام سامان ودکان درویشوں کو دے کر طریقۂ تصوف اختیار فرمالیا۔

بعض نے آپؒ سے پوچھا کہ ابتداء عرفان آپ کو کس طرح حاصل ہوا؟ فرمایا: ایک روز حبیب بن سلیم راعی رحمۃ اللہ علیہ کا میری دکان پر گذر ہوا، مَیں نے اپنے کباڑ خانہ کی بعض شکستہ چیزیں انہیں دیں کہ وہ درویشوں میں تقسیم فرمادیں تو انہوں نے مجھے دعا دی: خَیَّرَکَ اللّٰہ (اللہ

Marfat.com

تجھے اختیار فرمائے) اس روز سے کہ میرے کان میں ان کی دعا کی آواز آئی، میرا دل دنیاوی معاملات سے متنفر ہو گیا۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ دعا میں فرمایا کرتے:

اَللّٰهُمَّ مَهْمَا عَذَّبْتَنِیْ بِهٖ مِنْ شَیْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ الْحِجَابِ .

''الٰہی! مجھے عذاب دینا ہی منظور ہو تو اپنے جمال کے حجاب کا عذاب مجھ پر نہ فرمانا۔''

اس لیے کہ اگر میں مشاہدۂ جمال سے محجوب نہ ہوا تو پھر کوئی بھی مصیبت و بلا آئے، مجھے آسان ہوگی اور اگر تیرے مشاہدۂ جمال سے محجوب رہ کر معذب ہوا تو ذلتِ حجاب کی وجہ میں تیری نعمتیں بھی میرے لیے موجبِ ہلاکت ہوں گی۔ اور بات بھی ٹھیک ہے کہ مشاہدۂ جمالِ محبوب ہوتے ہوئے جو بلا بھی آئے وہ بلا نہیں ہو سکتی لیکن بغیر مشاہدۂ یار نعمت بھی اگر ہو تو بوجہ حجاب بلاء عظیم ہے۔ اور جہنم میں سب سے اشد ترین جو عذاب ہے وہ حجاب ہے اور اگر جہنم میں جلوۂ ذات کا مشاہدہ رہے تو کسی مومن کو بہشت یاد نہ آئے اس لیے کہ دیدارِ حق کی اس قدر مسرت و فرحت ہوگی کہ بلاءِ تن اور عذابِ جسم کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

اور بہشت میں کوئی نعمت جمالِ ذاتِ باری عزاسمہٗ سے بڑھ کر نہ ہوگی اگر وہ نعمتیں جو بہشت میں ہیں ان سے سوگنی اور نعمتیں ملیں اور جلوۂ احدیت سے جنتی محجوب ہو جائے تن من دھن سب فنا کر دے اور ہلاک ہو جائے۔

تو سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ اپنے محبوبوں کے قلوب کو اپنے جمال کے مشاہدہ میں بہر حال رکھتا ہے تا کہ مجاہدہ و ریاضت و بلاہائے ترک اکل و شرب تمام برداشت کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ عارفانِ کامل کی یہی صدا و دعا ہے کہ ہر عذاب منظور ہے مگر اپنے جمال کے حجاب سے محفوظ رکھ، اگر تیرا جمال ہمارے دلوں کی چشمِ حق میں مکشوف ہے تو پھر ہمیں کسی بلا و مصیبت کی پرواہ نہیں☆ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سرہنگ اہل بلا و بلوی، مایہ زہد و تقوی حضرت ابو علی شقیق ابن ابراہیم ازدی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے معزز قوم اور مقتدائے ہم چشماں، عالم جمیع علوم شرعی و فقہی گذرے ہیں۔ آپؒ کی بہت سی تصانیف، تصوف اور دیگر علوم میں مشہور ہیں۔ حضرت

☆ بقول شخصے: پکارا، دیکھ کر میں حور کی شکل خداوندا! یہ وہ صورت نہیں ہے
گریباں چاک کر کر باغ رضواں سے نکل بھاگیں مزا آیا ہے جن کو آپ کی جلوہ نمائی کا (از مترجم)

Marfat.com

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم صحبت تھے اور بڑے بڑے مشائخ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے اوران کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے۔

آپ سے مروی ہے آپؒ نے فرمایا:

"جَعَلَ اللّٰهُ اَهْلَ طَاعَتِهٖ اَحْيَاءً فِيْ مَمَاتِهِمْ وَ اَهْلَ الْمَعَاصِيْ اَمْوَاتًا فِيْ حَيٰوتِهِمْ."

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اطاعت کرنے والے کو موت کے اندر بھی زندہ فرمایا ہے اوراہل معصیت کو زندگی کے اندر بھی مردہ بنایا ہے۔''

یعنی مطیع اگر چہ مردہ ہو، زندہ ہوتا ہے اس لیے کہ تمام ملائکہ اس کی اطاعت پر آفرین کہتے ہیں جو قیامت کے دن ان کے اجروثواب کے لیے مؤید ہوگی تو وہ لوگ فناء مرگ میں باقی بہ بقاء جزا ہوتے ہیں۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک ضعیف العمر حضرت ابوعلی شقیق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اورعرض کی کہ حضور! میں سخت گناہ گار ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بڑے میاں بڑی دیر میں توبہ کی طرف رخ کیا!! وہ عرض کرنے لگا حضور! دیر میں نہیں آیا بلکہ جلدی آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ عرض کی حضور! جو مرنے سے قبل توبہ کی طرف آجائے اگر چہ بظاہر دیر میں آئے، اس کا نام جلدی آنے کے مترادف ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت ابوعلی شقیق رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع الی اللہ بالاخلاص اس طرح ہوا کہ ایک سال بلخ میں قحط پڑا اور اتنا شدید پڑا کہ آدمی آدمی کو کھانے لگ گیا۔ تمام مسلمان غمناک تھے کہ بازار میں ایک غلام آپ نے دیکھا جو نہایت بےفکر اور ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے کہا تُو اتنا بےفکر ہو کر ہنستا پھر رہا ہے تجھے شرم کرنی چاہیے اس لیے کہ مسلمانوں میں تو سخت اضطراب اورغم ہے، تو یہ خوشیاں رچا رہا ہے۔ غلام کہنے لگا بات یہ ہے کہ مجھے اصلاً کسی بات کا غم نہیں اس لیے کہ میں جس کا غلام ہوں وہ جاگیردار ہے اوراس گاؤں کی پیداوار کافی ہے، اس کی فراخدستی نے مجھے بےغم کر رکھا ہے۔

حضرت ابوعلی شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے غلام کا یہ جواب سنتے ہی عبرت حاصل کی اور دل میں کہا کہ اس غلام کو ایک جاگیردار کے استغنا کی وجہ میں بےغمی حاصل ہوئی اور مَیں جس کا بندہ ہوں وہ مالک الملک، رزاقِ کل ربّ الارباب ہے اورسب کو بلا معاوضہ روزی پہنچانے والا ہے،

Marfat.com

پھر ہمیں کسی اندوہ وغم کا شکار بننا کیونکر روا ہے۔☆

یہ سوچا اور شغل دنیا سے منہ پھیر کر طریق حق کا رُخ فرمالیا اور غمِ روزی سے آزاد ہو گئے اور یہ قصہ بھی آپ کی کیفیت تواضع پر ہے۔ آپؒ کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک غلام کا شاگرد ہوں، جو کچھ مجھے ملا اسی کی بدولت ملا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

حضرت ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے اپنے وقت کے شیخ فرد، طریق حق میں مجرد دہر حضرت ابوسلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ دارانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قوم کے چمکتے جوہر اور ریحانِ قلوبِ خلائق گزرے ہیں۔ آپؒ کا ریاضت ومجاہدہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اپنے وقت کے عالم فرزانہ تھے اور نفسِ امّارہ کی عیاریوں پر آپ خاص طور سے متنبہ تھے۔

آپ کے اقوال نہایت لطیف ونفیس ہیں۔ معاملات اور محافظت قلوب اور رعایت جوارح میں آپ کی نصائح رجوع الی اللہ میں نہایت مفید ہے۔ آپؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اِذَا غَلَبَ الرِّجَا عَلَی الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ .

"جب امیدیں خوف بے نیازی پر غالب آجائیں تو اس کا وقت خراب ہو جاتا ہے"۔

اس لیے کہ وقت کہتے ہیں اپنی حالت کی نگہبانی کو، تو جب انسان اپنی حالت و ماحول کا نگہبان نہ رہا تو کس طرح خوفِ بے نیازی اس کے دل پر مستولی ہوسکتا ہے، اور جب اٹھ گیا تو یقیناً انسان نگہبانی کے ماحول سے بے پرواہ ہو جائے گا اور ایسی صورت میں اس کا وقت ضائع ہونے کے سوا اور کیا ہوگا۔ اور اگر خوف، امید پر غالب رہا تو کیفِ توحید باطل ہو جائے گا اس لیے کہ غلبۂ خوف سے مایوسی ہوتی ہے اور حق سے مایوسی (مذہب صوفیا میں) شرکِ خالص ہے۔ (تو بہترین حال صوفی یہ ہے کہ) محافظِ کیفِ توحید رہے اور امید کے میدان کو بھی ہاتھ سے چھٹنے نہ دے اور اپنے وقت کی محافظت بھی کرے اور خوفِ الٰہی بھی دل پر مستولی رکھے۔ گویا خوف وامید کے دونوں پلہ مساوی ہوں اور بندہ محافظتِ توحید میں مومن ہوتا ہے۔ کَمَا فِي الْحَدِیْثِ: اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرِّجَا (از مترجم غفرلہ) اور محافظت وقت کے ساتھ ساتھ مطیع بنتا ہے اور امید و رجاء کا تعلق محض مشاہدہ سے ہے اور اسی میں اعتقادات کی جڑ مستتر ہے اور خوف کا تعلق محض مجاہدہ سے ہے اور اس میں اضطرار ہی اضطرار ہے اور مشاہدۂ جمال مورث مجاہدہ ہے۔

☆ دوستاں را کجا کنی محروم ‌‌ تو کہ با دشمناں نظر داری (از مترجم)

Marfat.com

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام امیدیں نا امیدی سے ظاہر ہوتی ہیں اور جو اپنے اعمال کی فلاح و بہبود سے نا امید ہو تو اس کا نا امید ہونا نجات و فلاح اور کرم الٰہی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اس پر منجانب اللہ درِ کشادگی کھل جاتا ہے اور اس کے دل کو خواہشات کی بلاؤں سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور تمام اسرارِ ربانی اس پر کھل جاتے ہیں۔

حضرت احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شب خلوت میں نوافل پڑھ رہا تھا کہ اثناءِ نماز میں مجھے نہایت راحت محسوس ہوئی، دوسرے دن حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ سے عرض کی تو فرمایا: ابھی تُو ضعیف ہے، ابھی خطرہ خلائق تیرے دل سے نہیں نکلا یہی وجہ ہے کہ خلوت میں تیرا اَور حال ہے اور جلوت میں اَور حال۔

دونوں جہان میں اس سے بدتر کوئی وسوسہ اور خطرہ نہیں جو بندہ کو تقربِ ذات سے روک دے۔ جب دلہن کو رونمائی کے لیے بٹھاتے ہیں تو اس غرض کے لیے بٹھاتے ہیں کہ سب اسے دیکھیں اور اس رونمائی میں اس کی عزت بڑھتی ہے لیکن دلہن کو یہ نازیبا ہے کہ اس وقت اپنے کو خود دیکھنے میں مصروف ہو جائے اور غیر کے دیکھنے سے اس کی ذلت ہو۔

اسی طرح اگر سب لوگ مطیع کی اطاعت کو دیکھنے لگیں تو اس میں مطیع کا کچھ نقصان نہیں لیکن اگر مطیع خود اپنی اطاعت اور حسنِ عمل پر ناز کرنے لگے تو یہ اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ عیَاذًا بِاللّٰہِ مِنھَا.

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے پروردۂ حضرت علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ، وابستۂ درگاہِ مولا، ابو محفوظ حضرت معروف بن فیروز الکرخی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قدماء سادات اور مشائخ کبار سے گذرے ہیں۔ جوانمردی اور ورع و تقویٰ میں آپ " مشہور و معروف تھے۔

آپ کا ذکر اس سے پہلے چاہیے تھا لیکن مَیں نے یہ ترتیب دو بزرگوں کی تتبع میں مناسب سمجھی۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن سلمٰی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اسی ترتیب پر اذکارِ مشائخ بیان فرمائے اور استاد ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں اسی ترتیب سے بیان فرمایا۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے اور حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید۔

ابتداء میں غیر مسلم تھے پھر حضرت علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر

Marfat.com

اسلام قبول فرمایا اور ان کی خدمت میں نہایت محبوب بن کر رہے۔ ان کے اوصاف حمیدہ بہت ہیں۔ حتیٰ کہ آپ فنون وعلوم میں ''سیّد القوم'' کہلائے۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لِلْفُتُوَةِ ثَلَاثُ عَلَامَاتٍ وَفَاءٌ بِلَا خِلَافٍ وَّمَدْحٌ بِلَا جُوْدٍ وَّعَطَاءٌ بِلَّاسُؤَالٍ.

''جوانمرد کے لیے تین علامتیں ہیں: وفاداری میں پورا اترنا کہ کبھی بے وفائی نہ کرے اور مدح بلا امید جودو بخشش اور عطا بلا سوال''۔

وفاءِ بلا بے وفائی یہ ہے کہ بندہ اپنے عہدِ عبودیت میں بیوفائی اور معصیت کو اپنے اوپر حرام جانے، اور مدح بلا جود یہ ہے کہ تعریف اس کی کرے جس سے اپنے اوپر کوئی احسان کا بار نہ لیا ہو، اور عطا بے سوال یہ ہے کہ جب استطاعت ہو تو دینے میں کسی کی تمیز نہ کرے اور جب کسی کا حال معلوم ہو تو اسے سوال کرنے سے پہلے کچھ بخشے۔

اور یہ تینوں صفتیں خلق سے خلق میں ہیں مگر تمام مخلوقات ان صفتوں سے عاریتاً متصف ہے۔ اس لیے کہ درحقیقت یہ ہر سہ صفت صفاتِ حق سے ہیں اور ان صفات کا مظہر بندگانِ الٰہی ہیں اور بندگانِ الٰہی، ان صفات میں حقیقتِ صفتِ الٰہیہ کے دکھانے والے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ وہ وفا ہے کہ اس کا خلاف نہیں۔ ہر چند کہ بندے اپنی وفا میں خلاف کرتے ہیں مگر وہ ان پر اپنے الطاف کی بارشیں ہی کرتا ہے۔

دوسرے اس کی وفا پر یہ امر بھی دلیل واضح ہے کہ روزِ ازل میں بلا کسی فعل کے نیک بندوں کو، جو مقدر میں نیک تھے، جلالے گا اور دنیا میں فعل بد کی وجہ سے فہرست مرحومین سے خارج نہیں فرماتا اور مدح بے جود سوائے اس ذات پاک کے کوئی نہیں کرسکتا اس لیے کہ بندہ کے کسی فعل کا وہ محتاج نہیں ہے مگر بندہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ نیک عمل کی وہی تعریف فرماتا ہے۔

اور عطاء بے سوال بھی سوائے اس کے کوئی نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ کریم وہی ہے اور ہر ایک کا حال اس پر منکشف ہے اور ہر ایک کا مقصود بغیر زبان سے ظاہر کیے وہی جانتا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اعزاز و کرامت کا منصب عطا فرماتا ہے، اسے بزرگ بناتا ہے تو وہ اپنی استطاعت وقوت کے مطابق بندوں کے ساتھ ان ہر سہ صفات کو لے کر برتاؤ کرتا ہے۔ اس وقت بارگاہِ ایزدی سے اس کا نام ''صاحب فتوت'' رکھا جاتا ہے اور جماعتِ فتیان میں اس کا نام درج ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

یہ ہر سہ صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں دیکھی گئی تھیں اور اس کا خلاصہ اس کی جگہ ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

حضرت حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے زبدۂ عباد، جمال الاوتاد حضرت ابوعبدالرحمٰن حاتم بن الاصم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ محتشمان بلخ سے ہیں اور قدماء مشائخ خراسان سے گزرے ہیں۔ آپ حضرت ابوعلی شقیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور حضرت احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد۔ آپ ؒ کا ابتداء سے انتہاء تک کوئی قدم صدق و اخلاص کے خلاف نہیں اٹھا حتیٰ کہ ان کے منقبت میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"صِدِّيْقُ زَمَانِنَا حَاتِمُ الْاَصَمِّ."

"ہمارے زمانے کا صدیق حاتم اصم ہے"۔

آپؒ کے اقوال، آفات نفس کے دیکھنے اور سمجھنے میں نہایت دقیق اور بلند منقول ہیں اور رعونت و تلونِ طبع کے متعلق بہت کچھ ارشادات ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف معاملات و عبادات میں مشہور ہیں۔ مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

" اَلشَّهْوَةُ ثَلَاثَةٌ شَهْوَةٌ فِى الْاَكْلِ وَ شَهْوَةٌ فِى الْكَلَامِ وَ شَهْوَةٌ فِى النَّظْرِ فَاحْفَظِ الْاَكْلَ بِالثِّقَةِ وَاللِّسَانِ بِالصِّدْقِ وَالنَّظْرَ بِالْعِبْرَةِ."

"شہوت تین ہیں: ایک کھانے کے اندر، ایک کلام کرنے میں اور ایک دیکھنے میں۔ لہٰذا کھانے میں ہوشیار رہ اور اپنی روزی کا خدا پر بھروسہ رکھ اور زبان کو سچ بولنے کے علاوہ محفوظ رکھ اور آنکھ کو محفوظ رکھ، جہاں نظر پڑے اس سے عبرت حاصل کر۔"

تو جو کھانے پینے میں اللہ پر توکل کر لیتا ہے وہ شہوات اکل و شرب سے آزاد ہو جاتا ہے اور جو بات کرنے میں راست گوئی کا پابند ہو جاتا ہے وہ شہوتِ کذب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جو آنکھ سے دیکھتے وقت راستی ملحوظ رکھتا ہے (یعنی جائز و ناجائز کا خیال کر لیتا ہے) وہ شہوتِ چشم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اور حقیقتِ توکل یہ ہے کہ اپنا ربّ حقیقی دل زبان سے اپنے ربّ حقیقی کو جانے اور اس پر اسے استقامت حاصل ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

Marfat.com

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ....الخ ﴾ (۱)

اس وقت اس کی عبادت بھی اخلاص اور راستی سے ادا ہو گی اور معرفت و صداقت کے ساتھ ہر شے پر نظر رکھے گا۔ حتیٰ کہ اس کا اَکل وشرب سوائے دوست کے نہ ہو گا۔

اور اس کی ہر حرکت و سکون میں کیفیتِ وجدانیہ کے سوا کچھ نہ ہو گا اور اس کی نظر سوائے مشاہدۂ ذات کے کسی طرف نہ جائے گی۔ تو جب وہ صحیح طور پر کھائے گا، صحیح کلام کرے گا تو یہ کھانا خالص حلال ہو گا اور یہ کلام خالص ذکر دوست ہو گا اور صحیح دیکھنا بھی جب ہی صحیح ہو گا جبکہ سوائے ذات کے کچھ نہ دیکھے۔

اس لیے کہ عارف کے لیے وہی کھانا حلال ہوتا ہے جو ربِّ حقیقی کا عطیہ ہو اور بلا اِذنِ محبوب اسے وہ کھانا کھانا بھی حلال نہیں ہوتا اور سوائے ذکر محبوب کے اٹھارہ ہزار عالموں میں سے کسی عالم کا ذکر راست نہیں آتا۔

اور سوائے جمال وجلالِ محبوب، موجودات عالم میں اس کا نظارا ہی جائز نہیں۔ پھر جب اسی سے کھائے، اسی سے بولے، اسی کو دیکھے تو شہوت نہ ہوئی اور جب اس سے کلام ہو اور بلا اس کی اجازت کلام بھی نہ ہوا تو یہ بھی شہوتِ لسانی نہ رہی اور جب ہر شے میں جو فعل دیکھا اس کی طرف سے دیکھا اور اس کے اِذن سے دیکھا تو یہ دیکھنا بھی مبنی علی الشہوت نہ ہوا۔

اور اگر تُو اپنی خواہش اور حرص سے کھائے اگرچہ کسبِ حلال ہی سے کھائے مگر یقیناً شہوتِ اَکل ہے اور اگر تو اپنی ہوائے نفسانی کے ماتحت کلام کرے اگرچہ وہ دروغ نہ ہو مگر شہوتِ لسانی ہے اور اگر اپنی خواہش نفسانی سے دیکھے اگرچہ اس دیکھنے سے شہادت وغیرہ میں کام لے مگر یہ وبال اور شہوتِ نظر ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے امام مطلبی، ابن عم نبی ﷺ حضرت ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپؒ اپنے وقت کے تمام علوم میں امام گزرے ہیں اور جوانمردی و ورع میں مشہور ہیں، آپؒ کے بہت زیادہ مناقب ہیں اور آپؒ کا کلام بہت بلند مانا گیا ہے۔

آپ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس وقت تک شاگرد رہے جب تک مدینہ منورہ میں آپؒ کا قیام رہا، پھر جب عراق میں تشریف لائے تو حضرت محمد بن حسن کرد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نشست و برخاست رکھی۔ آپؒ کے مزاج میں خلوت نشینی کا خاص شوق تھا، مگر ایک جماعت

۱۔ سورۃ حٰمٓ سجدہ: ۳۰

Marfat.com

آپ کی خدمت میں آئی اور آپ کی مقلد بن گئی۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں تبعین میں سے ہیں جب اس خدمت کی طرف آپ مجبور ہو گئے تو پھر آپؒ نے اجتہادیات کے ذریعہ خدمتِ امامت انجام دینی شروع فرمائی اور آپؒ کی وجاہت عام ہو گئی اور خلوت نشینی نہ فرما سکے لیکن اس امامت وجاہت کے دَور میں بھی آپؒ محمود الخصال رہے۔

ابتداءِ دَور میں آپؒ کے مزاج کے اندر کچھ سختی تھی۔ جب حضرت سلیمان راعی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے تو اس کے بعد آپؒ کی وہ خشونت جاتی رہی اور جہاں بھی آپؒ تشریف لے گئے طلب حق میں رہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

اِذَا رَأَیْتَ الْعَالِمَ یَشْتَغِلُ بِالرُّخَصِ فَلَیْسَ یَجِیْئُ مِنْهُ شَیْءٌ.

''جب تو علماء کو دیکھے کہ رخصت اور تاویلات میں مشغول ہیں، سمجھ لے کہ اب ان سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

یعنی علماء پیشوا تمام اصناف خلائق سے ہیں اور یہ ہرگز روا نہیں کہ ان سے آگے کوئی ایک قدم بھی بڑھے اور راہِ حق اور معنی حقیقی کا انکشاف بغیر احتیاط اور مجاہدہ کے ہرگز نہیں ہو سکتا اور علم حاصل کرنا اس کا کام ہے جو مجاہدہ سے گریز کرے اور طالب علم کو چاہیے کہ احکام میں تخفیف اختیار کرے۔ اس لیے کہ علم حاصل کرنا درجہ عوام میں ہے تا کہ کم از کم اس علم کے ذریعے دائرہ شریعت سے تو باہر نہ گریں اور مجاہدہ وریاضت یہ درجۂ خواص ہے، ان کا عام درجہ جو ہے وہ رضاء محض ہے، اس سے زائد وہ کسی چیز پر نظر نہیں ڈالتے اور نہ انہیں نظر ڈالنا چاہیے۔

اور علماء حق اس درجہ میں اخص الخواص ہیں۔ جب یہ اخص الخواص عوام کے درجہ پر راضی ہو گئے تو اس کا نتیجہ کچھ نہیں اور نہ ایسی حالت میں ان سے کچھ امید رکھنی چاہیے اور رخصت اور تاویلات ڈھونڈنا خدا تعالیٰ کے احکام میں نرمی اور خفت نکالنا ہے۔

اور علماء تو خاص محبوبانِ خدا ہیں پھر فرمانِ دوست کو ہلکا اور خفیف کرنا کس طرح گوارہ کر سکتا ہے اور وہ تعمیل حکم دوست میں ادنیٰ درجہ ہرگز منظور نہیں کر سکتا بلکہ ہر حکم کی تعمیل اعلیٰ درجۂ احتیاط پر کرے گا۔

ایک شیخ مشائخ کرام سے راوی ہیں کہ ایک شب حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کی، حضور! مجھے روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اوتاد اولیاء مقرر فرمائے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس راوی نے تجھے خبر صحیح پہنچائی ہے۔ مَیں نے عرض کی حضور! میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کی زیارت کروں، فرمایا: حضرت محمد بن ادریسؒ ان میں سے ایک ہیں۔ آپ

Marfat.com

کے مناقب اس کے علاوہ اور بہت ہیں۔

حضرت امام ابو محمد احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

انہیں میں سے شیخ سنت، قاہر اہلِ بدعت حضرت ابو محمد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپؒ ورع و تقویٰ میں امتیازِ خصوصی رکھتے ہیں، حافظِ حدیث تھے اور انہیں ارباب شرع اور اہل طریقت دونوں فریق مبارک مانتے ہیں، آپ بڑے بڑے مشائخ کرام کے صحبت یافتہ ہیں۔ مثل حضرت ذوالنون مصری اور بشر حافی اور سری سقطی، معروف کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے علاوہ اور بھی مشائخ کرام کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔ آپؒ کی کرامتیں بہت ہیں اور آپؒ کی فراست (یعنی نورِ ایمانی سے خطرات قلوب عوام پر عبور بالکل صحیح ہے)۔ بعض لوگ حضرت ممدوح کا تعلق فرقہ مشبّہ(ا) سے بتاتے ہیں یہ محض غلط ہے اور ان پر افتراء ہے (مشبّہ مثل معتزلہ دہریہ کے اس زمانہ میں کوئی فرقہ تھا) وہ قطعاً اس الزام سے بری ہیں۔ ان کے عقائد اور اصولِ دین و مذہب نہایت پسندیدہ تھے اور تمام علماء اس پر متفق ہیں۔ جبکہ آپ بغداد شریف تشریف لائے تو فرقہ معتزلہ نے آپ پر غلبہ کیا اور یہ تجویز کی کہ آپؒ کو تکلیف دے کر مجبور کیا جائے تاکہ آپ بھی قرآن کریم کو مخلوق فرمادیں۔

باوجودیکہ آپ معمر اور نہایت ضعیف تھے، آپ کی مشکیں کسی گئیں، ہزار تازیانہ آپؒ کو لگائے گئے اور پھر کہا کہ قرآن کریم کو مخلوق کہیں مگر آپؒ مستقیم علی الحق رہے۔ اسی حالت میں آپ کی شلوار مبارک کا کمر بند کھل گیا اور چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اسے باندھنے میں آپ عاجز ہوئے کہ یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ ایک تیسرا ہاتھ غیب سے نمودار ہوا اور کمر بند باندھ کر غائب ہوگیا۔ جب ان ظالموں نے آپؒ کی یہ کرامت دیکھی تو گھبرا گئے اور آپؒ کو چھوڑ دیا۔ آپؒ نے اس تمام تکلیف کو بھی من جانب اللہ سمجھا اور ان سے کوئی انتقام قوتِ باطنی کے ذریعہ نہ لیا۔

غرضیکہ آخر عہد حکومت معتزلہ میں ایک جماعت آپؒ کی خدمت میں حاضر آئی اور عرض کیا کہ جن لوگوں نے آپؒ کو یہ تکلیف دی اس کی بابت آپؒ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا میں کیا کہوں میرا خیال تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ واسطے مجھے یہ تکلیف دی، وہ یہ سمجھے کہ میں قرآن کریم کو مخلوق نہ کہنے

ا۔ فرقہ مشبہ کی تعریف میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) مشبہ میں تین فرقے ہیں ہشامیہ اور مقاتلیہ اور واسمیہ، اور وہ عقیدہ جس پر یہ تینوں متفق ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جسم ہے اور وہ جسم ایسا ہے کہ اس کا ادراک عقل کو جائز نہیں، وہ موجود ہے اور جسم ہے۔ (از غنیۃ الطالبین عربی صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ مطبع صدیقی۔ لاہور (ابوالحسنات)

Marfat.com

میں باطل پر ہوں اور وہ اپنے کو حق پر سمجھتے رہے۔ مَیں یہاں تو یہاں بروزِ قیامت بھی ان تازیانوں کے بدلہ میں ان سے خصومت کے لیے تیار نہیں۔

آپ ؒ کا کلام بہت بلند ہے اور معاملات میں آپ ؒ کے احکام نہایت واضح ہیں۔ چنانچہ جب کوئی آپ کے پاس مسئلہ پوچھنے آتا تو آپ معاملات کے سوال کا جواب واضح دیتے اور اگر حقائقِ تصوف کے متعلق ہوتا تو اسے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرماتے۔ چنانچہ ایک روز ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا: مَاالْاِخْلَاصُ؟ ''حضور! اخلاص کی کیا تعریف ہے؟'' فرمایا: اَلْاِخْلَاصُ هُوَالْخَلَاصُ مِنْ آفَاتِ الْاَعْمَالِ. ''اخلاص کہتے ہیں اعمال سے آفات کے نجات پانے کو۔'' یعنی جو عمل کرے اس میں اس کی آفت جو ریا ہے وہ قطعاً نہ ہو اور دکھاوے کا کوئی حصہ تیرے عمل میں نہ آئے۔

اس نے عرض کی: مَاالتَّوَكُّلُ؟ ''حضور! توکل کیا ہے؟''۔ فرمایا: اَلثِّقَةُ بِاللّٰهِ۔ ''اللہ پر پورا بھروسہ کر لینا اور اس کی رزاقی پر یقین واثق کر لینا۔'' عرض کی: حضور! مَاالرِّضَا؟ ''رضا کیا چیز ہے'' فرمایا: تَسْلِيْمُ الْاُمُوْرِ اِلَى اللّٰهِ۔ ''اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دینا۔'' عرض کی: حضور! مَاالْمَحَبَّةُ؟ ''محبت کیا چیز ہے'' فرمایا: یہ بشر حافی سے جا کر پوچھ' اس لیے کہ جب تک وہ رونق افروز ہیں مَیں اس کا جواب دینے کا اہل نہیں۔ اور حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ تمام احوال میں امتحان لیے گئے۔ اپنی زندگی میں تو طعن معتزلہ سے امتحان ہوا اور بعد وفات مشبہ کے ساتھ مل جانے کی تہمت سے۔ حتیٰ کہ آج تک بعض اہل سنت و جماعت میں بوجہ عدم واقفیت حال آپ پر تہمت لگاتے رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ان اتہامات سے بالکل بری ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

حضرت ابوالحسن احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سراجِ وقت، واقف اسرار آفات مقت حضرت ابوالحسن حواری رضی اللہ عنہ ہیں۔ مشائخ شام میں بڑے زبردست شیخ مانے گئے ہیں اور ان کی تعریف مشائخ نے خود بے حد فرمائی، حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَحْمَدُ بْنُ الْحَوَارِىُ رَيْحَانَةُ الشَّام ''احمد بن حواری ملک شام کے مہکتے ہوئے پھول ہیں''۔ ان کا کلام بہت بلند ہے ان کے اشارات بغائت لطیف ہیں۔ علمِ طریقت اور متعدد فنون میں ماہر گذرے ہیں۔ آپ ؒ سے صحیح روایات کے ساتھ حضور ﷺ کی احادیث بھی مروی ہیں اور آپ ؒ کے زمانہ میں لوگوں کا رجوع آپ ؒ کی طرف زیادہ تھا یعنی اپنے قضیہ جھگڑے کا فیصلہ لوگ آپ سے ہی کراتے تھے۔ آپ ؒ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ فرازی کی صحبت میں رہ چکے

Marfat.com

ہیں۔ علاوہ اس کے، سیاحت کر کے متعدد مقامات سے ادب و فائدہ حاصل فرمایا۔ آپؒ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

اَلدُّنیَا مَزْ بَلۃٌ وَ مَجمَعُ الْکِلَابِ وَ اَقَلُّ مِنَ الْکِلَابِ مَنْ عَکَفَ عَلَیْھَا فَاِنَّ الْکَلْبَ یَاْخُذُ مِنھَا حَاجَۃً وَّ یَنْصَرِفُ وَالْمُحِبُّ لَھَا لَا یَزُوْلُ عَنْھَا وَلَا یَتْرُکُھَا بِحَالٍ.

''دنیا گندگی کا ڈھیر ہے (یعنی کوڑھی ہے) اور کتوں کا جمع رہنے کا مقام، اور ادنیٰ درجہ کا ذلیل کتا وہ ہے جو اس کے گرد پھرتا رہے اور ہوسِ دنیا سے اسے سیری نہ ہو۔ اس لیے کہ کتا مزبلہ پر آ کر اپنی حاجت کے مطابق لیتا ہے اور لوٹ جاتا ہے اور دنیا کا دوست اور حریصِ خالص وہ ہے جو کبھی مالِ دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔''

حضرت ابو الحسن احمد رحمۃ اللہ علیہ ان مردانِ خدا سے گزرے ہیں کہ ان کی نظر میں دنیا اتنی حقیر تھی کہ اسے ''مزبلہ'' سے تشبیہ دی اور دنیا دار کو ذلیل ترین کتا بتایا اور اس پر دلیل میں فرمایا کہ کتا اپنا پیٹ بھر کر مزبلہ سے ہٹ جاتا ہے مگر دنیا دار مالِ دنیا سے سیر نہیں ہوتا اس کی حرص میں آخر عمر تک لگا رہتا ہے۔

یہ فرمان آپ کے انقطاعِ دنیا پر خاص نشان ہے اور اہلِ دنیا سے آپ کے اعراض پر خاص دلیل ہے اور دنیا سے قطعِ تعلق کر لینا ہے، اہلِ طریقت کا خوش آئند چمن زار اور میدانِ خوشگوار ہے۔ آپؒ نے ابتداء میں علم حاصل فرمایا حتیٰ کہ اماموں کے منصبِ جلیل پر پہنچے۔ اس کے بعد اپنی تمام کتابیں اٹھا کر دریا برد فرما دیں اور کہا:

نِعْمَ الدَّلِیْلُ اَنْتَ وَاَمَّا الْاِشْتِغَالُ بِالدَّلِیْلِ بَعْدَ الْوُصُوْلِ مَحَالٌ.

''میرے لیے بہترین دلیل اور میرا راہبر تُو ہے اور جب تُو میرے لیے کافی ہے (تو پاء استدلالیان چوبین بود) کے بموجب ''اِشْتِغَالٌ بِالدَّلِیْلِ وَاصِلٌ اِلَی اللّٰہِ'' کے لیے محال ہے۔''
اس لیے دلیل کی اس وقت حاجت ہے جبکہ مرید راستہ میں ہو اور جب بارگاہ تک پیش ہو چکا ہو تو دیدار کا جلوہ مل گیا۔ اب بارگاہ اور راہ دونوں کی قدر و قیمت نہ رہی۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل آپ کا بحالتِ سکر ہوا تھا اور یہ کلام بھی سکر یہ ہے۔

اس لیے کہ اس راہ میں جو یہ کہے ''وَصَلْتُ'' (میں مل گیا)، فَقَدْ فَصَلَ (وہ یقیناً علیحدہ ہو گیا) کیونکہ اس بارگاہ تک خود پہنچنا اس بارگاہ سے دور ہونے کے مترادف ہے۔ تو ہر شغل، شغل ہی

Marfat.com

ہے اور ہر فراغت، فراغت ہی ہے اور ہر اصول مشاغل وصول میں اپنے وجود سے نیست ہوتا ہے۔

اس لیے کہ وصل وفصل اور شغل وفراغت اور اصول ووصول یہ سب بندہ کی صفت ہیں۔
فصل و وصل اور عنایتِ الٰہی بارگاہِ احدیت سے ازل میں اس کے انتخاب کے موافق ہو چکی ہوتی ہے اور بندہ اپنی قوتِ ارادی سے کسی طرح اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتا۔

اور عنایتِ الٰہی اور اس کے ازلی مقرر شدہ حصہ کے وصول کے لیے اس کا کوئی اصول، اصول نہیں اور نہ ملازمت اور ارادہ قرب ومجاورت اور مجاہدہ اس کا قدیم بن سکتے ہیں تو عاشق کے لیے یہ دعویٰ روا ہی نہیں ہو سکتا۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ وصلِ ذات بندہ کی عزت کا موجب ہے اور فصل وہجر بندہ کی ذلت و اہانت کا سبب۔ اور صفاتِ قدیمہ میں تغیر جائز نہیں۔

میری رائے ہے کہ (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ممکن ہے ''وصول الی اللہ'' کے لفظ سے اس شیخ کامل کی مراد خدا کا راستہ ہو، اس لیے کہ کتابوں میں خدا کا راستہ ہے، تو جب راستہ واضح ہو گیا تو کتاب وعبارت منقطع ہو گئی۔ اس لیے کہ عباراتِ کتب میں وہ فقرہ نہیں جو مشاہدہ میں ہے۔ عبارت تو مقصود کو غائبانہ ہی سمجھا سکتی ہے اور جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو عبارت گم ہو گئی اور پھر مشاہدہ ومعرفت کے بعد زبان بھی عبارت کی طرف سے گونگی ہو جاتی ہے۔ تو جب عبارت کی طرف سے زبان ہی گنگ ہو تو کتاب کا ضائع کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور بزرگوں نے بھی ایسا کیا منجملہ ان کے۔ حضرت ابوسعید فضل اللہ، محمد مہنی کے صاحبزادہ ہیں، جب ان پر یہ کیفِ شہودی طاری ہوا، انہوں نے بھی اپنی تمام کتابیں دریا بُرد کر دیں۔

اور محض رسمی لوگوں نے مصنوعی صوفی بن کر اپنی کاہلی اور نااہلی کی وجہ میں ان مردانِ خدا کی تقلید کی، مگر وہ بے حاصل بات ہے۔ ان خاصانِ خدا نے جو ایسا کیا وہ محض تعلق دنیاوی کے انقطاع کی غرض سے کیا اور توجہ الی الغیر کو ترک فرمایا ماسوی اللہ سے اپنے قلب منور کو فارغ غرض سے ان کا یہ فعل ہوا۔

اور یہ حالت جب تک ازلی سکر اور ازلی دانش وبینش ودیعت نہ ہو، کبھی نہیں ہو سکتی اور اس حالت کا تعلق کیفیت سکر اور ابتداء عشق کی آگ میں ہے، منتہی کو اس سے یوں تعلق نہیں ہوتا کہ وہ متمکن بالمشاہدہ ہوتا ہے اور متمکن کے لیے کونین بھی حجاب نہیں بن سکتے۔ اس لیے کہ ان کا دل علائق سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے۔ تو جس پر کونین حاجب نہ ہو سکے اس پر ایک کاغذ کی کیا حیثیت

Marfat.com

جو حجاب بن سکے (اور اگر یہ کہا جائے کہ کتابیں دھو ڈالیں) تو اس سے مراد نفی عبارت ہو سکتی ہے اس لیے کہ جب حقیقت معنی حاصل ہو جائے تو عبارت بے کار ہے، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ تو بہترین بات یہ ہے کہ عبارت خود بخود زبان سے منفی ہو۔

اور جو عبارت کتاب میں لکھی ہے وہ زبان پر جاری ہے اور عبارت، عبارت سے اولیٰ نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ شیخ ابوالحسن احمد بن حواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلبۂ حال میں کچھ لکھا ہوگا مگر جب اس کے سننے والے نہ پائے تو اسے دریا بُرد کر دیا ہوگا اور یہ جو فرمایا کہ تُو بہترین میری دلیل اور میرا راہنما ہے، تو جب مرادِ مرید اس ذات سے پوری ہو گئی تو ماسوی اللہ سے اس کی مشغولی محال ہے۔

اس امر میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے پاس بہت سی کتابیں جمع ہو گئی ہوں جو آپ کو اپنے اوراد و اعمال سے روکتی ہوں اور مشغول کرتی ہوں تو آپ نے مشغول غیر اللہ کو اٹھا ڈالا ہو اور فراغتِ قلبی غیر سے حاصل کی ہو اور ترکِ عبارت کے لیے فرمایا ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ابو حامد حضرت احمد بن خضرویہ البلخی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سرہنگِ جوانمرداں، آفتابِ خراسان حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ البلخی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اپنے حال میں بہت بلند گزرے ہیں اور شرافت وقت میں مخصوص ہیں اور اپنے زمانہ کے مقتداءِ قوم اور مرجع خواص و عوام تھے اور آپ کا طریقہ ملامتیہ تھا۔ آپ کا لباس ہمیشہ سپاہیانہ ہوتا تھا اور آپ کی بیوی صاحبہ مسماۃ فاطمہ، امیر بلخ کی صاحبزادی تھیں رحمہما اللہ۔ یہ بھی طریقت میں عظیم الشان مرتبہ رکھتی تھیں اور امیر بلخ کی صاحبزادی یعنی بیگمات شاہی سے تھیں۔ جب ان کے دل میں نورِ عرفان من جانب اللہ پیدا ہوا، حضرت احمد خضرویہ ؒ کی خدمت میں آدمی بھیجا اور عرض کرایا کہ آپ مجھے میرے والد سے طلب فرمائیں۔ آپؒ نے التفات نہ کیا دوبارہ پھر آدمی بھیجا اور کہلایا کہ حضور! میں آپ کو اس وجہ میں چاہتی ہوں کہ آپؒ راہ برحق ہیں، نہ اس لیے کہ آپؒ کو جواں حسین دیکھ کر آپ کی طرف مائل ہوں، راہِ راست سے ہٹا دینے والے بہت ہیں، مجھے راہبر کی تلاش ہے، لہٰذا آپ پیام دیں۔

آخرش آپ نے امیر بلخ کے یہاں پیام دیا۔ امیر بلخ نے ایک مردِ خدا، عارف کامل سے اپنی صاحبزادی کو نامزد کرنا اپنے لیے عین سعادت جانا اور فوراً رشتہ کر دیا۔ بعد شادی حضرت فاطمہ بنت امیر بلخ نے آپ کی خدمت میں آتے ہی مشاغل دنیا و یہ ترک فرما دیئے اور گوشہ نشیں ہو گئیں۔ آپ کے خلوت خانہ خاص میں صرف حضرت احمد اور حضرت فاطمہ ہی رہتے۔

Marfat.com

حتیٰ کہ ایک بار حضرت احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شوق ہوا۔ حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا بھی حضرت بایزیدؒ کے دربار میں ہمراہ حاضر ہوئیں۔ جب حضرت بایزید کے سامنے دونوں آ گئے، حضرت فاطمہؒ نے نقاب ہٹا دیا اور حضرت بایزید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے حجابانہ گفتگو شروع کر دی۔ حضرت احمد خضرویہ ؒ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہوا اور غیرتِ زوجیت آپ پر مستولی ہوئی۔ فرمانے لگے: فاطمہ! جس بے حجابی سے تم بایزید کے سامنے باتیں کر رہی ہو اس کی وجہ مجھے بھی معلوم ہونی چاہیے۔

حضرت فاطمہؒ نے فرمایا: احمد! تم محرمِ طبیعت ہو اور بایزید محرمِ طریقت، تمہارے ذریعہ میری آتشِ حرص و ہویٰ کا علاج ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ خدارسی ہوتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بایزید مجھ سے بے نیاز ہے اور تم میرے محتاج ہو۔

غرضیکہ حضرت فاطمہؒ ہمیشہ حضرت بایزیدؒ کے سامنے بے حجاب رہتیں اور نہایت بے تکلفی سے کلام فرماتیں۔ ایک روز حضرت بایزیدؒ کی نظر حضرت فاطمہؒ کے ہاتھ پر پڑی دیکھا مہندی لگی ہوئی ہے۔ فرمایا: فاطمہ! ہاتھوں میں مہندی لگا رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا بایزید! اب تک کہ تمہاری نظر میرے ہاتھ پر نہ پڑی تھی، میرا آپ کے ساتھ رابطہ بے حجاب تھا، اب جبکہ تمہاری نظر مجھ پر پڑنے لگی اب آپ سے بے حجابی حرام ہے۔ بس اسی روز واپس ہو گئیں اور نیشاپور تشریف لا کر قیام فرمایا۔ اہل نیشاپور آپ کے ساتھ نہایت خوش اعتقاد تھے اور مشائخ نیشاپور بھی آپ کے یہاں زانوئے عقیدت تہہ فرماتے تھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ نیشاپور آئے۔ بلخ جانے کا عزم تھا۔ حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کرنی چاہی۔ حضرت فاطمہؒ سے مشورہ کیا کہ دعوتِ یحییٰ میں کیا کیا کھانے ہوں اور کیا کیا سامان مہیا ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا: اتنی گائیں، اتنی بکریاں، اتنا سامانِ تزئین، اتنے چراغ، اتنی قسم کے عطر اور ان تمام سامانوں کے ساتھ بیس گدھے بھی ذبح ہونے چاہئیں۔ حضرت احمد نے فرمایا یہ بیس گدھوں کے گوشت سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا جب کوئی صاحبِ کرم صاحبِ ثروت کے گھر جاتا ہے تو محلہ کے لوگوں کے ساتھ محلہ کے کتوں کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے آپ کی منقبت میں فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنَ الرِّجَالِ مَخْبُوْءٌ تَحْتَ لِبَاسِ النِّسْوَانِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی فَاطِمَۃَ رَحِمَہَا اللّٰہُ.

Marfat.com

''جو چاہے کہ کسی مرد کو عورت کے لباس میں مخفی دیکھے اس سے کہو کہ وہ فاطمہ کو دیکھ لے۔''

اور حضرت ابو حفص حلا د رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْ لَا أَحْمَدُ بْنُ خِضْرَ وَيَه مَاظَهَرَتِ الْفُتُوَّةُ

''اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتے تو دنیا میں مروت و جوانمردی پیدا نہ ہوتی''۔

آپ کے بڑے بلند کلام اور نہایت مہذب تخیل ہیں اور آپ کی تصانیف ہر فن میں اعمال و آداب و نکات میں مشہور و معروف ہیں۔

آپؒ سے ایک روایت ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اَلطَّرِيْقُ وَاضِحٌ وَالْحَقُّ لَائِحٌ وَالرَّاعِيْ قَدْ اَسْمَعُ فَمَا الْمُتَحَيِّرُ بَعْدَهَا اِلَّا مِنَ الْاَعْمٰى.

''راستہ کھلا ہے اور حق روشن ہے اور نگہبان سننے والا، پھر تحیر وہی کر سکتا ہے جو اندھا ہو''۔

یعنی اب راستہ ڈھونڈنا محض غلطی ہے اس لیے کہ راہِ حق مثل آفتاب کے تابان ہے بلکہ انسان اپنے آپ کو ڈھونڈے کہ وہ کہاں ہے اور جب اپنے کو پالے تو راستہ پر آجائے کیونکہ حق اس سے بھی زیادہ اظہر ہے کہ طالب اس کی طلب کرے۔

آپؒ سے ہی مروی ہے کہ فرمایا:

اُسْتُرْ عِزَّ فَقْرِكَ.

''فقیری کے منصب جلیل کو پوشیدہ رکھ''۔

یعنی مخلوق کے آگے نہ کہتا پھر کہ میں درویش ہوں تا کہ تیرا راز نہ کھل جائے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی زبردست بخشش ہے۔

آپؒ ہی سے مروی ہے کہ فرمایا ایک درویش نے رمضان المبارک میں ایک متمول کی دعوت کر دی اور ان کے گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب وہ دولتمند واپس ہوا تو اس نے ایک سنہری تھیلی سکہ کی ان کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے اس تھیلی کو واپس کر دیا اور کہلا دیا کہ یہ تھیلی اسے دے جو اپنا راز تیرے جیسے کے آگے ظاہر کر دے یا تیرے جیسے دولت مند کو اپنی عزت فقر سے بلند جانے۔

یہ ان کے سچے فقر کی دلیل ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ

Marfat.com

حضرت عسکری بن الحسین رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے امامِ متوکلان، برگزیدۂ اہلِ زمان، ابوتراب حضرت عسکری بن الحسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ مشائخ خراسان میں اجلۂ سادات میں مشہور ہیں اور جوانمردی و زُہد و ورع میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی بے حد کرامتیں ہیں اور بہت زیادہ عجائبات ایسے ہیں جو جنگلوں میں دیکھے گئے۔

سیاح متصوفین میں سے آپ تھے اور ہمیشہ جنگل میں خلوت نشیں رہا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات بھی بصرہ کے ایسے جنگل میں ہوئی کہ بعد وفات کئی سال بعد ایک قافلہ پہنچا تو آپ کی لاش مبارک کو ایک پیر پر قبلہ رو کھڑے دیکھا۔ لاش مبارک بے جان تھی اور خشک ہو چکی تھی اور آپ کے پاس سامنے چڑے کا کوزہ یعنی کشکولِ چرمی رکھا ہوا تھا اور عصا ہاتھ میں تھا لیکن جنگل کے درندے آپ کی لاش مبارک کے پاس نہ پھٹکے اور اتنی مدت تک پاء مبارک سے لاش نہ گری۔

آپؓ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلْفَقِيْرُ قُوْتُهٗ مَاوَجَدَ وَلِبَاسُهٗ مَا سَتَرَ وَمَسْكَنُهٗ حَيْثُ نَزَلَ .

''فقیر کی غذا وہی ہے جو مل جائے اسی کو اختیار کرے، اور لباس وہ ہے جس سے بدن ڈھانپ لے، اس میں اپنا تصرف نہ کرے اور اس کے مقام کے لیے وہی جگہ ہے جہاں چلتے چلتے ٹھہر جائے اپنے لیے کوئی خاص جگہ نہ بنائے''۔

اس لیے کہ ان تین چیزوں میں تصرف کرنا لغیر اللہ ہونا ہے اور درحقیقت تمام عالم ان ہی تین چیزوں کی بلاء میں مبتلا ہے (اور یہ جو کچھ تین چیزوں کا ذکر فقیر کا ہوا) یہ بھی اسبابِ ظاہری کے لحاظ سے ہے، ورنہ درحقیقت غذائے درویش وجد ہے اور لباسِ درویش تقویٰ ہے اور مسکنِ درویش مقامِ غیب۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ (۱)

''اور اگر یہ لوگ صراطِ مستقیم پر قائم رہتے تو ہم انہیں کافی پانی پلاتے''۔

اور فرمایا:

﴿وَرِيْشًا ۗ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (۲)

''اور باعثِ زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے''۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اَلْفَقْرُ وَطَنُ الْغَيْبِ ''فقر وطن غیب ہے''۔ تو جب اکل و

۱۔ سورۃ الجن: ۱۶ ۲۔ سورۃ الاعراف: ۲۶

Marfat.com

شربِ فقیر، شرابِ دیدارِ یار ہے اور لباسِ فقیر، تقویٰ اور مجاہدہ اور وطنِ فقیر مقام غیب اور وصل کے مقام کا اظہار چاہنا فقر کے طریقہ کا کھلا راستہ ہے اور اس کے عمل روشن ہیں اور یہ فقیر کا درجۂ کمال ہے۔

حضرت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے لسانِ محبت و وفا، زینِ طریقت وولا حضرت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نہایت بلند حال اور نیک سیرت بزرگ گذرے ہیں اور آپ کا مقام رجاء میں میدانِ حقیقت کے اندر پورا قدم راسخ تھا۔ حتیٰ کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو یحییٰ پیدا فرمائے ہیں: ایک نبیوں میں اور ایک ولیوں میں۔ انبیاء میں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام تھے کہ آپ کو طریق خوف اس درجہ عطا ہوا کہ تمام مدعیان افراطِ خوف کی وجہ میں اپنی کامیابی سے ناامید ہو گئے۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کو طریق رجاء و امید اس درجہ عطا ہوا کہ تمام مدعیوں کے ہاتھ امید سے بھر گئے۔ کسی نے کہا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا حال تو معلوم ہے لیکن یہ یحییٰ کون ہیں اور ان کا حال کیا ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ یہ یحییٰ، جہالت کی طرف ہرگز نہیں تھے اور آپ سے کبھی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا اور اعمال و عبادت میں پوری سعی فرماتے تھے۔ بلکہ ایسی جدوجہد کرتے تھے کہ ان کی سی کسی میں محنت کرنے کی تاب و طاقت نہیں۔

ان سے کسی نے فرمایا کہ یحییٰ! تمہارا مقام مقامِ رجاء ہے اور تمہارا عمل عملِ خائفان ہے۔ آپ نے فرمایا صاحبزادے اچھی طرح یاد رکھو! ترکِ عبودیت ضلالت ہے اور خوف و رجاء ستونِ ایمان ہیں۔

یہ محال ہے کہ کوئی ارکانِ ایمانیہ کی حفاظت میں سعی کرتا ہوا گمراہ ہو جائے۔ خوف والا اس خوف سے عبادت کرتا ہے کہ وہ مقامِ تقرب سے کہیں قطع نہ ہو جائے اور رجاء والا با اُمیدِ وصل جمیل عبادت کرتا ہے اور جب تک عبودیت و عبادت نہ ہو تو خوف صحیح ہے نہ رجا، اور جب عبادت حاصل ہے تو دونوں یعنی خوف و رجاء عبادت ہیں اور جہاں عبادت نہیں وہاں عبارت اور لفظ امید و رجاء کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں اور نکات و اشارات عجائب و غرائب کافی۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے بعد جو سب سے پہلے مشائخ کرام میں سے برسرِ منبر جلوہ افروز ہوئے وہ بھی ابوزکریا حضرت یحییٰ بن معاذ ہیں اور میں ان کے کلام کو بہت پسند کرتا ہوں اس لیے کہ ان کا کلام

Marfat.com

میرا رفیق طبع ہے اور سماعت میں نہایت لذیذ اور اصلیت میں بحد غائیت دقیق اور عبارت کی حیثیت سے نہایت مفید۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اَلدُّنْیَا دَارُ الْاَشْغَالِ وَالْاٰخِرَۃُ دَارُ الْاَھْوَالِ وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ بَیْنَ الْاَشْغَالِ وَالْاَھْوَالِ حَتّٰی یَسْتَقِرُّ بِہِ الْقَرَارُ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ۔

''دنیا جائے اشغال و اعمال ہے اور آخرت مقامِ خوف و ہول اور بندہ ہمیشہ اعمال اور خوف میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے ٹھہرنے کا مقام یا جنت ہو جاتی ہے یا جہنم بن جاتا ہے کہ اس میں پڑا روتا رہے۔''

بہت بختاور اور خوش وقت وہ ولی ہے کہ اعمال و اشغال اور خوف سے مامون ہو کر اپنی ہمت کو دونوں سے جدا کر کے اپنے ربِّ حقیقی سے پیوستہ ہو چکا ہو۔

آپ اپنے خیال میں غنا کو فقر پر بزرگ جانتے تھے اور جب مقام ''رے'' میں آپ پر بہت قرض ہو گیا تو خراسان کا قصد فرمایا۔ جب بلخ پہنچے تو اہل بلخ نے آپ کو روکا تاکہ کچھ وعظ و پند سنیں۔ غرضیکہ یہاں کے لوگوں نے آپ کو ایک لاکھ درہم نذر کیے۔ جب آپ یہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں چوروں نے سب لوٹ لیے اور آپ تنہا نیشاپور تشریف لے آئے۔ آپ کی وفات نیشاپور میں ہوئی لوگوں میں آپ کی خاص عزت تھی۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

حضرت عمرو بن سالم نیشاپوری حدادی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ المشائخ خراسان، نادرِ زمین و زمان ابو حفص حضرت عمرو بن سالم نیشاپوری حدادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قوم کے بڑے بزرگ اور سادات سے تھے۔ مشائخین وقت کے بڑے ممدوح گزرے ہیں۔ حضرت ابو عبداللہ الدبیورویؒ کے ہمنشیں اور حضرت احمد خضرویہؒ کے رفیق خاص ہیں۔ کرمان سے شاہ شجاع ان کی زیارت کے لیے آئے اور آپ اس وقت بغداد میں تشریف فرما تھے۔ مریدوں نے آپس میں کہا سخت افسوس ہے کہ شیخ الشیوخ خراسان سے یہاں تشریف لائیں اور ہم ان کے کلام فیض ترجمان سے استفادہ نہ کریں، آپ کے لیے ایک ترجمان تلاش کیا جائے (اس لیے کہ عام طور پر یہ سب جانتے تھے کہ آپ کو عربی زبان نہیں آتی)۔

جب آپ مسجد شونیزیہ میں تشریف لائے تو بہت سے مشائخ یہاں جمع ہوئے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ آپ نے تمام مشائخ کے ساتھ ایسی فصیح و بلیغ عربی

Marfat.com

زبان میں گفتگو فرمائی کہ حاضرین جلسہ آپ کے بلاغت کے مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ آپ سے سوال کیا گیا، "مَاالْفُتُوَّةُ؟" (حضرت فتوت کیا چیز ہے؟)

آپ نے فرمایا تمام مشائخ تشریف فرما ہیں اور سب یکے بعد دیگرے تعریفِ فتوت کریں۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پہلے شروع ہوئے اور فرمایا:

اَلْفُتُوَّةُ عِنْدِیْ تَرْکُ الرُّؤْیَةِ وَاِسْقَاطُ النِّسْبَةِ.

"میرے نزدیک فتوت یہ ہے کہ انسان اپنی فتوت یعنی جوانمردی کو نہ دیکھے اور جو کچھ کر رہا ہے اس فعل کو اپنی طرف منسوب نہ کرے اور یوں نہ کہے کہ یہ میں کرتا ہوں۔"

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَااَحْسَنَ مَاقَالَ الشَّیْخُ "نہایت اچھا بیان فرمایا شیخ نے:

وَلٰکِنَّ الْفُتُوَّةُ عِنْدِیْ اَدَاءُ الْاِنْصَافِ وَتَرْکُ مُطَالَبَةِ الْاِنْصَافِ.

"لیکن میرے نزدیک فتوۃ نام ہے انصاف کا حق ادا کرنا اور اپنے لیے طلب انصاف کو ترک کرنا"۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قُوْمُوْا اَصْحَابَنَا فَقَدْ زَادَ اَبُوْحَفْصٍ عَلٰی اٰدَمَ وَذُرِّیَّتِہٖ.

"اے میرے یارو! کھڑے ہو جاؤ، ابوحفص جوانمردی میں آدم (علیہ السلام) اور آدم کی اولاد سے بڑھ گیا۔"

آپ کی ابتداء توبہ کا حال یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ شہر نیشاپور میں ایک جادوگر یہودی ہے اس کے ذریعہ سے تمہارا مقصد حل ہو جائے گا۔ حضرت ابوحفصؒ اس کے پاس آئے اور سب حال سنایا۔ یہودی نے کہا چالیس روز کے لیے نماز چھوڑنی ہوگی اور اپنے تمام ذکر و اذکار نیک نیتی کے اعمال دل اور زبان سے ترک کرنے ہوں گے تو مَیں جو افسوں کروں گا وہ تیری کامیابی میں پورا ہوگا۔

آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب چالیس دن گزر گئے یہودی نے اپنا منتر کیا لیکن آپ کی مراد پوری نہ ہوئی تو یہودی کہنے لگا آپ نے تمام باتیں میری ہدایت کے موافق پوری نہیں کیں، آپ کچھ نہ کچھ کرتے رہے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابوحفصؒ نے فرمایا: اپنے اعمالِ ظاہری میں نے سب ترک کر دیئے لیکن میرا ضمیر جوملامت کرتا رہا وہ علیحدہ بات ہے یا ایک روز جس راستہ سے میں آ رہا تھا وہاں ایک پتھر پڑا ہوا تھا اسے میں نے راستہ سے علیحدہ کر دیا تھا تا کہ اس سے کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔

یہودی نے کہا ابوحفصؒ! لوگوں کی ایذا رساں چیز کو تم نے ہٹایا، اور اپنے ربّ کو غضبناک کیا اور چالیس روز اس کا حکم ضائع کر دیا۔ اگر تو اپنے ربّ کو غضبناک نہ کرتا تو وہ تجھے اس لونڈی کی مہاجرت کے رنج سے نجات دے دیتا۔

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت توبہ کی اور وہ یہودی بھی مشرف باسلام ہو گیا۔ آپ لوہار کا کام کرتے تھے، آپ مقام باورد گئے اور حضرت عبداللہ باوردی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ جب واپس نیشاپور تشریف لائے، بازار میں ایک نابینا کو دیکھا کہ تلاوتِ کلام پاک کر رہا ہے، آپ اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے اس کی تلاوت سن رہے تھے کہ آپ پر وجد طاری ہوا اور حالتِ جذب میں بغیر سنداسے کے، سرخ لوہا بھٹی سے ہاتھ میں لے لیا۔ جب شاگردوں نے یہ حال دیکھا تو حواس باختہ ہو گئے۔ جب آپ کی کیفیت وجدانی فرو ہو گئی اور ہوش میں آئے تو کسب معاش سے ہاتھ اٹھا لیا اور دکان چھوڑ دی۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

تَرَكْتُ الْعَمَلَ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلَيْهِ ثُمَّ تَرَكَنِي الْعَمَلُ فَلَمْ اَرْجِعْ اِلَيْهِ.

''میں نے کسب معاش چھوڑا، پھر اس کی طرف رجوع ہوا، پھر کسب نے مجھے چھوڑا تو اب میرا اس کی طرف رجوع نہیں۔''

اس لیے کہ جو چیز بندہ اپنے ارادہ سے ترک کرے وہ ترک کرنا بہتر نہیں، اس لیے کہ یہ صحیح اصول ہے کہ ہر کسب محل آفت ہے اور یہ بہتر نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلا قصد و ارادہ غیب سے وہ چیز ترک ہو اور ہر موقع پر اختیارِ بندہ اس سے متصل نہ رہے اس لیے کہ لطیفہ حقیقت اس ارادہ کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے۔

تو کسی کا ترک و اخذ بندہ کی طرف سے بالکل درست نہیں اس لیے کہ عطا و زوال درحقیقت منجانب اللہ ہے تو پھر جو عطا آئے تو حق کی طرف سے اسے لے اور جب زوال آئے تو ترک کر دے۔

جب اس حال میں صوفی ہو جاتا ہے تو وجود اخذ و ترک منجانب اللہ ہو جاتا ہے نہ یہ کہ بندہ کی طرف سے ہو کہ بندہ اپنی کوشش سے اس کا لینے والا بنے یا دفع کرنے والا۔ تو اگر ہزار سال

Marfat.com

مرید قبولِ حق میں کوشاں رہے تو اتنا نہیں ہوسکتا کہ ایک لحہ بھی اس کا قبولیت حق کے ساتھ مانا جائے اس لیے اقبال لایزال قبولیتِ ازلی کے ساتھ بستہ ہے اور سرورِ سرمدی سعادتِ سابقہ ازلیہ سے پیوستہ اور بندہ کو اخلاص وخلوص کے سوا چارہ نہیں، تو وہ بندہ محبوبِ بارگاہ ہے جو تمام اسبابِ مسبب کی مشیت پر چھوڑ دے۔

حضرت ابو صالح حمدون رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے قدوۂ اہلِ ملامت حضرت ابو صالح حمدون ابن احمد بن عمار القصار رضی اللہ عنہ ہیں۔ قدماء مشائخ میں متورع اور فقہ کے اندر خاص درجہ کے مالک تھے، آپ کا سلسلہ نوری تھا اور حضرت ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت علی نصر آبادی کے مقربوں میں سے تھے۔ آپ کے نہایت دقیق رموز اور اعمال میں آپ کا کلام دقیق مشہور ہے اور مجاہدات میں اتنے منصب بلند پر تھے کہ نیشاپور کے ائمہ ومشائخ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ممبر پر جلوہ فرما ہوں اور لوگوں کو وعظ کریں تاکہ آپ کے کلام سے لوگوں کے دلوں میں فائدہ پہنچے۔

آپ نے فرمایا مجھے وعظ کہنا روا نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ ابھی میرا دل دنیا اور جاہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ میرا کلام بے فائدہ ہے اور لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں کرے گا اور جو کلام دلوں پر اثر پذیر نہ ہو وہ علم کے استخفاف کا موجب ہے اور شریعتِ مطہرہ کا استہزاء کرنا ہے۔ کلام کرنا اس کے لیے مسلّم ہے کہ خاموشی اس کی دین میں داخل ہو اور جب بولے تو جتنا خلل ہو مٹ جائے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ سخن سلف صالحین کس لیے دلوں کے واسطے بہت مفید ہیں آج کل کی باتیں کرنے سے۔ آپؒ نے فرمایا:

لِاَنَّهُمْ تَكَلَّمُوْا لِعِزِّ الْاِسْلَامِ وَ نَجَاةِ النُّفُوْسِ وَرِضَاءَ الرَّحْمٰنِ
وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ لِعِزِّ النَّفْسِ وَ طَلَبِ الدُّنْيَا وَ قُبُوْلِ الْخَلْقِ.

''اس لیے کہ وہ کلام فرماتے تھے اعزازِ اسلام کے لیے اور نفسوں سے نجات کے لیے اور رضاء الٰہی حاصل کرنے کو اور ہم بولتے ہیں نفس کے اعزاز کی خاطر اور طلبِ دنیا کے لیے اور لوگوں میں مقبولیت پیدا ہونے کی غرض سے''۔

تو جو کلام موافقتِ حق کے لیے ہو وہ حق کی مدد کے ساتھ ہوتا ہے، اس میں رعب و داب ہوتا ہے اور اشرار پر اثر کرتا ہے اور جو کلام اپنی موافقت کے لیے ہو اس میں ذلت وخواری ہے اور اس کا فائدہ کچھ نہیں، ایسے بولنے سے نہ بولنا بہتر ہے اس لیے کہ ایسا بولنے والا اپنے لفظوں سے خود بیگانہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ باوقار، مشرف خواطر و اسرار حضرت ابو سری منصور بن عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ اکابر مشائخ سے گزرے ہیں اور اہل عراق کے ہم صحبت اور اہلِ خراساں میں مقبول الکلام واعظ تھے۔ آپؒ کے بیان لطیف کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ اثنائے تقریر میں فنون و علوم و روایات درایات، احکام و معاملات کے دریا موجزن ہوتے تھے بلکہ بعض اہل تصوف نے تو آپ کی تعریف میں بہت ہی مبالغہ کیا ہے۔

آپ کے ذکر میں ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ اَوْعِيَةَ الذِّكْرِ وَ قُلُوْبَ الزَّاهِدِيْنَ اَوْعِيَةَ التَّوَكُّلِ وَ قُلُوْبَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ اَوْعِيَةَ الرِّضَا وَقُلُوْبَ الْفُقَرَاءِ اَوْعِيَةَ الْقَنَاعَةِ وَ قُلُوْبَ اَهْلِ الدُّنْيَا اَوْعِيَةَ الطَّمَعِ .

"اس کے وجہ منیر کو پاکی ہے جس نے عرفاء کے قلوب کو ذکر کا برتن بنایا اور زاہدوں کے دلوں کو ظرف توکل کیا اور متوکلین کے قلوب کو منبع رضاء بنا دیا اور درویشوں کے ضمیر کو محلِ قناعت قرار دیا اور دنیا داروں کے دلوں کو طمع کا برتن کیا"۔

اس میں عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو حساس بنایا اور اس میں معنی متجانس رکھے، چنانچہ ہاتھوں کو محل بطش و گرفت بنایا، پیروں کو چلنے کے کام کا آلہ قرار دیا، آنکھوں کو دیکھنے کے لیے پیدا کیا، کانوں کو سماعت کے واسطے مخصوص بنایا اور زبان کو بولنے کے لیے رکھا۔

اور ان اعضاء کے اسماء خلقی میں اور وہ افعال جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں، ان میں کوئی زیادہ خلاف نہیں رکھا بلکہ ہر جگہ ہر عضو ایک کا اپنے کام میں یکساں ہی ہے مگر دل ایک ایسی چیز پیدا فرمائی کہ ہر ایک کے اندر وہی دل ہے مگر اس میں مختلف ارادے اور مختلف خواہشات ہیں۔ ایک دل ظرف عرفان بنایا تو ایک دل منبع ضلالت کر دیا۔ ایک دل میں قناعت ڈال دی تو ایک دل کو اوعیہ سمعہ وریا کر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے وہ مخلوق جس سے خلاقِ عالم کی صنعت کمال تعجب خیز ظاہر ہو، سوا دل کے نظر نہیں آتی۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اَلنَّاسُ رَجُلَانِ عَارِفٌ بِنَفْسِهٖ فَشُغْلُهٗ فِي الْمُجَاهَدَاتِ وَالرِّيَاضَةِ وَعَارِفٌ بِرَبِّهٖ وَشُغْلُهٗ بِخِدْمَتِهٖ وَ عِبَادَتِهٖ وَ مَرْضَاتِهٖ.

Marfat.com

''لوگوں میں دوگروہ ہیں: یا بخود عارف ہیں یا بحق عارف ہیں، وہ لوگ جو بخود عارف ہیں ان کا مشغلہ مجاہدہ وریاضت ہے اور وہ لوگ جو بحق عارف ہیں ان کا مشغلہ خدمت وعبادت وطلبِ رضا ہے''۔

تو عارفانِ بخود کی عبادت ریاضت ہوئی اور عرفانِ بحق کی عبادت ریاست ہوئی۔ پہلا اس لیے عبادت کررہا ہے کہ درجہ حاصل کرے دوسرا اس لیے عبادت کرتا ہے کہ عطا شدہ نعمت کا شکر گزار رہے۔

فَشَتَّانَ مَابَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ ''تو دونوں کے منازل ومقام میں بڑا فرق ہے''۔یعنی عارف بخود وہ بندہ ہے جو مجاہدہ پر قائم ہے اور عارف بحق وہ بندہ ہے جو مشاہدہ میں محو ہے۔آپ ہی سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اَلنَّاسُ رَجُلَانِ مُفْتَقِرٌ اِلَى اللّٰهِ فَهُوَ فِىْ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ عَلٰى لِسَانِ الشَّرِيْعَةِ وَاٰخَرُ لَايَرَى الْاِفْتِقَارَ بِمَا عَلِمَ مِنْ فَرَاغِ اللّٰهِ مِنَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَالْحَيَاةِ وَالسَّعَادَةِ وَالشَّقَاوَةِ فَهُوَ فِىْ اِفْتِقَارِهٖ اِلَيْهِ وَاسْتِغْنَائِهٖ بِهٖ.

''لوگ دو قسم کے ہیں: ایک نیاز مند بخدا، یہ نہایت اعلیٰ وارفع درجہ والے ہیں اور شریعتِ مطہرہ نے بھی انہیں بلند درجہ کہا۔ دوسرے وہ ہیں جو اپنی نیاز مندی اور حاجت کو نہیں دیکھتے اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں مخلوق کے رزق، اجل، حیات، شقاوت، سعادت سب مقدر کردی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔تو وہ گروہ اپنی حوائج میں حاجات کا محتاج ہوا اور یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے مستغنیٰ''۔

یعنی پہلا گروہ عین افتقار میں محجوب ہوا مقادیرِ اللہ سے۔دوسرا گروہ اپنی حاجتوں سے مستغنیٰ ہوکر اللہ کے ساتھ غنا ومشاہدہ میں ہوا۔تو پہلا گروہ نعمت کے ساتھ ہوا دوسرا گروہ منعم نعمت کے ساتھ۔ پہلا گروہ مشاہدۂ نعمت میں اگرچہ غنی ہے مگر فقیر ہے، دوسرا گروہ مشاہدۂ منعم میں اگرچہ فقیر ہے مگر غنی ہے۔

حضرت احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے ممدوحِ اولیاء، قدوۂ اہلِ رضا حضرت ابوعبداللہ احمد بن عاصم انطاکی رضی اللہ عنہ ہیں۔اعیانِ قوم اور سادات قبائل سے گزرے ہیں۔علومِ شریعت کے بہترین عالم اصول و

Marfat.com

فروع میں اعلیٰ ماہر تھے، نہایت دراز عمر پائی۔ قدماء مشائخ کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ اتباع تابعین کو دیکھا اور ہمعصرِ بشر حافی اور سرّی سقطی رضی اللہ عنہما تھے، حضرت حارث محاسبیؒ کے مرید تھے۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ کی بھی آپ نے زیارت کی اور ان کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے، آپ اکثر زبانوں میں ستودہ تھے، آپ کا کلام بہت بلند مانا گیا ہے۔ آپ کے لطائف نہایت شافی ہیں۔ علم طریقت میں آپ ماہر گزرے ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَنۡفَعُ الۡفَقۡرِ مَا کُنۡتَ بِہٖ مُتَجَمِّلًا وَ بِہٖ رَاضِیًا.

''نافع ترین فقر وہ ہے جس سے تُو جمال پائے اور اپنے جمیل کے ساتھ راضی رہے''۔

یعنی مخلوقات کا جمال وجودِ اسباب میں ہے اور فقیر کا جمال نفی اسباب اور اثباتِ مسبب میں اور اسی کی طرف رجوع رہ کر اس کے احکام پر راضی رہنے میں۔ اس لیے کہ فقر فقدانِ سبب کا نام ہے اور غنا، وجودِ سبب کو کہتے ہیں۔ تو فقیر بلا سبب حق کے ساتھ ہے اور جہاں سبب ہے وہاں وجود خودی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سبب محل حجاب ہے اور ترکِ سبب محل کشف و جمال دو جہاں، اور کشف میں رضاء ہے۔ سخط و غضب میں تمام عالم حجاب میں ہے اور یہ بیان فضیلتِ فقر میں واضح ہے۔

حضرت ابو محمد عبداللہ خبیق رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سالکِ طریق تقویٰ، اندرامت بزہد یحییٰ حضرت ابو محمد عبداللہ بن خبیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ زہادِ قوم میں سے گزرے ہیں اور ہر معاملہ میں اعلیٰ متورع تھے، آپؒ سے بہت روایات ہیں اور آپ فن حدیث میں مشہور ہیں، آپ کا مسلک فقہ میں مسلکِ ثوری تھا اور معرفت و حقیقت میں ماہر تھے۔

اور آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زیارت کی اور ان کے فیضِ صحبت میں رہے۔ آپ کے مضامین قال وعمل میں نہایت لطیف ہیں۔ آپ کا ایک ارشاد ہے:

مَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّکُوۡنَ حَیًّا فِیۡ حَیٰوتِہٖ فَلَا یُسۡکِنُ الطَّمَعَ فِیۡ قَلۡبِہٖ.

''جو چاہتا ہے کہ دنیاوی زندگی میں زندہ ہو جائے اسے کہو کہ وہ اپنے دل کو مسکنِ طمع نہ بنائے تا کہ کل ماسویٰ اللہ سے آزاد ہو''۔

اس لیے کہ طماع ہمیشہ مردہ ہوتا ہے اور اپنے طمع کی قید میں مقید۔ تو جس دل میں طمع ہے وہ دل ایسا ہے جس پر مہر لگی ہو اور لازمی ہے کہ جو دل مختوم یعنی مہر شدہ ہے وہ یقیناً مردہ ہے۔

Marfat.com

سبحان اللہ! دل وہی دل ہے جو ماسویٰ اللہ سے مردہ ہو اور اپنے ربّ کی محبت میں زندہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے لیے عزت و ذلت پیدا فرمائی ہے اور اس کی یاد سے جو دل معمور ہے اسے دل کی عزت گردانا اور جس میں طمع ہے اسے دل کی ذلت قرار دیا۔ جیسا آپؒ نے فرمایا ہے:

خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْقُلُوْبَ مَسَاکِنَ الذِّکْرِ فَصَارَتْ مَسَاکِنَ الشَّھَوَاتِ وَلَا یَمْحُوا الشَّھَوَاتِ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَّاخَوْفٌ مُّذْعِجٌ اَوْشَوْقٌ مُّقْلَقٌ.

''اللہ تعالیٰ نے دلوں کو مساکنِ ذکر بنایا تھا مگر جب نفسِ امارہ کی صحبت کا اثر پڑا، مسکنِ شہوت بن گیا۔ اب اس دل کو کوئی چیز شہوات سے پاک نہیں کرسکتی مگر وہ خوف جو مضطر کر دے یا وہ شوق جو آرام بھلا کر قلق پیدا کر دے۔''

تو خوف اور شوق دو ستون ہوئے ایمان کے، جیسے دل محل ایمان ہے اور اس کے قرین قناعت و ذکر ہیں نہ کہ طمع اور غفلت۔ تو قلبِ مومن طماع اور تابع شہوات نہیں ہوسکتا۔ اس لیے طمع و شہوت کا نتیجہ وحشت ہے جو دل کو متوحش کر کے ایمان سے بے خبر کر دیتی ہے اور ایمان کو اُنس بحق لازمی ہے اور وحشت کو اُنس غیر حق کے ساتھ ضروری۔ جیسا کہ کہا ہے کہ: اَلطَّمَّاعُ مُتَوَحِّشٌ مِّنْهُ کُلُّ وَاحِدٍ. ''طماع کی صحبت سے ہر ایک وحشت زدہ ہو جاتا ہے''۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ:

انہیں میں سے شیخ طریقت، امامِ شریعت ابو القاسم حضرت جنید بن محمد بن جنید بغدادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مقبول اہل ظواہر وارباب قلوب تھے۔ علوم کے تمام فنون میں کامل اور اصول و فروع و معاملات وعبادات میں مفتی اعظم، اور امام اصحاب ثوری مانے گئے ہیں۔ آپ کے فرامین نہایت عالی ہیں اور آپ کا حال بدرجہ غایت کامل حتی کہ تمام اہلِ طریقت آپ کی امامت پر متفق ہیں اور کسی مدعی علم وتصوف کو آپ پر اعتراض نہیں۔

اور آپ حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں اور انہیں کے مرید ہیں۔ ایک روز حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کوئی مرید ایسا بھی ہے جس کا مرتبہ پیر سے بلند ہوگیا ہو، فرمایا: ہاں اس کے براہین ظاہر ہیں (یعنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے (اگرچہ یہ فرمان حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا بصورت تواضع تھا) اور آپ نے جو کچھ فرمایا اپنی بصیرتِ باطنی کے ذریعہ فرمایا، اس لیے کہ کوئی اپنے سے اوپر والے کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ دیدار کا تعلق تحت سے ہے۔ بناء برایں آپ نے یعنی

Marfat.com

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ انہیں دیکھا اپنی نظر میں بلند دیکھا مگر یقیناً اپنے درجہ سے یہ دیکھنا نیچے ہی درجہ کا دیکھنا ہوگا۔

اور مشہور ہے کہ زمانہ حیاۃ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بن محمدؒ سے عرض کی کہ ہمیں کچھ فرمایئے تاکہ ہمارے دل سکون و راحت پائیں۔ آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا جب تک میرے شیخ حضرت سریؒ جلوہ آرء مسند ظاہر ہیں، میں کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ایک رات خوابِ استراحت میں تھے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں: "جنید! لوگوں کو کچھ سنایا کر، اس لیے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔"

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ مَیں اپنے مرشد کے درجہ سے اتنا بلند ہو گیا ہوں کہ حضور ﷺ نے مجھے حکمِ دعوت فرمایا۔ جب صبح ہوئی حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید بھیجا اور حکم دیا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہوں تو کہو کہ میرے مریدوں کی درخواست تم نے رَد کر دی اور انہیں کچھ نہ سنایا، اشیاخِ بغداد نے سفارش کی اسے بھی تم نے رَد کر دیا، مَیں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمادۂ وعظ نہ ہوئے اب جبکہ پیغمبر عالم سید اکرم ﷺ کا حکم تمہیں ملا ہے لہٰذا اس حکم کی تعمیل کرو۔

حضرت جنید بن محمدؒ نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور! جو میرے دماغ میں افضلیت کا سَودا سمایا ہے وہ جاتا رہا ہے اور مَیں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کامل میرے تمام حالاتِ ظاہر و باطن سے مشرف ہے۔

اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند اور آپ یقیناً میرے اسرار پر مطلع ہیں اور مَیں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں اور اپنی اس غلطی سے استغفار کرتا ہوں جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی، حضور! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی۔ فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کے جمال سے خواب میں شرف حاصل کیا، مجھے جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ مَیں نے اپنے حبیب محمد ﷺ کو جنید کے پاس بھیجا کہ اُسے حکم دو تاکہ وہ وعظ کہے تاکہ اہل بغداد کی مراد برآئے۔

یہ حکایتِ دلیل واضح ہے کہ پیرانِ کامل ہر صورت میں مرید کے حالات پر واقف ہوتے

Marfat.com

ہیں۔آپ کے کلام بہت بلند ہیں اور رموز نہایت لطیف۔آپؒ سے مروی ہے کہ فرمایا:

كَلَامُ الْاَنْبِيَاءِ نَبَأٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَكَلَامَ الصِّدِّيْقِيْنَ اِشَارَةٌ عَنِ الْمُشَاهَدَةِ.

''کلامِ انبیاء کرام حضور کے ذریعے ہوتا ہے (یعنی وہ جو کچھ فرماتے ہیں آنکھوں دیکھی اور تفصیلی علم کے ذریعے ہوتا ہے) اور کلامِ صدیقین مشاہدہ سے ہوتا ہے۔''

یعنی ان کی صحتِ خبر محض مشاہدے پر ہے جو نظر ناظر سے ہوتا ہے اور اسی وجہ میں مشاہدہ تخیل سے ہے اور خبر سوائے آنکھ کے دیکھے نہیں جاسکتی اور اشارات سوائے غیر کے نہیں ہوتے۔

تو صدیقین کا مرتبہ کمال انبیاء کرام علیہم السلام کے ابتدائی مراتب کے برابر ہوتا ہے اور اس میں جو فرق ہے وہ واضح ہے اور یہ عقیدہ ملحدین کا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو فضیلت میں موئخر مانتے ہیں اور اولیاء کرام کو مقدم کہتے ہیں۔

آپ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ایک بار میرے دل میں خواہش ہوئی کہ ابلیس لعین کو دیکھوں۔مَیں ایک دن مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک بڈھا آیا اور دُور سے میری طرف دیکھا۔ جب مَیں نے اس کو دیکھا تو مَیں نے اپنے دل میں وحشت کا اثر محسوس کیا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا مَیں نے اس سے پوچھا: بڈھے! تو کون ہے کہ میری نظر اثرِ وحشت سے تجھے دیکھنے کی تاب نہیں لاتی اور تیری نحوست کی ہیبت کو میرا دل برداشت نہیں کرتا!! کہنے لگا کہ میں وہی ہوں جس کے دیکھنے کی آپ نے خواہش فرمائی تھی۔ میں نے کہا: ملعون! تجھے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ سے کس چیز نے روکا؟ بولا: جنید! آپ کا یہ خیال ہے کہ مَیں غیرِ خدا کو سجدہ کر لیتا۔حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: میں متحیر سا ہو گیا اور اس کا یہ کلام میرے ضمیر پر اثر پذیر ہوا ہی تھا کہ مجھے الہام ہوا:

قُلْ لَهُ كَذَبْتَ لَوْ كُنْتَ عَبْدًا مَّامُوْرًا مَّا خَرَجْتَ عَنْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِيْ فَصَاحَ وَقَالَ اَحْرَقْتَنِيْ بِاللّٰهِ وَغَابَ.

''اے جنید! اس خبیث کو کہہ دو کہ بے ایمان تو جھوٹا ہے، اگر تو بندہ تھا تو اپنے مالک کے حکم سے باہر نہ ہوتا اور اس کی نہی سے تقرب نہ کرتا۔شیطان نے یہ آواز میرے قلب کی سن لی اور ایک چیخ ماری اور بولا خدا کی قسم! اے جنید! تو نے مجھے جلا ڈالا اور نظر سے غائب ہو گیا۔''

یہ حکایت آپ کے تحفظِ عصمت پر خاص دلیل ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی خود

Marfat.com

نگرانی فرماتا ہے اور ہر حالت میں مکر ہائے شیطانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک واقعہ ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا ایک مرید کچھ بداعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب مَیں بھی کسی درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اعراض کر لیا۔ چند روز بعد اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا خیال حضرت جنید پر منکشف بھی ہوا یا نہیں۔ حضرت جنیدؒ اپنے نورِ فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب وہ مرید آیا، آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: کیسا جواب چاہتا ہے، الفاظ وعبارات میں یا حقیقت معنی میں؟ مرید نے عرض کی دونوں طرح۔ آپ نے فرمایا کہ عبارتی جواب تو یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کی بجائے اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔

اور معنوی جواب یہ ہے کہ مَیں نے تجھے منصب ولایت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور پکارا کہ حضور! راحتِ یقین میرے دل سے جاتی رہی۔ توبہ کرنے لگا اور پہلی بکواس سے ہاتھ اُٹھایا۔ اس وقت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تُو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیانِ اسرار ہوتے ہیں، تجھ میں ان کی ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پر ماری، وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اُس دن سے خاصانِ بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے بھی توبہ کی اور پختہ عہد کر لیا۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ المشائخ طریقت، امام ائمۂ شریعت، شاہِ اہل تصوّف، بَری از آفت تکلف حضرت ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت نیک عمل اور واضح کلام فرمانے والے اور مجاہدات میں نہایت عالی ظرف گزرے ہیں۔ تصوف میں آپ کا مسلک مخصوص ہے اور صوفیوں میں اسی وجہ سے ان کی جماعت کو "نوری" کہتے ہیں۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ متصوفین میں باعتبارِ مسلک بارہ (12) فرقہ ہیں۔ دو گروہ مردود ہیں اور دس گروہ مقبولِ بارگاہ ہیں۔ وہ بارہ فرقے یہ ہیں: (۱)

۱۔ ان میں سے دس فرقے شتاری فرقہ تک محققانِ اہل سنت و جماعت سے گزرے ہیں لیکن دو گروہ مردود ہیں ایک حلولی ہے جو حلول و امتزاج کا قائل ہے۔ از مترجم (یعنے اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے جسم میں حلول کرتا اور بندہ میں آ کر مل جاتا ہے) معاذ اللہ! اور اسی فرقہ سے وابستہ سالمی اور مشبہہ ہے (مشبہہ کا تو عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔۔)

Marfat.com

۱۔محاسبیاں	۲۔قصاریان	۳۔طیفوریاں	۴۔جنیدیان
۵۔نوریان	۶۔سہلیان	۷۔حکیمان	۸۔خرازیان
۹۔خفیفیان	۱۰۔شتاریان	۱۱۔حلولیان	۱۲۔حلاجیان

دوسرا فرقہ حلاجیان ہے جن کے نزدیک ترکِ شریعت اور الحاد موجب نجات ہے۔ یہ فرقہ بھی مردود ہے اور ان میں دو فرقہ اور ہیں ایک اباحتیان دوسرا فارسیان۔ ان کی تصریح اسی کتاب میں اپنے مقام پر تمہیں ملے گی۔

ان فرقوں کے عقائد اور ان کے فرق اور اختلاف کا بیان مفصل درج کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ لیکن حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ پاکیزہ ہے اور ترکِ مداہنت اور رفعِ مسامحت میں آپ نہایت سخت تھے اور ہمیشہ مجاہدات و ریاضات میں رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوا۔ مَیں نے دیکھا آپ صدر مقام پر تشریف فرما ہیں۔ میں نے کہا:

يَا اَبَا الْقَاسِمِ غَشَّيْتَهُمْ فَصَدَّرُوْكَ وَ نَصَحْتُهُمْ فَرَمَوْنِىْ بِالْحِجَارَةِ.

''اے بوالقاسم! تم نے ان سے حق چھپایا تو انھوں نے تمہیں صدر نشین بنا لیا اور مَیں نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے مجھے پتھروں سے مارا''۔

اس لیے کہ مداہنت کو خواہشاتِ نفسانی سے موافقت ہے اور حق گوئی اور نصیحت کو مخالفت۔ اور آدمی اس چیز کا دشمن ہے جو اس کی خواہشات کے مخالف ہو اور اس کا دوست ہے جو اس کے ہوائے نفسانی کے موافق ہو۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیقِ خاص تھے اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید۔ اور آپ نے بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کی اور ان کی صحبت میں رہے اور آپ نے حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پایا۔

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

اور وہ جسم ایسا ہے کہ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی، اور فرقہ سالمیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالےٰ صورتِ انسانی میں جلوہ فرما ہوگا اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں (معاذ اللہ) ظہور کرے گا اور تمام مخلوقات کے لیے قیامت کے دن جن وانس اور ملائکہ اور حیوانات کی شباہت میں ظہور کرے گا اور ہر ایک کے ساتھ ایک خاص صفت ہوگی، حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تشبیہ و شباہت سے منزہ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر۔ از غنیۃ الطالبین (مترجم غفرلہٗ)

Marfat.com

فن تصوف میں آپ کے اشارات نہایت لطیف ہیں اور آپ کے اقوال نہایت پیارے اور جمیل، فنون میں آپ کے نکات عالی مشہور ہیں۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ تَفْرِقَةٌ عَنْ غَيْرِهٖ وَتَفْرِقَةٌ عَنْ غَيْرِهٖ جَمْعٌ بِهٖ .

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنا غیر سے مفارقت ہے اور غیر اللہ سے علیحدہ ہونا اللہ سے ملنا ہے۔''

یعنی جس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمعیت خاطر حاصل کرلے تو غیر خدا سے وہ قطعاً علیحدہ ہے اور اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنا اندیشۂ مخلوق سے جدا ہو جاتا ہے۔ تو جب مخلوقات سے اعراض صحیح ہو جائے تو اقبال بحق درست ہوگا اور یہ مسلم امر ہے کہ اقبال بحق درست ہونے کی صورت میں ضِدَّانِ لَایَجْتَمِعَانِ ''دو ضدیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں''۔

بقول مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیالست ومحالست و جنوں (از مترجم)

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت ابوالحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بار ایک مکان میں تین روز تک متواتر شور کرتے رہے۔ لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ فوراً اُٹھے اور تشریف لائے اور فرمایا: اے ابوالحسن! اگر تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس بے نیازی کے ساتھ شور کرنا فائدہ مند نہیں ہے تو اپنے دل کو رضا و تسلیم کے محور پر لاؤ تا کہ تمہارا دل خوش وخرم رہے۔

حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی اس ہدایت پر خاموش ہوئے اور فرمانے لگے ابوالقاسم! تم میرے بہترین استاد ہو۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَعَزُّ الْاَشْيَاءِ فِیْ زَمَانِنَا شَيْئَانِ عَالِمٌ يَّعْمَلُ بِعِلْمِهٖ وَعَارِفٌ يَّنْطِقُ عَنْ حَقِيْقَتِهٖ.

''ہمارے زمانے میں محبوب ترین دو چیزیں ہیں ایک وہ عالم جو اپنے علم پر عامل ہو، دوسرا وہ عارف جو حقائق راز اپنے کلام میں بیان کرے''۔

یعنی ہمارے زمانہ میں علم و معرفت دونوں محبوب ہیں اس لیے کہ علم بے عمل علم نہیں اور عرفان بے حقیقت عرفان نہیں۔

Marfat.com

اس بیان میں حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کا پتہ دیا اور حقیقتاً ان کے وقت تک ہمیشہ یہ دونوں چیزیں محبوب رہیں۔

آج کے دن بھی اگر چہ یہ دونوں چیزیں عزیز ہیں مگر اب یہ بات ہے کہ جو شخص کسی عالم کی یا عارف کی تلاش میں مشغول ہو تو اس کے لیل ونہار پراگندہ ہو جائیں گے، مگر اُسے عارف و عالم نہیں ملے گا۔ آج کے دن طالب کو چاہیے کہ خود جدوجہد میں مشغول ہو اور اپنے ربّ کی طرف رجوع کرے تا کہ اسے عالم میں عالم وعارف ہی نظر آئیں اس لیے کہ عالم وعارف اسے عزیز ہے اور عزیز شے بمشکل ملتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شے عزیز الوجود ہو اس کی تلاش میں پریشان ہونا تضیع اوقات کرنا ہے۔ تو پھر جب اس نے علم ومعرفت اپنے میں طلب کی تو گویا اس نے حقیقت ومعرفت اپنے اندر پائی۔ لہٰذا یہی طریقہ بہترین ہے کہ فی زمانہ خود جدوجہد کرے اور اپنے ربّ سے اس درجہ کی طلب کرے۔

آپ ہی سے مروی ہے کہ فرمایا:

مَنْ عَلِمَ الْاَشْیَاءَ بِاللّٰہِ فَرُجُوْعُہٗ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ اِلَی اللّٰہِ.

"جو حقائقِ اشیاء تقربِ الٰہی سے جانے، تو تمام اشیاء کی طرف جو اس کا رجوع ہے، وہ خالقِ اشیاء کی طرف ہے نہ کہ اشیاء کی طرف۔"

اس لیے کہ وجودِ ملک اور ظہور ملک، مالک پر موقوف ہے۔

تو عارف کی راحت رویت مکون پر ہے نہ کہ کون پر۔ اس لیے کہ اگر اشیاء کو علتِ افعال جانے گا ہمیشہ رنجور وغمگین رہے گا، اور ہر شے کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے شرک ہوگا اس لیے کہ یہ اشیاء کو سبب فعل جانتا ہے اور سبب اپنے آپ کبھی قائم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مسبب کے ماتحت ہوتا ہے، تو جب مسبب الاسباب ہی خالق اسباب ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا مشاغل ماسوی اللہ سے نجات دلاتا ہے۔

ابوعثمان حضرت سعید بن اسماعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے مقدم سلف از سلف خود خلف ابوعثمان حضرت سعید بن اسماعیل حیری رضی اللہ عنہ ہیں۔ قدماء واَجلہ صوفیاء سے گزرے ہیں اور اپنے زمانہ میں فرد فرید تھے اور اہل دل آپ کو منصب رفیع پر مانتے تھے۔ آپ کی ابتدائے صحبت حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔ اس زمانہ میں ایک مدت تک حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بھی رہ چکے ہیں اور انہیں کے ہمراہ نیشاپور آئے اور حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اور انہیں کی خدمت

Marfat.com

میں بقیہ عمر پوری فرمائی۔

آپ سے حکایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میرا دل ہمیشہ سے طلب حقیقت کی طرف راجع تھا اور بچپن ہی سے مجھے اہلِ ظواہر سے نفرت تھی۔تو میں سمجھتا تھا کہ اس ظاہری عمل کے سوا جس پر عوام لگے ہوئے ہیں، شریعتِ مطہرہ میں ضرور کوئی خاص راز بھی ہوگا۔آخرش میں اپنے مقصود کو پہنچا۔

وہ اس طرح کہ ایک روز یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں میرا گزر ہوا،مَیں ان سے ملا اور ان کی فیضِ صحبت سے جس راز کی مجھے تلاش تھی وہ مجھے حاصل ہوگیا۔میں نے ان کی صحبت میں رہنا پسند کیا۔پھر ایک جماعت شاہ شجاع ؒ کے پاس سے آئی،اس نے ان کے فضائل مجھے سنائے مگر میں نے اپنے دل کا رجحان اسی طرف پایا۔غرضیکہ ''رے'' سے ''کرمان'' آیا اور شاہ شجاعؒ کی خدمت میں رہنا چاہا۔انہوں نے مجھے رہنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا تیرا دل رجاء پروردہ ہوچکا ہے،تو نے یحییٰ بن معاذؒ کی صحبت پائی ہے اس کا مقام رجاء ہے اور جس نے مقامِ رجاء حاصل کرلیا ہو وہ طریقت نہیں پاسکتا۔اس لیے کہ پیروی رجاء سے سُستی کا پھل ملتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے بہت تضرع وزاری کی اور بیس دن تک اُن کے دَر پر پڑا رہا۔آخر کرم فرمایا اور مجھے قبول کیا اور فیضِ صحبت سے مستفیض فرمایا۔ایک مدت تک اُن کی خدمت میں رہا۔بڑے زبردست مردِ غیور تھے۔آپ کا ارادہ نیشاپور میں آکر حضرت ابوحفصؒ کی زیارت کرنے کا ہوا تو مَیں بھی آپ کے ہم رکاب آیا۔جس روز شاہ شجاعؒ،حضرت ابوحفص حدادؒ کے یہاں آئے، قبا پہنے ہوئے تھے۔

حضرت ابوحفصؒ نے شاہ شجاع ؒ کو دیکھتے ہی قیام فرمایا اور استقبال کے لیے آگے بڑھے اور فرمایا: وَجَدْتُ فِی الْقَبَاءِ ماطَلَبْتُ فِی الْعَبَاءِ ''قباء میں وہ چیز میں نے پائی جو میں عباء میں مانگ رہا تھا''۔میں ایک مدت تک وہاں رہا،میری وابستگی یہاں ہوگئی لیکن شاہ شجاعؒ کے دبدبہء ولایت نے ان کی صحبت میں زیادہ دیر رہنے سے مجھے روک دیا۔حضرت ابوحفصؒ فراستِ ولایت سے میری دلی مرضی کو دیکھ رہے تھے اور درحقیقت میں تضرع وزاری کے ساتھ جناب باری میں دست بدعا تھا کہ مجھے ابوحفصؒ کی صحبت اس طرح میسر ہو کہ شاہ شجاعؒ مجھ سے آزردہ نہ ہوں۔

غرضیکہ وہ دن جس دن شاہ شجاع ؒ کا قصد واپسی کا ہوا تو مَیں نے اُن کی پیروی میں کپڑے پہنے مگر میرا دل ابوحفصؒ کے پاس ہی تھا کہ روانہ ہونے لگے تو حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت اس بچے کو خوشی سے میری دلبستگی کے

Marfat.com

لیے چھوڑ دیں کہ مَیں اسے محبوب رکھتا ہوں۔

حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اَجِبِ الشَّیۡخَ ''شیخ کے حکم کی تعمیل کر'' اور تشریف لے گئے۔ میں بخوشی یہاں رہ گیا۔

اب مَیں نے ان کی صحبت میں جو جو عجائبات دیکھے (وہ قابل بیان نہیں بس اتنا سمجھ لو کہ) اللہ تعالیٰ نے انہیں مقامِ شفقت فرمایا تھا۔ خداوند کریم نے حضرت ابوعثمان ؒ کو تین پیروں کے ذریعہ تین مقامات سے عبور کرایا اور یہ تینوں لطیفے ان تین پیروں کے ذریعہ انہیں ملے۔ مقام رجاء حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے، مقام غیرت صحبتِ حضرت شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اور مقامِ شفقت حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرید پانچ یا چھ یا اس سے بھی زائد مرشدوں کے ذریعے منزل رسیدہ ہو سکے اور ہر پیر کی صحبت علیحدہ علیحدہ اس کے ایک مقام کی کشف کے لیے ہو۔

مگر بہترین اخلاص کا مقتضٰی یہ ہے کہ اپنے پیر کو اپنی ترقیٔ مقامات میں محدود کر کے اس کی شان نہ گھٹائے اور یہ نہ سمجھے کہ میرے پیر کی قوت کا انتہیٰ یہیں تک تھا۔ بلکہ یوں کہے کہ اُن کے دَر سے میری قسمت میں اتنا ہی حصہ تھا، اس سے زائد نہ تھا اور میرا مرشد اس سے کہیں زیادہ درجہ ورتبہ کا مالک ہے اور یہی ادب کا مقتضٰی ہے۔ اس لیے کہ راہِ حق میں جو منزل تک پہنچ چکے ہیں انہیں کسی مقام اور حال سے کام نہیں رہتا۔

اور اظہارِ حقائق تصوف کے سبب نیشاپور اور خراسان میں حضرت جنیدؒ اور حضرت رویمؒ اور حضرت یوسف بن الحسینؒ اور حضرت محمد بن فضل بلخی ؒ ہوئے کہ ان کے فیضِ صحبت سے استفادہ کیا اور یہ لوگ اپنے فن میں زبردست دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کے برابر مشائخ میں مَیں نے قوتِ باطنی نہیں دیکھی۔ نیشاپور کے لوگوں نے حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کے لیے منبر لگایا اور انہوں نے تصوف کی تعلیم لوگوں میں پھیلائی۔ ان کی کتابیں نہایت اعلیٰ درجہ کے تصوف میں ہیں اور فنِ تصوف میں ان کی روایات بہت یقینی ہیں!

اُن سے مذکور ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

حَقٌّ لِمَنۡ اَعَزَّهُ اللّٰهُ بِالۡمَعۡرِفَةِ اَنۡ لَّا يَذِلَّهُ بِالۡمَعۡصِيَةِ.

''اللہ تعالیٰ کے لیے یہی زیبا ہے کہ جسے اپنے جامِ عرفان سے سرشار کردے اور اپنی معرفت کی عزت سے نوازدے اُسے معصیت کے ساتھ ذلیل نہ کرے''۔

Marfat.com

اور اس مرتبہ کا تعلق کسب بندہ پر ہے اور اس کے مجاہدۂ دوامی پر اور امور حقہ کی رعایت کرنے پر، لیکن حضرت سعید بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے منقولہ فرمان کے مطابق جب یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے کہ جب کسی کو اپنی معرفت کے ساتھ نواز دے تو معصیت سے اسے خوار نہ کرے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا: معرفت عطائے حق پر موقوف ہے اور معصیت منتسب الی العبد ہے۔

تو جب کسی کو بعطاء الٰہی اعزازِ عرفان مل گیا تو محال ہوگا کہ وہ بندہ اپنے کسی بُرے فعل کے ساتھ ذلیل ہو۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام، کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کیفِ عرفان سے نوازا اور تاجِ معرفت بخشا تو محض ذلتِ آدم کے ذریعہ انہیں ذلیل نہیں فرمایا۔

ابوعبداللہ حضرت احمد بن یحییٰ بن الجلال رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سہلِ معرفت، قطب محبت ابوعبداللہ حضرت احمد بن یحییٰ بن الجلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ قوم کے سردار ساداتِ وقت سے گذرے ہیں۔ آپ کا طریقہ نہایت نیک اور آپ کی سیرت نہایت پاکیزہ۔ مصاحب جنید بغدادی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالحسن نوریؒ اور ایک جماعت کبرا مشائخ کی زیارت کیے ہوئے ہیں۔ آپ کا کلام نہایت بلند ہے۔ آپ کے اشارات بہت لطیف ہیں حقائقِ معنی کے بیان میں آپ مخصوص تھے۔ آپؒ سے مروی ہے کہ فرمایا:

هِمَّةُ الْعَارِفِ اِلٰی مَوْلَاهُ فَلَمْ يَعْطِفْ عَلٰی شَیْءٍ سِوَاهُ .

''عارف کے تمام ارادے اور قوتیں اس کے مولا کی طرف موقوف ہیں تو ہرگز وہ اپنے مولا کے حکم بغیر کسی طرف رجوع نہیں ہوتا۔''

اس لیے کہ عارف کو معرفت کے بغیر کچھ معلوم نہیں اور عارف کا سرمایۂ ضمیر معرفت ہی ہے اور اس کے ضمیر کا مقصود رویت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے کہ ہمت وتخیل کی پراگندی رنج وغم کا پھل دیتی ہے اور رنج وغم انسان کو بارگاہِ خاص سے روک دیتا ہے۔

آپ سے ایک حکایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دن مَیں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا۔ وہ جوان آتش پرست تھا۔ مَیں اس کے جمال کو دیکھ کر متحیر ہوگیا اور اس کے سامنے کھڑا ہوگیا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ میری طرف سے گزرے۔ مَیں نے عرض کی حضور! کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی آگ میں جلا دے گا؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

''صاحبزادے! یہ چند لمحاتِ زندگی کی گرم بازاری ہے جس نے تجھے اس خیال میں پھانسا ہے، تو ان چیزوں کو بنظر عبرت نہیں دیکھتا، اگر بنظرِ عبرت دیکھے تو ہر ذرہ میں ایسے ہی عجائبات موجود ہیں لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا

Marfat.com

ہے کہ تو ضرور اس چہ میگوئی اور بے حرمتی میں معذب ہوگا۔"

حضرت جنید ؒ تو یہ فرما کر تشریف لے گئے اور مجھ پر یہ عذاب آیا کہ کیفِ قرآنی مجھ سے فراموش ہوگیا۔ کئی سال بحضور عزوجل توبہ کرتا رہا، تو کہیں جا کر وہ بلا دفع ہوئی اور اب میری ہمت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز پر التفات کروں یا اپنے وقت کو بنظر عبرت بھی موجودات میں ضائع کروں۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

حضرت رویم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے وحید العصر، امام الدہر حضرت محمد رویم بن احمد رضی اللہ عنہ ہیں۔ اجلۂ مشائخ وسادات قوم سے گزرے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے خاص راز دار، مرید اور آپ کے ہمعصر تھے۔ آپ کا مسلک حضرت داؤ داطائی ؒ کے موافق تھا۔ فن فقہ میں فقیہ الفقہاء تھے اور علم تفسیر وقرأت میں کافی حصہ لیے ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ اپنے زمانہ میں یکتائے علماء مانے گئے۔ آپ کی کیفیتِ حالیہ نہایت بلند تھی اور آپ کا مقامِ تقرب رفیع، سیاحی تصوف کی وجہ میں تجرید اور کثرتِ ریاضت کے باعث تفرید میں آپ مشہور تھے۔ آپ نے اپنی آخری عمر اہل دنیا میں محض اپنے آپ کو مخفی رکھنے کے لیے گذاری اور خلیفۂ وقت کے معتمد خاص بن گئے اور "قاضی القضاۃ" کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ حالانکہ آپ کا درجۂ کمالِ اس سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اس وجہ سے آپ ؒ اس عہدہ میں بھی چھپ نہ سکے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف میں فرمایا:

مافارغان مشغولیم و رویم مشغول فارغست۔

"ہم دنیا کے علائق سے فارغ ہو کر مشغول بدنیا ہیں اور رویم بن احمد علائق میں مشغول رہ کر بھی دنیا سے فارغ ہے۔"

آپ کی تصانیف فن طریقت وحقیقت میں بہت ہیں۔ خاص کر بحثِ سماع میں ایک کتاب ہے جس کا نام "غلط الواجدین" ہے۔ میں اس کتاب پر عاشق ہوں۔

آپ سے روایت ہے کہ ایک روز کوئی شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: کَیْفَ حالُکَ "حضرت کیسے مزاج ہیں"؟ آپ ؒ نے جواب دیا:

کَیْفَ حَالُ مَنْ دِیْنُہٗ ھَوَاہُ وَھِمَّتُہٗ دُنْیَاہُ لَیْسَ ھُوَ بِصَالِحٍ تَقِیٍّ وَّ لَابِعَارِفٍ نَقِیٍّ.

"اس کا مزاج کیا ہوسکتا ہے جس کا دین اس کی حرص آز ہو اور جس کی منتہاء

Marfat.com

مقصود اس کی دنیا ہو، نہ وہ صالح اور متقی ہے اور نہ عارف نقی۔"

اس جواب میں آپ نے عیوب نفس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس لیے کہ نفسِ اَمّارہ کے نزدیک ہویٰ وحرص ہی دین ہے اور نفس کے متبع کا دین حرص کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے اور اس کی شریعت اس کا اتباع ہوتا ہے۔ جو شخص ان کی پیروی کرے، اگرچہ وہ بدعتی ہی کیوں نہ ہو مگر ان کے نزدیک دیندار ہوگا اور جو ان کے خلاف چلے اگرچہ وہ پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو بے دین کہلائے گا۔

اور یہ آفت ہمارے زمانہ میں اتنی عام ہے کہ اس سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں ایسے شخص کی صحبت سے جس میں یہ صفت ہو۔

لیکن حضرت محمد رویم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل کے جواب میں احوالِ زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور ممکن ہے کہ انہیں اس حال میں اپنا وجود معلوم ہوا ہو اور اس سے اپنے وجود کی صفت بیان فرمائی ہو، اور عارف چونکہ منصف ہوتا ہے اس لیے منصفانہ انداز میں جواب دیا ہو۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

حضرت ابو یعقوب یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے یگانۂ زمانہ، بلند قدر حضرت ابو یعقوب یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے وقت کے امام اور مشائخ عظام میں سے گزرے ہیں، معمر تھے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مرید تھے۔ علاوہ ان کے بہت سے مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

اَرْذَلُ النَّاسِ الْفَقِیْرُ الطَّمَّاعُ کَمَا اَعَزُّھُمُ الْمُحِبُّ الصِّدِّیْقُ.

"ذلیل ترین انسانوں میں طماع فقیر ہے جیسے معزز ترین انسان راستباز محبِ صادق ہے"۔

طمع، درویش کو دونوں جہان کی ذلت کا شکار بنا دیتی ہے۔ اس لیے کہ درویش پہلے ہی اہل دنیا کی نظر میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے۔ تو جب وہ اہل دنیا سے طمع کرتا ہے تو اور بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ تو عزت کا غنا اس فقیر سے بہت افضل ہے جو ذلت کے ساتھ فقیر ہو اور طمع درویش کو جھوٹ کے ساتھ منتسب کر دیتی ہے اور محب اپنے محبوب کی نظر میں سب سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ محب اپنے آپ کو محبوب کے مقابلے میں حقیر سمجھتا ہے اور محبوب کی تواضع میں رہتا ہے اور یہ بھی نتائج طمع میں سے ایک نتیجہ ہے۔ پھر جب طمع جاتی رہتی ہے تو ذلت، عزت سے بدل جاتی ہے۔ جب تک زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طمع تھی، ہر لحظہ رسوا اور ذلیل ہوتی تھی۔ پھر جب ان کے دل سے طمع جاتی رہی تو پھر اللہ تعالیٰ نے خوبصورتی اور جوانی سب کچھ عطا فرما کر

Marfat.com

معزز کر دیا۔اور قاعدہ ہی کچھ ایسا ہے کہ دوست کی توجہ محبوب کی بے توجہی کے موجب ہوتی ہے اور جب محبّ بے نیاز ہوجائے اور طمع جاتی رہے تو محبوب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔اور درحقیقت محبّ کی اس وقت تک ہی عزت ہوتی ہے جب تک طمعِ وصل نہ ہو اور جب طمعِ وصل آ جائے اور وہ حاصل نہ ہو تو سب ذلتوں سے بدترین ذلت ہے۔تو محبّ وہی ہے جو محبوب کے وصال وفراق میں مشغول نہ ہو۔

حضرت ابوالحسن سمنون رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے آفتابِ اہلِ محبت، قدوۂ اہل معاملت حضرت ابوالحسن سمنون بن عبداللہ الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔اپنے زمانہ کے بے نظیر عارف اور درجۂ عشق ومحبت میں شانِ رفیع رکھنے والے تھے۔مشائخ وقت آپ کو بزرگ جانتے اور ''سمنون المحب'' کے نام سے پکارتے تھے۔ لیکن آپ اپنے کو ''سمنون الکذاب'' فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے ''غلام الخلیل'' سے بہت رنج اٹھائے۔یہ وہ شخص تھا کہ اس نے خلیفۂ وقت کے سامنے خلاف واقعہ شہادتیں دیں اور اس سے شیخ سمنونؒ کو دلی رنج تھا اور غلام الخلیل بڑا ریا کار تھا اور مدعیِ زہد و پارسائی بنا ہوا تھا اور اپنے آپ کو صوفی بنائے ہوئے تھا اور اعیانِ دولت اور خلیفۂ وقت کے ساتھ بہت زیادہ ربط ضبط کر رکھا تھا۔گویا اس نے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا تھا۔جیسے کہ اس زمانہ میں اس قسم کے صوفی نما دنیا دار پھرتے ہیں ۔ یہ وہ بد باطن تھا کہ لباسِ تصوف میں امراء وخلفاء کے دربار میں پہنچتا اور خاصانِ بارگاہ کے خلاف دربارِ شاہی میں زہر اُگلتا اور اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ خاصانِ بارگاہ کے فیض سے یہ لوگ محروم رہیں اور ان کے فیضِ صحبت سے تبریک حاصل نہ کرسکیں اور یہ ان کی نظروں میں بچا رہے اور فروغِ صدق سے اس کا دروغ دب نہ جائے۔

بڑے خوش قسمت تھے حضرت سمنونؒ کہ ان کے زمانہ میں ان کے اور دیگر مشائخ کرام کے لیے ایک ہی غلام الخلیل تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں تو ہر محقق کے لیے لاکھ لاکھ غلام الخلیل موجود ہیں، مگر پرواہ نہیں، اس لیے کہ مردار، کرگس کا ہی حصہ ہوتا ہے، مردار گوشت کھانے کے لیے گدھ ہوا کرتے ہیں۔

جبکہ حضرت سمنونؒ کے نورِ عرفان کی بارشوں نے بغداد میں انہیں مرجع خلائق بنایا اور ہر ایک آپ کے فیض صحبت سے استفادہ کرنے کو جھکا تو غلام الخلیل کو اس کی جلن ہوئی اور حضرت سمنونؒ کے خلاف افتراء پردازیاں شروع کردیں۔مختصر یہ کہ ایک عورت حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کی تابانیِ حسن پر فریفتہ ہوگئی اور خدمت میں حاضر آکر اپنے آپ کو پیش کیا، آپ نے صاف انکار کردیا۔ مایوس ہوکر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ آپ حضرت سمنونؒ کو حکم فرمائیں کہ مجھے قبول کرلیں۔ حضرت جنیدؒ اس عورت پر سخت ناراض ہوئے۔

جب عورت نے دیکھا کہ کامیابی ناممکن ہے تو اس نے غلام الخلیل کے پاس جاکر افتراء پردازی شروع کی، جیسا کہ عورتوں کا ان کے مکر کے اعتبار سے عام رویہ ہوتا ہے۔ غلام الخلیل تو پہلے ہی جل بھن رہا تھا، اس عورت کے بیانات اس طرح سنے جیسے ایک دشمن اپنے دشمن کے متعلق کچھ سنا کرتا ہے اور پھر خوب طعن و تشنیع حضرت سمنونؒ کی شان میں کرتا رہا۔ حتیٰ کہ خلیفۂ وقت کے کان تک واقعہ پہنچادیا۔ خلیفہ کچے کانوں کی وجہ سے علے الفور برہم ہوا اور تجویزِ قتلِ سمنون کی ٹھانی۔ جب جلاد بلالیا گیا اور اس نے ضابطہ کے موافق حکم چاہا تو خلیفہ کی زبان قدرتاً بند ہوگئی اور کچھ حکم نہ دے سکا۔

رات جب سویا تو خواب میں منکشف ہوا کہ قتلِ سمنون تیری سلطنت کے زوال کا موجب ہے (ہوش کر اور غلام الخلیل کی فتنہ پردازی سے اپنی جان بچا)۔ صبح خدمتِ سمنونؒ میں خلیفہ حاضر ہوا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور بہ شان وشکوہ آپ کو بری کیا۔

آپ کے بڑے بلند کلام اور دقیق ارشادات ہیں جن سے حقیقتِ محبت واضح ہوتی ہے اور یہ وہ بلند ہستی ہیں کہ ایک بار آپ سفرِ حجاز سے تشریف لا رہے تھے، مقام فیہ میں آئے تو اہلِ فیہ نے درخواست کی کہ کچھ وعظ سنائیں۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوئے تو مجمع مجتمع نہ تھا۔ آپ نے قنادیل کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ میں تمہیں وعظ سناتا ہوں۔ یہ فرمانا تھا کہ تمام قندیلیں گر کر چُور چُور ہوگئیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

لَا یُعَبَّرُ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا بِمَا هُوَ اَرَقُّ مِنْهُ وَلَا شَیْءَ اَرَقُّ مِنَ الْمَحَبَّةِ فَبِمَ یُعَبَّرُ عَنْهَا .

"کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تعبیر نہیں دی جاسکتی مگر اس کی جو اس کی بہ نسبت رقیق ہو اور محبت ایک ایسی باریک چیز ہے کہ اس سے رقیق کوئی شئے نہیں، تو اس کی تشبیہہ وتعبیر کس شے سے کی جائے"۔

اور اس سے مراد یہ ہے کہ محبت وہ چیز ہے کہ تشبیہ کسی چیز کے ساتھ نہیں ہوسکتی اس لیے کہ محبت صفتِ محبوب ہے، تو پھر اس کی حقیقت تب بیان ہوسکتی ہے جبکہ اس کا ادراک ممکن ہو اور صفاتِ محبوب کا ادراک محال ہے۔ وَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

Marfat.com

ابوالفارس حضرت شاہ شجاع الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شاہ شیوخ ،ابوالفارس حضرت شاہ شجاع الکرمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ شہزادہ ہیں، اپنے زمانہ کے بے نظیر صوفی ہوئے ہیں۔ حضرت ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ ہیں اور بہت سے مشائخ کرام کی زیارت کر چکے ہیں۔ حضرت ابوعثمان حیریؒ کے مناقب میں ان کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے۔ تصوف میں ان کے مسائل مشہور ہیں ایک کتاب ''مراۃ الحکماء'' ان کی مؤلفہ مشہور ومعروف ہے۔ آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لِاَھْلِ الْفَضْلِ فَضْلٌ مَّا لَمْ یَرَوْہُ فَاِذَا رَاَوْہُ فَلَا فَضْلَ لَھُمْ وَلِاَھْلِ الْوَلَایَۃِ وَلَایَۃٌ مَّا لَمْ یَرَوْھَا فَاِذَا رَاَوْھَا فَلَا وَلَایَۃَ لَھُمْ.

''اہلِ فضیلت کو اسی وقت تک فضیلت حاصل ہے جب تک کہ وہ اپنی فضیلت کو خود نہ دیکھیں اور جب خود بینی آ گئی ،فضیلت جاتی رہتی ہے اور اہلِ ولایت اسی وقت تک ولی ہوتے ہیں جب تک انہیں اپنی ولایت کا احساس نہ ہو۔ جب وہ اپنے آپ کو ولی سمجھنے لگیں تو سمجھ لو کہ ان کی ولایت گئی۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک فضل ولایت رہتا ہے تو خود بینی ساقط ہو جاتی ہے۔ جب خود بینی آ جاتی ہے تو معنی حقیقی ولایت کے اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ فضل ایسی صفت ہے کہ جسے وہ حاصل ہو جائے تو اسے معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ولایت بھی ایک ایسی صفت ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کی رویت نہیں ہوتی اور جب کوئی کہنے لگے کہ میں فاضل ہوں یا ولی، تو نہ وہ فاضل ہے نہ ولی۔ ان کی کرامتوں میں لکھا ہے کہ مکمل چالیس سال آپ نے دن رات خواب نہیں فرمایا اور قطعاً نہیں سوئے اور جب کبھی آنکھ لگی بھی تو اللہ تعالیٰ سے لگی۔ چنانچہ جب خواب میں جمالِ الٰہی سے مشرف ہوئے تو آپ نے عرض کی: الٰہی! میں تیرے جمالِ باکمال کو بیداریٔ شب میں دیکھنا چاہتا تھا لیکن آج سویا تو جمال پایا۔ ارشاد ہوا: اے شاہ! ان راتوں کی بیداری کی بدولت ہی آج تُو ہمیں خواب میں دیکھ رہا ہے، اگر وہ راتیں بیداری میں نہ گزارتا تو آج ہمیں خواب میں نہ پاتا۔
وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سرور دل نور حضرت عمرو بن عثمان مکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کبرائے قوم سے اور سادات زمانہ سے گزرے ہیں۔ آپ کی تصانیف تصوف میں مشہور ہیں۔ آپ کو نسبتِ ارادت

Marfat.com

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے تھی۔ پہلے آپ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے، پھر حضرت جنیدؒ سے بیعت کی۔

اصول میں آپ امامِ وقت تھے، آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

لَا یَقَعُ عَلٰی کَیْفِیَّۃِ الْوَجْدِ عِبَارَۃٌ لِاَنَّہٗ سِرُّ اللّٰہِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

''کیفیتِ وجدانیہ کی ترجمانی کسی لفظ اور عبارت سے نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ وہ خاص سرِّ الٰہی ہے اور مومنین اس کے امین ہیں''۔

اور وہ چیز جس پر بندہ کی عبارت اور الفاظ کا تصرف ہو سکتا ہے وہ ہرگز سرِ حق نہیں اس لیے کہ کلیتہً تصرف و تکلف کا اسرار ربانیہ سے منقطع ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن عثمانؒ اصفہان تشریف لائے تو ایک بے ریش نوعمر لڑکا آپ کی صحبت میں آیا اور اس لڑکے کا باپ اسے آپ کی خدمت میں آنے سے مانع تھا۔ آخر وہ اس روک ٹوک کی وجہ سے اس قدر غمگین ہوا کہ بیمار ہو گیا۔ ایک مدت تک بیمار رہا۔ آخر ایک روز آپ اپنی جماعت کے ساتھ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ لڑکے نے حضرت عمرو بن عثمانؒ سے عرض کی کہ حضور! قوال کو حکم فرمائیں کہ وہ کچھ سنائے۔ آپ نے قوال کو فرمایا۔ قوال نے گانا شروع کیا اور یہ بیت پڑھی:

مَالِیْ مَرِضْتُ فَلَمْ یَعُدْنِیْ عَائِدٌ وَیَمْرَضْ عِنْدَکُمْ فَاُعِیْدُ

''کیا بات ہے کہ میں بیمار ہوا تو تم میں سے کسی نے میری عیادت نہ کی، حالانکہ تم میں سے کوئی بیمار ہو تو میں عیادت کرتا ہوں''۔

مریض نے جیسے ہی یہ شعر سنا تو بستر مرض سے اٹھا اور بیٹھ گیا اور اس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ مرض میں افاقہ ہے، لڑکا بولا: زِدْنِیْ، کچھ اور بھی سُنا، قوال نے یہ بیت سنائی:

وَاَشَدُّ مِنْ مَّرَضِیْ عَلَیَّ صُدُوْدُکُمْ وَصُدُوْدُ عَبْدِکُمْ عَلَیَّ شَدِیْدٌ

''اور میرے مرض کی سخت ترین علت تم سے مجھے روکنا ہے اور اس سے زیادہ اشد اور بھاری تمہارا مجھ سے رک جانا ہے''۔

اس کے بعد وہ لڑکا تندرست ہو گیا۔ باپ نے یہ کرامت دیکھ کر لڑکے کو حضرت عمرو بن عثمانؒ کے سپرد کر دیا اور جو بدگمانی اس کے دل میں تھی، وہ جاتی رہی اور تائب ہوا اور یہ لڑکا اپنی قوم کے بہترین درویشوں میں ہوا۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

Marfat.com

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے مالک القاب، ماحی العیوب حضرت ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے بہترین شیخ ہیں۔ اور آپ ہر زبان میں نہایت ستودہ تھے۔ آپ کی ریاضتیں بہت زیادہ ہیں اور آپ نہایت باعمل تھے۔ آپ کا اخلاص وعیوب افعال میں نہایت لطیف کلام ہے۔ علماء ظاہری آپ کی شان میں کہتے:

هُوَ جَمْعُ بَيْنَ الشَّرِيْعَةِ وَالْحَقِيْقَةِ .

''انہوں نے شریعت وحقیقت میں اتحاد کر کے دکھادیا۔''

لیکن یہ کہنا ان اربابِ ظواہر کا غلط ہے۔ اس لیے کہ کوئی صوفی ایسا نہیں جو شریعت و طریقت میں فرق کرتا ہو۔ اس لیے کہ شریعت، بغیر حقیقت کے مکمل نہیں اور حقیقت، بغیر شریعت کے حقیقت نہیں ہوسکتی۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ اور مشائخ کے کلام بہت باریک اور ادق ہیں جسے عوام کے ذہن قبول نہیں کرسکتے اور حضرت سہلؒ کے مضامین بہت سہل اور اس قدر آسان ہیں کہ عوام کے ذہن بھی اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اس وجہ میں انہوں نے اس خصوصیت کے ساتھ حضرت سہلؒ کی تعریف کی، ورنہ جبکہ خود حضرت ربّ عزّ اسمہٗ نے شریعت وطریقت اور حقیقت کو متحد کیا ہے تو اولیاء کرام کا اس میں فرق کرنا محال ہے۔ اس سے لامحالہ یہ بات ضرور ہوگی کہ جب فرق، حقیقت وشریعت میں سمجھا جائے گا تو ایک کو ردّ کر کے دوسرے کو قبول کرنا ہوگا اور یہ بات یاد رکھو کہ ردِ شریعت الحادِ خالص ہے اور ردِ حقیقت شرک، اور جو فرق کرتے ہیں وہ تفریق معنوی کے لیے کرتے ہیں تو وہ تفریق عین ثبات ہے۔

جیسے کہتے ہیں ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' حقیقت ہے اور ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' شریعت۔ اگر کوئی چاہے کہ ایمان صحیح رکھ کر ایک کو دوسرے سے جدا کردے، ایسا ہرگز نہیں کرسکتا اور اس کی یہ خواہش باطل محض ہوگی۔ درحقیقت شرع فرع حقیقت ہے جس طرح معرفت فرع حقیقت ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ امتثالِ امر اور تعمیلِ حکم کرنا، اہلِ ظواہر کے لیے شریعت کے معنی میں ہے۔ جس چیز کو اس کی طبعیت قبول نہ کرے اور بے سمجھی سے الجھ جائیں اس سے منکر ہوجاتے ہیں اور انکار کے اصل کا اصول راہِ حق میں نہایت خطرناک۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى الْاِيْمَانِ ''اور اس ربّ جلیل وجہٗ منیر کو عطاءِ ایمان پر حمد ہے''۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَاغَرَبَتْ عَلٰى اَهْلِ وَجْهِ الْاَرْضِ اِلَّا وَهُمْ

Marfat.com

جُهَّالٌ بِاللّٰهِ اِلَّا مَنْ يُّؤْثِرُاللّٰهَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَرُوْحِهٖ وَدُنْيَاهُ وَاٰخِرَتِهٖ.

"آفتاب طلوع اور غروب نہیں ہوتا کسی رُوئے زمین کے رہنے والے پر، مگر وہ ذات عزاسمہٗ کے ساتھ جاہل ہوتا ہے مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمالیا ہو، اس کی جان وتن اور دنیا وآخرت سے"۔

یعنی جو اپنے کنج دل میں اپنے دستِ ارادی کو متصرف مانتا ہے یہ اس کی جہالت کی دلیل ہے ذاتِ واجب تعالیٰ شانہٗ سے اور جسے نعمتِ عرفان حاصل ہے وہ ترکِ تدبیر میں جھکا ہوا ہے۔ یہ جہل سے معرفتِ تقدیر کی دلیل ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے برگزیدہ اہلِ حرمین، قرۃ العین حضرت ابوعبداللہ محمد بن فضل بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اجلہٗ مشائخ سے ہیں۔ اہلِ عراق وخراسان کے محبوب ترین پیشوا تھے۔ حضرت احمد بن خضرویہؒ کے مرید اور حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ آپ کو بلخ کے متعصب کج رو جاہلوں نے، آپ کے مسلکِ عشق سے بدظن ہو کر بلخ سے نکال دیا۔ مگر آپ نے اپنا مسلک نہ چھوڑا۔ بلخ چھوڑ کر سمرقند میں عمر بسر فرمائی۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَعْرَفُ النَّاسِ بِاللّٰهِ اَشَدُّهُمْ مُجَاهَدَةً فِيْ اَوَامِرِهٖ وَاَتْبَعُهُمْ بِسُنَّةِ نَبِيِّهٖ (ﷺ).

"اربابِ عرفان میں بزرگ ترین وہ ہے جو اوامر شریعت کی اتباع میں سعی و مجاہدہ کرے اور اہلِ اتباع میں بہترین وہ ہے جو سنتِ رسالتمآب ﷺ کا نہایت کوشش سے پیرو ہو"۔

آپؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

عَجِبْتُ مِمَّنْ يَّقْطَعُ الْبَوَادِيَ وَالْقِفَارَ وَالْمَفَاوِزَ حَتّٰى يَصِلَ اِلٰى بَيْتِهٖ وَحَرَمِهٖ لِاَنَّ فِيْهِ اٰثَارَ اَنْبِيَائِهٖ كَيْفَ لَا يَقْطَعُ نَفْسَهٗ وَهَوَاهُ حَتّٰى يَصِلَ اِلٰى قَلْبِهٖ لِاَنَّ فِيْهِ اٰثَارَ مَوْلَاهُ.

"مجھے تعجب ہے اس پر جو وادی اور جنگل عبور کر کے اللہ کے گھر (مکہ) پہنچتا اور اس کی حرم سے آملتا، اس لیے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار ہیں۔ وہ کیوں نفس کے لیے جنگلوں اور حرص کے دریاؤں کو قطع کر کے اپنے

Marfat.com

کنجِ قلب تک نہیں پہنچتا کہ اس میں اس کے مالک کے نشان ہیں''۔

یعنی دل محلِ معرفتِ الٰہی ہے اور فضیلت میں کعبہ سے افضل ہے۔ اس لیے کہ کعبہ قبلۂ عبادت ظاہری اور بندہ کی نگاہ اس پر رہتی ہے مگر دل وہ ہے کہ اس پر نظر ربّ جلّت مجد عزاسمہٗ ہے، تو جہاں دل ہے وہاں میرا محبوب ہے اور جہاں اس کی ملکیت ہے میری مراد وہاں ہی ہے اور جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے نشان ہیں وہاں ہمارے دوستوں محبوبوں کا قبلہ ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ باخطر، فانی از صفاتِ بشر ابوعبداللہ حضرت محمد بن علی الترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، علوم فنون میں امامِ کامل اور محققین مشائخ سے گزرے ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں اور کرامتیں بھی مشہور ہیں اور آپ کی تصانیف سے آپ کی کرامت شان ظاہر ہے۔ جیسے ''ختم الولایت''، ''کتاب النہج''، ''نوادر الاصول'' وغیرہ۔ علاوہ اس کے بعض کتابیں بہت ہی زبردست ہیں۔ چنانچہ میرا ان کے ساتھ رابطۂ عقیدت اتنا ہے کہ گویا میں اور میرا دل تو ان کا شکار ہے اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محمد بن علی وہ دُرِّ یتیم ہے کہ عالم میں اس کی مثال نہیں اور علوم ظاہری میں بھی ان کی بہت سی تالیفات ہیں اور احادیث میں ان کی سندیں نہایت بلند ہیں اور قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی مگر عمر تمام ہوگئی، مگر جس قدر لکھی ہے وہ اہلِ علم میں موجود ہے۔

اور علمِ فقہ ترمذ ہی میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مصاحب و دوست حضرت محمد حکیم سے حاصل کیا۔ یہ وہ محمد حکیم ہیں کہ ولایت ترمذ کے صوفی حکماء ان کا ہی اقتداء کرتے تھے۔ غرضیکہ ان کے مناقب بہت ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی حاصل ہوئی۔ اور آپ کے مرید حضرت ابوبکر وراق راوی ہیں کہ ہر یک شنبہ یعنی اتوار کو حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تھے اور آپس میں واقعات پر سوال و جواب ہوا کرتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ جَھِلَ بِاَوْصَافِ الْعُبُوْدِیَّۃِ فَھُوَ بِنُعُوْتِ الرُّبُوْبِیَّۃِ اَجْھَلُ.

''جو علم شریعت اور اوصافِ بندگی سے جاہل ہے وہ نعت ربوبیت سے سخت ترین جاہل ہے''۔

اور جو ظاہر میں نفس کو نہیں پہچانتا وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے عرفان کا راستہ ہرگز نہیں جان سکتا اور آفات، صفاتِ بشریت نہیں دیکھ سکتا۔ وہ لطائفِ صفاتِ حق ہرگز نہیں جان سکتا اس لیے کہ ظاہر کا تعلق باطن سے ہے۔ تو جو ظاہر سے بغیر باطن کے تعلق کرے، یہ محال ہے اور جو باطن سے تعلق

Marfat.com

کرے، اس کا تعلق بغیر ظاہری تعلق کے محال ہے۔ تو خدا کی صفتوں کی معرفت عبودیت کے ارکان کی صحت پر موقوف ہے، اس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ کلمۂ اصل اصول ہے اور نہایت ہی مفید بات ہے۔ ان شاء اللہ اس کی مزید توضیح اپنی جگہ پر کی جائے گی۔

حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شرفِ زہادِ امت، سرتاجِ اہلِ فقر وصفوۃ حضرت ابوبکر محمد بن عمر الوراق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ بزرگانِ مشائخ سے گزرے ہیں اور زہادِ قوم میں تھے۔ حضرت احمد بن خضرویہ اور حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہما کے دیکھنے والے اور اُن کے صحبت یافتہ ہیں۔ آپ کی تالیفات آداب و معاملات میں متعدد ہیں اور مشائخ کرام میں آپ ''مؤدّب ادیب'' کہلاتے ہیں۔

آپ ایک حکایت فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اجزاء مجھے دیئے اور فرمایا انہیں دریائے جیحون میں ڈال دے۔ میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا، مَیں نے بجائے دریا میں ڈالنے کے انہیں گھر میں رکھ دیا اور خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ دریا میں ڈال آیا ہوں۔ فرمایا: پھر کیا دیکھا؟ میں نے عرض کی، کچھ نہیں دیکھا۔ فرمایا: تُو نے وہ دریا میں نہیں ڈالا، واپس جاؤ اور دریا میں ڈالو۔ واپس حکم کی تعمیل کے لیے چلا اور دل میں اس امر کا احساس ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی۔ آخرش وہ اجزاء مَیں نے دریا میں ڈالے تو فوراً دریا پھٹا اور اس میں سے ایک صندوق ظاہر ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا اور اس میں وہ جزو جو میں نے دریا میں ڈالے تھے چلے گئے اور صندوق کا ڈھکنا بند ہوگیا اور پانی بھی مل گیا اور صندوق واپس پانی میں چلا گیا۔ یہ سب تماشہ دیکھ کر مَیں واپس آیا اور تمام قصہ عرض کیا۔ فرمایا اَب تو یقیناً وہ اجزاء پانی میں ڈال کر آیا۔ میں نے عرض کی حضور! اس معاملہ کا راز تو معلوم ہونا چاہیے۔ فرمایا ہم نے اصول اور تحقیق میں کچھ تصنیف کیا تھا لیکن اس کے سمجھنے کی عام عقلوں میں اہلیت نہ تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ مجھ سے طلب فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے دریائے جیحون کو حکم دیا کہ ان اجزاء کو خضر تک پہنچا دے۔ چنانچہ وہ اس ذریعہ سے خضر علیہ السلام تک پہنچ گئے۔

آپؒ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَاءُ وَالْفُقَرَاءُ فَاِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَ الطَّاعَةُ وَالشَّرِيْعَةُ وَاِذَا فَسَدَ الْاُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَاشُ وَاِذَا فَسَدَ الْفُقَرَاءُ فَسَدَ الْاَخْلَاقُ.

''آدمی تین قسم کے ہیں: ایک علماء، دوسرے امراء، تیسرے فقراء۔ جب علماء

Marfat.com

میں فساد پیدا ہوگا، طاعتِ الٰہی اور شریعتِ مطہرہ میں فساد ہوجائے گا اور جب امراء میں فساد آگیا تو لوگوں کی معاش خراب ہوجائے گی اور جب فقراء بگڑ گئے تو لوگوں کے اخلاق وعادات خراب ہوجائیں گے۔"

تو امراء وسلاطین کا فساد، جور وتعدی، ظلم وستم ہے اور علماء کا فساد طمع وحرصِ آز ہے اور فقراء کا فساد ریاست وجاہ طلبی۔

جب تک علماء، امرا، ملوک، علماء سے علیحدہ نہ ہوں گے، تباہ نہ ہوں گے اور جو رِملوک بے علمی کی وجہ میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور علماء کا طمع بے دینی وریا کی وجہ سے ہوگا اور فقر میں ریاست طلبی بے توکلی کی وجہ میں آئے گی۔ تو بادشاہ بے علم اور عالم بے عمل اور فقیر بے توکل شیطان کے قرین وانیس ہیں اور علم کا فساد ان تینوں میں آجانے سے ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حضرت ابوسعید احمد بن خراز رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سفینۂ توکل ورضا، سالکِ طریقِ فنا ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے زبردست اہلِ کشف گزرے ہیں۔ مریدوں کے احوال درونی کے بہترین ترجمان اور طالبوں کے حالات پر زبردست برہان تھے۔ آپ کی خصوصیات سے یہ بات ہے کہ طریق "فنا وبقا" کو الفاظ کا جامہ پہنا کر واضح فرمانے والے ایک آپ ہی تھے۔ آپ کے مناقب مشہور ہیں اور آپ کی ریاضت اور نکات کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ آپ کی تصانیف اور کلام اور رموزات نہایت بلند تھے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کو آپ نے پایا اور حضرت بشر حانی اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہما کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ نے حضور سید یوم المنشور ﷺ کے اس فرمان پر کہا، حضور کا فرمان ہے:

جُبِلَتِ الْقُلُوبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا. (۱)

۱۔ اسے امام ابونعیم، ابوالشیخ، ابن حبان اور خطیب نے اپنی "تاریخ" میں اسماعیل بن ابان الخیاط کے طریق سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ حسن بن عمارۃ تک یہ بات پہنچی کہ اعمش نے اس کے بارے برا بھلا کہا ہے پس اس نے اس کی طرف ایک لباس بھیجا، جس پر اعمش نے اس کی تعریف کی، اعمش کو کہا گیا کہ (پہلے) تو نے اس کی مذمت کی پھر اس کی تعریف کی؟ (کہنے لگے کہ خیثمہ نے مجھ سے ابن مسعود کے حوالہ سے بیان کیا کہ)
انہوں نے کہا کہ: "جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ أَحْسَنَ إِلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ أَسَاءَ إِلَيْهَا."
اسے ابن عدی نے "الکامل" میں، امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں اور امام ابن جوزی نے "العلل المتناهية" میں اور قضاعی نے "مسند شهاب" میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اسماعیل الخیاط مجروح راوی ہے۔ (بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔)

Marfat.com

"دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ جبلی اثر رکھا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے جو اس کے ساتھ نیکی کرے۔"

یعنی جو کسی کے ساتھ احسان کرے لامحالہ اس کے ساتھ انسان کا دل نیکی کرے گا اور اسے محبوب سمجھے گا تو آپ نے اس پر فرمایا:

وَا عَجَبًا مِمَّنْ لَمْ يَرَ مُحْسِنًا غَيْرَ اللّٰهِ كَيْفَ لَا يَمِيْلُ بِكُلِّيَّةٍ إِلَى اللّٰهِ.

"سخت تعجب ہے کہ جو شخص سوائے اپنے ربّ کے کسی کو محسن ہی نہ دیکھے، وہ کیوں کلیۃً اپنے ربّ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔"

اس لیے کہ احسان درحقیقت اسی کا ہے جو مالک اعیان ربّ الارباب کر رہا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ احسان کسی کے ساتھ نیکی کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر اس احسان کا بدلہ اس کے ساتھ پورا ہوسکتا ہے جو جزائے احسان کا محتاج ہو اور اس کا احسان بھی اس شان کا ہو کہ جس چیز سے وہ احسان کر رہا ہے وہ اس کی مِلک بھی نہیں ہے۔ پھر وہ احسان نہ احسان ہے نہ اس احسان کا بدلہ

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

امام سیوطی نے ابن عدی کے حوالہ سے "الجامع الصغیر" میں، ابونعیم نے "حلیة الاولياء" اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور اسے موقوفاً صحیح قرار دیا ہے، جب کہ امام سیوطی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام سخاوی نے "المقاصد الحسنة" میں اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ موقوفاً اور مرفوعاً باطل ہے اور بیہقی کا ابن عدی کی طرح یہ کہنا کہ اعمش سے موقوف روایت معروف ہے، محتاج تاویل ہے کیونکہ امام ابن عدی اور امام بیہقی نے اسے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ایک راوی متهم بالكذب والوضع ہے۔ امام مناوی نے "فیض القدیر" میں کہا ہے کہ میں نے ابن عبدالھادی کے تذکرہ میں ان کے خط کے ساتھ دیکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کے بارے میں احمد اور یحییٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، یہ موضوع ہے۔

حوالہ کے لئے دیکھیں:

الكامل لابن عدى ۸۲/۱، تاريخ بغداد للخطيب ۳۴۶/۷، مسند الشهاب (۱۰۳)، حلية الأولياء لأبى نعيم ۱۲۱/۴، كشف الخفاء للعجلونى (۱۰۶۳)، المقاصد الحسنة للسخاوى (۳۶۵)، تمييز الطيب من الخبيث (۳۸۰)، فيض القدير للمناوى ۳۴۴/۳، أسنى المطالب (۵۲۹)، الجامع الصغير (۳۵۸۰)، الجامع الكبير (حديث: ۱۳۱۹۲)، الغماز على اللماز للسمهودى (۸۱)، الدرر المنتثرة للسيوطى (۱۷۶)، أمثال ابى الشيخ (۱۲۰)، العلل المتناهية لابن الجوزى ۲۹/۲، الفوائد المجموعة للشوكانى (۸۲)، ميزان الإعتدال للذهبى ۵۱۴/۱ .

Marfat.com

ہے۔اس لیے کہ بدلہ بھی ایسی ہی چیز سے ہوتا ہے کہ جو بدلہ دینے والے کے ملک نہیں۔

تو تمام ملک، ملکِ الٰہی ہے اور وہ، وہ ذات ہے کہ اپنے غیر سے بے نیاز ہے۔ اور محبوبانِ بارگاہ اس کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ انعام واحسان میں منعمِ حقیقی اور محسنِ حقیقی وہی ایک ذات ہے اور وہ اپنے دلوں کو کلیۃً اس کا اسیر بنائے ہوئے ہیں اور اُن کی دوستی اُسی ذات کے ساتھ ہے اور وہ غیر ذات منعمِ حقیقی سے ہمیشہ اعراض کرتے ہیں۔

حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شاہدِ محققان، دلیل مریداں حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رضی اللہ عنہ ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی بن سہیلؒ بھی مشائخ کبار سے گزرے ہیں اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کی خط وکتابت حضرت ابوالحسن علیؒ کے ساتھ جو ہوئی ہے، وہ نہایت لطیف مضامین سے پُر ہے اور یہ اس پایہ کے بزرگ گزرے ہیں کہ حضرت عمرو بن عثمانؒ ان کی زیارت کے لیے اصفہان حاضر ہوئے اور عمرو بن عثمانؒ خود اتنے زبردست صوفی عارف تھے کہ انہیں حضرت ابوتراب رضی اللہ عنہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور حضرت جنیدؒ کے رفیق خاص تھے۔مگر ابوالحسن رضی اللہ عنہ کا پایۂ طریق تصوف میں بہت ستودہ تھا اور آپ فنِ تصوف میں رضا وریاضت کے زیور سے آراستہ تھے اور تصرف نفسِ امّارہ اور ہر قسم کے فتن وآفات سے محفوظ تسلیم کیے گئے ہیں۔آپ کے طرزِ بیان کو حقائق ومعاملات میں نہایت پسند کیا جاتا تھا اور دقائق واشارات میں آپ کا کلام لطیف تھا۔آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلْحُضُوْرُ اَفْضَلُ مِنَ الْيَقِيْنِ لِاَنَّ الْحُضُوْرَ وَطَنَاتٌ وَالْيَقِيْنُ خَطَرَاتٌ.

''حضور بارگاہِ لم یزل افضل ترین ہے محض یقین وجود ذات سے اس لیے کہ حضورِ ذات جو آئینۂ دل میں ہے وہ وطن کی طرح ہے اور اس پر غفلت کسی طرح رواو ممکن نہیں اور یقین خاطر ایک ایسا تصور ہے کہ کبھی آتا ہے اور کبھی جاتا رہتا ہے''۔

تو حاضرین حضور بارگاہ لم یزل میں رہتے ہیں اور مومنین درگاہِ ایزدی پر کبھی غیوبیت کے حجاب میں ہوتے ہیں، اور حضورِ بارگاہ کی تفصیل کے لیے ایک علیحدہ باب اس کتاب میں آئے گا۔اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

آپؒ نے فرمایا:

مِنْ وَّقْتِ اٰدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَلنَّاسُ يَقُوْلُوْنَ الْقَلْبُ اَلْقَلْبُ وَاَنَا

Marfat.com

أُحِبُّ اَنْ أَرٰى رَجُلاً يَّصِفُ لِي شَيْءَ الْقَلْبِ فَلَا اَرٰى.

''آدم علیہ السلام کے وقت سے قیامت تک لوگ دل دل کہتے چلے آرہے ہیں اور مَیں اس امر کو درست رکھتا ہوں کہ ایک ایسا آدمی دیکھوں جو بیان کرے کہ دل چیز کیا ہے اور وہ کیسا ہوتا ہے مگر میں نے ایسا آدمی نہیں دیکھا''۔

اور عوام الناس پارۂ گوشت کو دل کہتے ہیں اور وہ گوشت پارہ مجانین واطفال اور مغلوب النفس لوگوں کے لیے دل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اہلِ دل نہیں بلکہ محض بے دل ہیں۔ تو دل کیا چیز ہوا؟ اگر دل وہ ہے جس سے انواع واقسام کی عبارتیں مسموع ہو رہی ہیں تو پھر اسے عقل کیوں نہ کہا جائے، وہ دل نہیں ہے۔

اور اگر روح کا نام دل رکھا جائے تو وہ بھی نہیں ہے اور اگر علم کو دل کہا جائے تو وہ بھی دل نہیں۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ دل وہ ہے کہ جس میں شواہد حقہ کا قیام ہو اور اس کے علاوہ جسے بھی دل کہو وہ عبارتی اور لفظی دل ہے، حقیقتاً دل نہیں۔

حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے پیر اہلِ تسلیم اندر طریق محبت مستقیم حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر نساج رضی اللہ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے تھے اور اعمال میں آپ بہترین واعظ گذرے ہیں۔ آپ کی عبارات نہایت مہذب ہوتی تھیں۔ عمر دراز پائی ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کی مجلس میں توبہ کی۔

آپ نے حضرت شبلیؒ کو محافظتِ مراحمِ جنیدؒ کے لیے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور آپ حضرت جنیدؒ کے ہمعصر تھے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بہت وقار کرتے تھے۔ حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فرامین گوشِ قبول سے سنا کرتے تھے۔

آپ کو ''خیر نساج'' اس وجہ میں کہا جاتا ہے کہ ایک بار آپ مؤلد سے سامرہ کی طرف بقصد حج تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں آپ کا گزر کوفہ میں ہوا۔ دروازہ کوفہ پر ایک خزباف یعنی ریشم بننے والے جلاہے نے پکڑ لیا اور کہا تم میرے غلام ہو اور تمہارا نام خیر ہے۔ آپ نے اس کی اس حرکت کو منجانب اللہ سمجھا اور اس کی مخالفت نہ کی۔ کئی سال اس کی خدمت کرتے رہے جبکہ وہ آپ کو پکارتا: یا خیر! تو آپ اس کے جواب میں لبیک فرماتے۔ یعنی وہ کہتا اے خیر، تو آپ

Marfat.com

فرماتے حاضر۔آخرش وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور ایک دن کہنے لگا،تشریف لے جائیں،مَیں نے غلطی کی،آپ میرے غلام نہیں ہیں۔

آپ وہاں سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ آگئے۔حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق فرمایا:خیر خیرۃ ''خیر ہماری نیکی ہے''،اور اسے آپ محبوب رکھتے جو آپ کو''خیر'' کے نام سے پکارتا اور آپ فرماتے کہ میرے لیے روا نہیں کہ ایک مردِ خدا میرا نام رکھے اور میں اس نام کو پلٹ دوں۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا،نماز مغرب کا وقت تھا۔جب آپ کو کیفیتِ غشیانی سے ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ملک الموت کھڑا ہے۔آپ نے فرمایا:

قِفْ عَافَاکَ اللّٰہُ فَاِنَّمَا اَنْتَ عَبْدٌ مَّامُوْرٌ وَّ اَنَا عَبْدٌ مَّامُوْرٌ وَّمَا اُمِرْتَ بِہٖ لَایَفُوْتُکَ وَمَا اُمِرْتُ بِہٖ فَھُوَ شَیْءٌ یَّفُوْتُنِی فَدَعْنِیْ اَمْضِیْ فِیْمَا اُمِرْتُ بِہٖ ثُمَّ امْضِ بِمَا اُمِرْتَ بِہٖ .

''ٹھہر،اللہ تجھے معاف فرمائے!بیشک تو بھی عبد مامور(حکم دیا ہوا بندہ)ہے اور میں بھی بندۂ حکمِ الٰہی ہوں اور جو کچھ تجھے حکم ملا ہے وہ ٹل نہیں سکتا،یعنی جان لینا لازمی ہے،اور جو حکم مجھے ملا ہے وہ میری فروگذاشت کی وجہ میں ٹل رہا ہے یعنی وقت نماز ہے وہ مجھے پڑھ لینے دے تاکہ میں اس حکم سے سبکدوش ہولوں جو مجھے حکم ملا ہے،پھر مَیں تجھے اجازت دوں گا کہ تو اپنے متعلقہ حکم کی تعمیل سے سبکدوش ہو''۔

پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا،نماز شام ادا فرمائی۔اُس کے بعد جانِ آفرین کو جان سپرد فرمائی۔اسی شب آپ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا۔پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا۔جواب دیا:

لَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ ھٰذَا وَلٰکِنْ اِسْتَرَحْتُ مِنْ دُنْیَاکُمْ.

''مجھ سے یہ نہ پوچھو،مگر اتنا بتائے دیتا ہوں کہ تمہاری اس دنیا سے بہت راحت میں ہوں''۔

آپ سے مروی ہے کہ اپنی مجلس خاص میں فرمایا:

شَرَحَ اللّٰہُ صُدُوْرَ الْمُتَّقِیْنَ بِنُوْرِ الْیَقِیْنَ وَکَشَفَ بَصَائِرَ الْمُوْقِنِیْنَ بِنُوْرِ حَقَائِقِ الْاِیْمَانِ.

Marfat.com

"متقی کو یقین بغیر چارہ نہیں کہ اس کا دل نور یقین سے کھلا ہوا ہے اور مومن کو حقائق ایمان بغیر چارہ نہیں کہ ان کی چشمہائے عقل نور ایمان سے منور ہیں"۔

تو جس جگہ ایمان ہوگا اور جہاں یقین ہوگا، تقویٰ بھی ہوگا۔ اس لیے یہ سب باہم دیگر تالع ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے داعی عصر، یگانہ دہر حضرت ابوحمزہ خراسانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قدماء مشائخ خراسان سے گزرے ہیں۔ حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے اور حضرت ابوسعید احمد خرازؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ توکل میں آپ کا قدم بہت راسخ تھا۔

ایک حکایت میں مشہور ہے کہ آپ ایک روز جاتے جاتے کنویں میں گر گئے۔ تین روز اسی کنویں میں رہے۔ ایک قافلہ اُدھر پہنچا۔ آپ نے دل میں کہا کہ انہیں آواز دوں۔ پھر دل میں ہی فرمایا کہ یہ اچھا نہیں ہے کہ اپنے ربّ کے سوا کسی سے مدد چاہی جائے بلکہ یہ شکایت اپنے مولا کی ہے جو غیر سے کی جائے۔ اس لیے کہ مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ میرے رب نے مجھے کنویں میں ڈالا، اب تم مجھے اس کنویں سے نکالو۔

کہتے ہیں کہ اس قافلہ کے لوگوں میں سے کسی نے اس کنویں کو دیکھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ یہ کنواں بر سرِ راہ ہے۔ اگر اسے بند کردیا جائے تو ہمیں ثواب ملے گا (اور یہ اِمَاطَةُ الْاَذٰی ہے یعنی تکلیف دہ اور ایذا رساں ہے اس کو ہٹا دینا ثواب ہے)۔ آخر ش وہ جمع ہوئے کہ اس کا منہ بند کردیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اضطراب محسوس ہوا اور مایوسی پیدا ہوئی۔ جب ان لوگوں نے کنویں کا منہ استوار کرنا شروع کیا اور تمام کنویں کا منہ پاٹ دیا اور واپس ہوگئے، مَیں اس بند کنویں میں اپنے رب کے حضور مناجات میں مشغول ہوگیا اور جان دینے کے لیے آمادہ ہوگیا اور تمام مخلوق سے ناامید تھا۔ جب شام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کنویں کے اوپر کچھ جنبش معلوم ہوئی۔ میں نے غور سے دیکھا کہ یہ کنواں کون کھول رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ایک سانپ کے مانند کوئی جانور ہے۔ اس نے اپنی دم نیچے لٹکا رکھی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ منجانب اللہ میری اس کنویں سے نجات اس کے ذریعہ مقرر ہے۔ میں نے فوراً اس کی دم پکڑ لی۔ اس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔

غیب سے فرشتے نے آواز دی اے حمزہ! تیری نجات بہت اچھی نجات ہے کیونکہ تجھے ایک بڑی ہلاکت کے بعد نجات ملی ہے۔

آپ سے لوگوں نے پوچھا غریب کون ہے؟ جواب دیا: اَلْمُتَوَحِّشُ مِنَ الْاُلْفَةِ "جو

Marfat.com

الفت سے بھاگنے والا ہو"۔ یعنی جس کو سب الفتوں سے وحشت ہوتی ہے وہ غریب ہے۔ اس لیے کہ دنیا اور عاقبت میں درویش کا وطن وحشت ہے اور الفت وطن میں وحشت ہوتی ہے۔ اور جب الفتِ محبوب کے سوا کائنات سے منقطع ہوگیا تو وہ تمام عالم سے متوحش ہوگا۔ اس وقت وہ غریب کہلائے گا اور یہ درجہ بہت بلند ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے داعی مریداں حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اجلہ بزرگان مشائخ سے گزرے ہیں اور تمام اولیاء کرام کا اتفاق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "اوتاد الارض" بنایا۔ آپ کو "قطب المدار" کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہے۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ "قطب" کون ہے۔ آپ نے ظاہر نہیں فرمایا لیکن اشارۃً بتایا کہ شاید جنید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے چالیس عارفانِ کامل کی خدمت کی اور ان سے فیض حاصل فرمایا اور علومِ ظاہری و باطنی میں آپ نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

مَنْ كَانَ سُرُوْرُهٗ بِغَيْرِ الْحَقِّ فَسُرُوْرُهٗ يُوْرِثُ الْهُمُوْمَ وَمَنْ لَّمْ يَأْنَسْ فِيْ خِدْمَةِ رَبِّهٖ فَأُنْسُهٗ يُوْرِثُ الْوَحْشَةَ.

"جو غیر اللہ کے ساتھ شاد و آباد ہے وہ مجسمۂ اندوہ وملال ہے اور جسے اپنے رب کے ساتھ موانست نہیں اس کا اُنس خالص وحشت ہے"۔

یعنی وہ چیز جو ماسوائے اللہ میں ہے اسے فنا ہے اور جو فنا کے ساتھ شاد ہے، وہ باطل کے ساتھ باطل ہوگا اور اس کا نتیجہ غم واندوہ ہے۔ اور سوائے اس ذات کے ہر شے "لا شے" ہے۔ تو لاشے سے اُنس رکھ کر جب اسے حقیر دیکھے گا تو اس کی حقارت اس پر منکشف ہوجائے گی۔ تو یہ اُنسِ وحشت ہی وحشت ہوگا۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ رویت غیر اللہ میں اندوہِ وحشت کے سواہ کچھ حاصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوعبداللہ بن محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے استادِ متوکلان، شیخ محققان حضرت ابوعبداللہ بن محمد اسماعیل مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں اور مقبولِ استاد، نگہبانِ مریدان مانے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص اور حضرت ابراہیم شیبانی رضی اللہ عنہما دونوں آپ کے مرید خاص

Marfat.com

تھے۔آپ کے براہین میں مباحثِ تجرید دنیا میں نہایت واضح تھے۔آپ کا قدم انقطاع دنیا میں نہایت مضبوط تھا۔آپ کا ارشاد ہے:

مَارَاَیۡتُ اَنۡصَفَ مِنَ الدُّنۡیَا اِنۡ خَدَمۡتَھَا خَدَمَتۡکَ وَاِنۡ تَرَکۡتَھَا تَرَکَتۡکَ.

''دنیا سے زیادہ منصف میں نے نہیں دیکھا،اگر تو اُس کی خدمت کرے تو وہ تیری خدمت کرتی ہے اگر تو اسے چھوڑ دے تو وہ تجھے چھوڑ دیتی ہے''۔

یعنی اگر تو اس سے اعراض کرے اور طلبِ ربّ عزاسمہٗ کو مضبوط کرے تو دنیا تجھ سے بھاگتی ہے اور اُس کے خطرات بھی تیرے دل پر نہیں آتے ۔تو جو شخص صداقت سے تارکِ دنیا ہوجائے وہ اس کے شر سے مامون ہوجاتا ہے اور اُس کی ہر قسم کی آفتوں سے نجات پاجاتا ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعۡلَمُ

حضرت ابوالحسن بن علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے پیر زمانہ اور زمانہ میں یگانہ حضرت ابوالحسن بن علی جرجانی رضی اللہ عنہ ہیں۔اپنے وقت میں بے نظیر عارف گزرے ہیں۔آپ کی بہت سی تصانیف ہیں،معاملات میں بھی آپ نے تالیفات فرمائیں اور رویت آفاتِ نفس میں بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔

آپ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر گزرے ہیں اور حضرت ابراہم سمرقندیؒ آپ کے مرید تھے۔آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلۡخَلۡقُ کُلُّھُمۡ فِیۡ مَیَادِیۡنِ الۡغَفۡلَۃِ یرۡکُضُوۡنَ وَعَلَی الظُّنُوۡنِ یَعۡتَمِدُوۡنَ وَعِنۡدَھُمۡ اَنَّھُمۡ فِی الۡحَقِیۡقَۃِ یَنۡقَلِبُوۡنَ عَنِ الۡمُکَاشَفَۃِ یَنۡطِقُوۡنَ.

''دنیا کے لوگ غفلت کے میدانوں میں ہیں اور اپنی توہمات وظنیات پر اعتماد رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ سب باتیں مبنی برحقیقت ہیں اور ان کی زبانی باتیں اسرار ومکاشفات کے ساتھ ہوتی ہیں''۔

اس فرمان میں آپ کا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عوام گمانِ طبع اور غرورِ نفس پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کوئی جاہل اپنی جہالت کا معترف نہیں ،بالخصوص صوفیوں میں جو جاہل ہیں وہ بہت سخت ہیں۔

ایسے ہی علماء بھی اہل دنیا کے ہیں تو وہ اپنے کو ''اَعۡزُمَا خَلَقَ اللّٰہُ'' سمجھے بیٹھے ہیں یعنی

Marfat.com

تمام دنیا میں انہیں اپنے سے زیادہ عزت والا کوئی نظر نہیں آتا۔ تو پھر عوامِ جہاں میں بھی "اَذَلُّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ" ہوگئے ہیں کہ ان سے زیادہ ذلیل اللہ کی مخلوق میں کوئی نہیں۔

حالانکہ عالم کی یہ شان ہونی چاہیے تھی کہ اُن کی بات سوائے حقیقت حال نہ ہوتی اور غرور ونخوت ان میں قطعاً نہ ہوتا اور جاہلوں میں تو وجودِ حقیقت ہونا ہی محال ہے، تو ان میں غرور لازمی ہے۔

غرضیکہ سب غفلت کے میدان میں متحیر ہیں اور گمانِ باطل لیے بیٹھے ہیں کہ ہم جس حال میں ہیں وہ ولایت ہے اور اپنے ظن ووہم پر یقین کر کے سمجھ رہے ہیں کہ یہ خالص یقین ہے اور رسمِ تصوف کے موافق ہے، اور اپنی حرصِ آز کے ماتحت باتیں کر کے اسے مکاشفہ بنا بیٹھے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اسرار سے باز نہیں آتا مگر رویتِ جمال وجلالِ حق کے ساتھ یا اظہارِ جمال اُن پر اتنا مستولی ہو جائے کہ ہر شے میں جلوۂ ذات کا مشاہدہ کرے اور اپنی شان کو فانی دیکھے اور کشفِ جلالِ ذات کے وقت اپنے وجود کو قطعاً نہ دیکھے اور اپنے وجود کا واہمہ بھی اس کے دل میں نہ ہو۔

حضرت ابو محمد احمد بن حسین حریری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے باسطِ علوم واضحِ رسوم حضرت ابو محمد احمد بن حسین حریری رضی اللہ عنہ ہیں۔ معاصرین حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں اور حضرت سہل بن عبداللہؒ کے صحبت یافتہ تھے اور تمام علوم میں بہترین مہارت رکھتے تھے اور فقہ کے امامِ وقت گزرے ہیں اور اصول میں نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے اور طریقت وتصوف میں اتنا بلند پایہ تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمایا کہ ہمارے مریدوں کو ادبِ تصوف اور ریاضتِ علم کی تعلیم دیں۔ حتیٰ کہ حضرت جنیدؒ کے بعد ان کی سجادگی آپ کو حاصل ہوئی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

دَوَامُ الْاِیْمَانِ وَقَوَامُ الْاَدْیَانِ وَصَلَاحُ الْاَبْدَانِ فِیْ ثَلَاثَةٍ اَلْاِکْتِفَاءُ وَالْاِتِّقَاءُ وَالْاِحْتِمَاءُ فَمَنِ اکْتَفٰی بِاللّٰهِ صَلُحَتْ سَرِیْرَتُهٗ وَمَنِ اتَّقٰی مَا نَهَاهُ اللّٰهُ عَنْهُ اسْتَقَامَتْ سِیْرَتُهٗ وَمَنِ احْتَمٰی مَا لَمْ یُوَافِقْهُ ارْتَاضَتْ طَبِیْعَتُهٗ فَثَمَرَةُ الْاِکْتِفَاءِ صَفْوَةُ الْمَعْرِفَةِ وَعَاقِبَةُ الْاِتِّقَاءِ حُسْنُ الْخَلِیْقَةِ وَغَایَةُ الْاِحْتِمَاءِ اِعْتِدَالُ الطَّبِیْعَةِ.

"ایمان کا دوام واستمرار اور قوام وقیام دین اور اصلاح جسم تین چیزوں میں ہے: ایک کفایت کرنا دوسرا پرہیز گاری اختیار کرنا۔ تیسرے غذا میں احتیاط

Marfat.com

رکھنا، جو شخص اپنے ربّ کے ساتھ اکتفا کرے اس کے باطن کی اصلاح ہو
جاتی ہے اور جو تقوٰی حاصل کرے اور پرہیز گار ہو جائے اس کی عادت
وخصلت نیک ہو جاتی ہے اور جو غذا میں احتیاط رکھے اس کا نفس ریاضت سے
پاک و درست ہو جاتا ہے۔ تو ثمرۃ اکتفا صفائی قلب ہے اور انجام تقوٰی اور
پرہیز گاری حُسن خلق ہے اور احتیاط غذا کا نتیجہ تندرستی اور اعتدالِ
طبیعت ہے۔''

یعنی جو اپنے ربّ کے ساتھ توکل کرے، اس کا عرفان بلند اور قلب مصفّٰی ہو جاتا ہے اور جو اعمال میں تقوٰی کا پابند ہو اس کا خلق درست ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں عزت پا جاتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَثُرَتْ صَلٰوَاتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ.

''جو رات میں نمازیں زیادہ پڑھے اس کا چہرہ دن میں بہت منور ہو جاتا ہے''۔

دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن متقیوں کی جب جماعت آئے گی تو: وُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ عَلٰى مَنَابِرِ مِنْ نُّوْرٍ ''تو ان کے چہرے ممبروں پر منور ہوں گے اور ممبر بھی نوری ہوں گے۔'' اور جو غذا میں احتیاط رکھے تو اُس کا تن ہر بیماری سے محفوظ رہے اور یہ کلام نہایت جامع ہے اور یاد رکھنے کے قابل۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن سہل آملی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ ظرفا، قدوہ اہل وفا و صفا حضرت ابو العباس احمد بن محمد سہیل آملی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بزرگان مشائخ سے گزرے ہیں اور اپنے ہمعصروں میں محتشم مانے گئے ہیں۔ علم تفسیر و علم تجوید کے بڑے عالم تھے۔ لطائف قرآنی کے بیان میں آپ مخصوص تھے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے مریدانِ خاص میں تھے۔ حضرت ابراہیم مارستانی ؒ کے صحبت یافتہ تھے اور حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ آپ کی بہت عزت فرماتے تھے بلکہ آپ کے سوا کسی کو علم تصوف میں تسلیم نہیں فرماتے تھے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلسُّكُوْنُ اِلٰى مَا لُوْفَاتِ الطَّبَائِعِ يَقْطَعُ صَاحِبَهَا عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ.

''جس چیز کی طرف رغبتِ طبع ہو اُس سے آرام سکون حاصل کرنا بلندیٔ

Marfat.com

حقائق کے درجات سے گرا دیتا ہے"۔

یعنی جو مالوفات کے ساتھ آرام حاصل کرے وہ حقیقت آشنائی سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس لیے کہ امزجہ اور طبائع، آلات و اوزارِ نفس ہیں اور نفس، محل حجاب ہے اور حقیقت محل کشف۔ تو جو طالب محبوب ہے اور اس سے سکون چاہتا ہے جبکہ مکاشف نہیں تو ادراکِ حقائق کیونکر کر سکے گا۔ اس لیے کہ محل کشف سے وہ محجوب ہے چنے ہوئے اعراض سے جو مالوف طبع ہیں اور رجحان طبع دو چیزوں پر ہوتا ہے: ایک دنیا کے تمام ملحقات کے ساتھ دوسرے عقبیٰ اور اس کے تمام احوال کے ساتھ۔

دنیا کے ساتھ بوجہ جنسیت الفت ہوگی یا عقبےٰ کے ساتھ بوجہ ناجنسیت، اور نادیدہ ہونے کے تو نفسِ عاقبت کے ساتھ الفت محض گمان پر کرتا ہے نہ کہ اس کی حقیقت عینیہ سمجھ کر۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس حقیقت آشنا نہیں ہوتا۔ اگر حقیقت شناس ہوتا تو دنیا سے اپنا تعلق قطع کر لیتا اور جب ایسی دنیا سے انقطاع کر لیتا تو ولایت طبع طے ہو جاتی اور ولایت طبع کے طے ہو جانے سے مکاشفۂ حقیقت ہو جاتا ہے کیونکہ عافیت کا خویش بالطبع فاطبع ہے: لِاَنَّ فِيْهَا مَا لَاخَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ. "اس لیے کہ اس میں قلبِ بشر پر عقبےٰ کا تصور نہیں آ سکتا"۔ کہ وہ راہ کیسی پُرخطر ہے، اور جو چیز بذریعہ کشف دل میں مستحضر ہو اس کا خطرہ نہیں ہوتا اور جب معرفت حقیقت عقبےٰ سے واہمہ انسان ہی عاجز آ جاتا ہے، تو پھر طبعیت اس کے عین حقیقت سے کیونکر الفت کر سکتی ہے۔ تو یہ بات صحیح ہوئی کہ الفت طبعیت گمان عاقبت سے ہے۔ واللہ اعلم

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے مستغرق معنی، ابو الغیث حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ سرمستانِ بادۂ وحدت اور مشتاقِ جمالِ اَحدیت گزرے ہیں اور نہایت قوی الحال مشائخ میں سے تھے۔

آپ کی شان میں مشائخ طریقت کے علیحدہ علیحدہ فیصلے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک گروہ تو آپ کو مردود کہہ گیا۔ ایک گروہ آپ کو مقبولِ بارگاہ بتا گیا۔

مردود کہنے والوں میں سے ۱۔ عمرو بن عثمان مالکی، ۲۔ ابو یعقوب نہر جوری، ۳۔ ابو ایوب اقطع، ۴۔ علی بن سہل اصفہانی وغیرہ ہیں اور مقبولِ بارگاہ ماننے والے متاخرین میں بازیدہ عطا محمد بن حنیف، ابو القاسم نصر آبادی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور اُن کے علاوہ تمام متاخرین صوفیہ انہیں مقبول مانتے چلے آرہے ہیں۔

Marfat.com

اور ایک گروہ اور ہے جو آپ کے معاملہ میں توقف کرتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادی، حضرت شبلی، حضرت حصری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور ایک گروہ نے آپ کو جادو وغیرہ اسباب ظاہری کے ساتھ منتسب کیا ہے، لیکن حضرت شیخ المشائخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس شقانی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حسین بن منصور کو صاحب سِرّ مانتے تھے اور ان لوگوں کے نزدیک حسین بن منصور ایک عارف کامل بزرگ تھے۔

لیکن استاذ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اربابِ معانی وحقیقت میں سے تھے تو لوگوں کے مطعون کرنے سے ایک عارف مہجور نہیں ہوسکتا اور اگر وہ مہجور فی الطریق والعرفان تھے اور مردودِ بارگاہ۔ تو مخلوق کے مقبول بنانے سے وہ مقبول نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا ان کا معاملہ ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں اور جس قدر ان سے ہم علاماتِ عرفانی دیکھتے ہیں، اسی حد تک ہم اُنہیں بنظر عظمت سمجھتے ہیں۔

اور مشائخ میں علاوہ چند کے کوئی ان کی مقبولیت کا منکر نہیں بلکہ تمام مشائخ ان کے کمال فضل اور صفائی حال اور کثرتِ اجتہاد وریاضت کے معترف ہیں، اور ان کے حالات کا اس کتاب میں ذکر نہ کرنا ایک حد تک بے امانتی وخیانت تھی۔ اس لیے کہ بعض لوگ اربابِ ظواہر سے جو ہیں وہ ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی شانِ عرفان کے منکر ہیں اور ان کے تمام کمالات وخوارقِ عادات امور کو مکر اور جادو کے ساتھ نسبت کرتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ یہ حسین بن منصور بن حلاج بغدادی ہے، جو محمود بن زکریا کا استاذ اور ابوسعید قرمطی کا رفیق خاص ہے۔ حالانکہ وہ ''حسین بن منصور بن صلاح'' ہے اور یہ ''حسین بن منصور حلاج'' ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر وہ حسین بن منصور جو ابن صلاح ہے وہ بغداد کا ہے، یہ حسین بن منصور حلاج [illegible] مقام ''بیضا'' کے ہیں۔

اور جو مشائخ حضرت حسین بن منصور حلاج ہی کو مردود ومہجور مانتے ہیں اور ان کے دین میں بھی طعن کرتے ہیں کہ یہ طعن درحقیقت ان کے دین میں نہیں بلکہ ان کے کیفیتِ حال پر ہے۔ وہ یہ کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ پہلے حضرت سہل بن عبداللہؒ سے بیعت ہوئے پھر ان کی بلا اجازت ان سے علیحدہ ہو کر حضرت عمر بن عثمان مکیؒ سے ملے، وہاں بھی مستقل طور پر نہیں رہے اور وہاں سے بھی بلا اجازت چل دیئے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر تعلق کر لیا۔ مگر حضرت جنیدؒ نے انہیں قبول نہ فرمایا اور اس وجہ میں سب نے انہیں اپنے یہاں سے رَدّ کر دیا تو اس صورت میں آپ کو مہجور معاملت کہا جاسکتا ہے نہ کہ اصل میں آپ کو مردود مذہب مانا جائے۔

Marfat.com

دیکھتے نہیں کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسین بن منصور کی شان میں کیا فرما رہے ہیں۔ آپ کا اعلان ہے:

اَنَا وَالْحَلَّاجُ فِیْ شَیْءٍ وَّاحِدٍ فَخَلَّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَهْلَکَهٗ عَقْلُهٗ.

''میں اور حسین بن منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرا دیا اور حسین بن منصور کو اس کی عقلمندی نے ہلاک کر دیا''۔

اگر (معاذ اللہ) وہ بے دین ہوتے تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک چیز ہی ہیں۔ حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: هُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ ''حسین بن منصور حلاج عالم ربانی تھے'' اور ایسے ہی اوروں نے بھی بہت کچھ تعریف کی اور انہیں بزرگ بتایا۔

تو مشائخ کرام کی خوشنودی اور ان کی طرف سے عاق کر دینا اس امر کو مستلزم نہیں کہ انہیں اسلام و مذہب سے بھی خارج کر دیا جائے بلکہ یہ مہجوری طریقت کی مانی جائے گی اور اس کا طریقہ وحشت و اضطرار ہوتا ہے۔

آپ کی تصانیف مشہور ہیں اور آپ کے رموز اور کلام نہایت مہذب ہیں جو اصول و فروع میں آپ نے فرمائے اور لکھے اور میں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) نے پچاس رسالے ان کی تصنیف کیے ہوئے بغداد و حوالی بغداد میں دیکھے۔ بعض خورستان میں بعض فارس و خراسان میں۔ سب میں ہم نے ایسی باتیں دیکھیں جو مرید ابتداء سلوک میں کیا کرتا ہے اور اُن تصانیف میں بعض رسالے نہایت معمولی، بعض کچھ آسان، بعض نہایت ادق مضمون سے پُر تھے۔ اور یہ حالت کے ساتھ بات ہے۔ جب تجلی حق ہونے لگتی ہے تو اس کی قوتِ حال اس کی زبان و قلم پر بعض بار ایسی جلدی اور عجلت سے مضمون آ جاتے ہیں کہ ناواقف دیکھ کر تعجب ہی نہیں کرتا بلکہ اس کا وہم اس کے سننے سے متنفر ہو جاتا ہے اور عقل اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو جو آشناء رمز خاصانِ بارگاہ ہے وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مضمون بہت بلند ہے اور جو جماعت بے خبر اور رموزِ طریقت سے ناآشنا ہوتی ہے وہ قطعی منکر ہو جاتی ہے۔ تو ان کا انکار بھی بمنزلہ اقرار کے ہوتا ہے اس لیے کہ وہ سمجھے بغیر منکر ہو کر اقرار کر رہے ہیں کہ یہ مضمون ہمارے محدود معلومات و بصارت کے ماتحت غلط ہے۔ مگر جب اہل بصیرت و محققان حقیقت دیکھتے ہیں تو وہ اُن منکرین کی ہمنوائی نہیں کرتے اور خدمت و تعریف دونوں سے علیحدہ ہو کر ساکت ہو جاتے ہیں (اس لیے کہ جانتے ہیں کہ ان منکرین کی عقل نارسا وہاں تک پہنچ نہ سکے گی۔ لہٰذا ان سے اعراض ہی مناسب ہے) تو منکر کو کہہ دیتے ہیں کہ تیرا انکار تیری حیثیتِ علمی سے صحیح ہے (اور جاننے والے تو پہلے ہی ہمنوا ہوتے ہیں

Marfat.com

تو اُن سے کہنا تحصیل حاصل ہوتا ہے)۔

اور وہ لوگ جو اس مردِ خدا کے احوال کو سحر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، یہ انتساب اُن کی ذات سے محال ہے، اس لیے کہ اگرچہ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک جادو بھی ویسا ہی حق ہے جیسا کہ کرامتِ اولیاء کو حق مانا جاتا ہے، لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ساحری کے کمال کا مظاہر کفر ہے اور کمالِ حال میں کرامت کا اظہار کمالِ معرفت۔ تو ایک کا نتیجہ کمال غضبِ الٰہی ہے اور ایک کا نتیجہ قرینِ رضاءِ مولا ہونا۔

اور اس بحث کو تفصیل اثباتِ کرامات کے باب میں بیان کیا جائے گا۔

اور بالاتفاق اہل بصیرت واہلسنت، ایک مسلمان خاسر اور ساحر نہیں ہوسکتا اور ایک کافر مکرم اور واجب التکریم نہیں بن سکتا، اور ظاہر ہے کہ سحر وکرامت میں ضد ہے اور اجتماع اضداد محال ہے اور حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ اپنی مدت العمر میں لباسِ صلاحیت کے ساتھ مزین رہے، نماز کے پابند ذکر ومناجات میں لیل ونہار گزارنے والے۔ روزہ کے پابند اور آپ کی حمد نہایت مہذب تھی اور توحید میں نہایت لطیف نکتہ بیان فرماتے تھے۔ اگر وہ جادو کا کام کرنے والے ہوتے تو صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور ذکر اذکار میں سرگرمی اُن سے محال تھی۔ تو صحیح طور پر ثابت ہوا کہ اُن سے جو امورِ خارق عادات ظہور میں آئے، وہ کرامت تھی اور کرامت سوائے ولی کے محقق نہیں ہوسکتی۔

بعض اہل تصوف اُن کو اس وجہ میں ردّ کرتے ہیں کہ اُن کے بعض کلمات سے امتزاج واتحادِ مذاہب کا مفہوم نکلتا ہے۔ یہ اعتراض بھی عبارت پر ہے نہ کہ ان کی حقیقتِ معنی پر۔ اس لیے کہ غلبۂ حال میں صوفی اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ وہ اداءِ عبارت پر قدرت نہیں رکھتا اور اس سے امکانِ عبارت ناممکن ہوجاتا ہے، اگرچہ عبارت فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے۔ (مگر اس میں اس قدر اغلاق ہوتا ہے کہ عوام اور اہل ظواہر اس کی حقیقت معنی کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں)۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معنی عبارت اس قدر مشکل ہوں کہ اس کے مفہوم ومقصود کو عوام نہ سمجھ سکیں، اس وجہ میں اس کے منکر ہوجائیں۔ لیکن یہ انکار اُن کے سمجھنے کا انکار ہے نہ کہ اس عبارت کا۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ ہم نے بغداد اور اس کے گردونواح میں ملحدین کا گروہ دیکھا جو اپنے آپ کو حسین منصور حلاج رضی اللہ عنہ کا معتقد ظاہر کرتا ہے اور اپنے الحاد وزندقہ میں اُن کے کلام پر حجت لاتا ہے۔ اور اس گروہ کا نام ہی ''حلاجی'' ہے اور حضرت حسین بن حلاجؒ کے معاملہ میں اس حد

Marfat.com

تک غلو کرتا ہے جس حد تک روافض محبتِ علی کرم اللہ وجہہ میں کرتے ہیں۔

ان کی ردّ میں ایک باب ہم لائیں گے۔اُس میں ان سب فرقوں کا حال بیان کریں گے۔انشاءاللہ العزیز۔

تو اس امر کا خیال رہے کہ اس قسم کے مغلوب الحال صوفیوں کے کلام کا اتباع نہیں کرنا چاہئے۔اس لیے کہ وہ اپنے حال میں اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ ان میں استقامت قطعی نہیں ہوتی اور صوفیائے کرام میں اُن کی پیروی کرنی چاہیے جو صاحبِ استقامت ہیں۔ میں حسین بن منصور حلاج رحمہ اللہ کو بحمد اللہ تعالیٰ اپنے دل میں عزیز رکھتا ہوں اور اُن کی عظمت میرے دل میں ہے،لیکن یہ یقینی بات ہے،ان کی حالت مستقیم نہ تھی بلکہ وہ طریقت میں مغلوب الحال تھے، اور ہر مغلوب الحال کا کلام فتنہ سے خالی نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے کلام سے بہت زیادہ خوفِ فتنہ ہے بلکہ میرے ساتھ بھی میری ابتدائے زمانہ میں ایسی کیفیت حالیہ گزر چکی ہے۔

میں نے حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے کلام کی شرح بھی لکھی ہے اور اس کتاب میں دلائل وحجج باہرہ کے ساتھ ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ کلام اتنا بلند ہے کہ اس کو اربابِ حال کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

اور ایک کتاب مسمّٰی ''منہاج الدین'' ہماری تالیف ہے۔اس میں حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے ابتداء حال سے انتہا تک تمام کوائف ذکر کیے ہیں۔یہاں بھی ہم نے مختصراً ان کا کچھ تذکرہ کردیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس راستہ میں اس قدر پہلو موافق ومخالف نظر آئیں اس کی پیروی سے احتراز کرنا لازم ہے (مگر زبان طعن دراز کرنے سے بھی اجتناب کیا جائے) اور جو نفسانی خواہشات اور ہویٰ پرستی کے متبع ہیں وہ ہر جگہ ایسے امور کے متلاشی ہوتے ہیں جس سے کجی اور تنفر پیدا ہو (اُن سے بھی بچنا چاہیے)۔

آپ کا ایک فرمان ہے جو آپ نے فرمایا:

اَلْاَلْسِنَةُ مُسْتَنْطِقَاتٌ تَحْتَ نُطْقِهَا مُسْتَهْلِكَاتٌ.

''یعنی گویا زبان،خاموش وبے زبان دل کی ہلاکت ہے''۔

یہ عبارت عوام کے لیے خاص آفت ہے۔اس کے معنی میں حقیقتِ معنی کے بغیر بے ہودگی ہے اور جب اس کے معنی حاصل ہوجائیں تو وہ اس عبارت سے مفقود نہیں ہوتے۔اس

Marfat.com

لیے کہ جب معنی مفقود ہو جائیں تو عبارت کے ساتھ موجود نہیں ہو سکتے۔

غرضیکہ ایسی عبارتیں طالب کو ہلاکت کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں سوا اس کے کہ عبارت پڑھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کے یہ معنی ہیں۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سرہنگِ متوکلان، سالارِ مستسلمان ابو اسحاق حضرت ابراہیم بن احمد خواص رضی اللہ عنہ ہیں۔ توکل میں عظیم الشان تھے اور نہایت بلند رتبہ والے گزرے ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ کو پا چکے ہیں، آپ کی کرامتیں بہت ہیں، اعمال طریقت میں آپ کی تصانیف بھی بہت ہیں۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلْعِلْمُ کُلُّهُ کَلِمَتَيْنِ لَا تَتَكَلَّفُ فِيْمَا كَفَيْتَ وَلَا تُضِيْعُ مَا اسْتَكْفَيْتَ.

"یعنی علم سارا دو کلموں میں ہے: ایک یہ کہ جس چیز کا اندیشہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے اٹھا لیا، اس میں تکلیف نہ کر۔ دوسرے یہ کہ جو تجھے کرنا ہے اور جو کچھ تجھ پر فرض و لازم ہے اُسے ضائع نہ کر تا کہ دنیا و آخرت میں خوش رہے۔"

اس فرمان سے یہ مراد ہے کہ نوشتۂ قسمت میں تکلیف نہ کر۔ اس لیے کہ جو تیرے لیے مقسوم ہے وہ تیری جدو جہد سے بدل نہیں سکتا اور جو حکم تجھے بذریعہ شرع ملا ہے اس کی تعمیل میں قصور نہ کر، اس لیے کہ ترکِ فرمان تیرے لیے موجب عذاب ہے۔ آپ سے کسی نے پوچھا کہ عجائبات میں سے آپ نے کیا ملاحظہ کیا؟ فرمایا: بہت سے عجائبات دیکھے مگر اس سے زیادہ تعجب ناک بات میرے نزدیک کوئی نہیں: حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے اجازتِ صحبت چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔ عرض کیا گیا: حضور کیوں انکار فرما دیا۔ فرمایا: اس لیے نہیں کہ اُن سے بہتر کا میں متلاشی تھا بلکہ اس خوف سے کہ کہیں اپنے رب عزوجل کے سوا غیر پر میرا اعتماد نہ ہو جائے اور ان کی صحبت میرے توکل کو نقصان نہ پہنچا دے اور نفل میں پڑ کر ادائے فرض سے کہیں نہ رہ جاؤں۔ یہ آپ کے درجۂ کمالِ توکل کی دلیل تھی۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ:

اہلِ یقین حضرت ابو حمزہ بغدادی رضی اللہ عنہ ہیں کہ یکتائے متکلمین اور مشائخ اہل بغداد سے گزرے ہیں۔ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ

Marfat.com

علیہ کے صحبت یافتہ تھے اور حضرت نوری اور خیر نساج رحمہما اللہ کے ہمعصر تھے اور علاوہ ان کے بڑے بڑے مشائخ کرام کے ساتھ رہے ہیں۔ ''مسجد رصافہ'' میں بغداد کے اندر آپ وعظ فرمایا کرتے تھے اور علمِ تفسیر و قراءت فنِ رواۃ کے زبردست عالم گزرے ہیں اور حدیث میں بھی آپ کو کافی مہارت تھی۔

اور یہ وہ ہیں کہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بلا کے موقع پر یہ ساتھ تھے۔ آخرش اللہ تعالیٰ نے سب کو اس بلا سے نجات دی۔ اس کی تفصیل ہم مذہب نوری کا جہاں ذکر کریں گے وہاں بیان کریں گے، ان شاء اللہ۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

" اِذَا سَلِمْتَ نَفْسَکَ فَقَدْ اَدَّیْتَ حَقَّهَا وَاِذَا سَلِمَ مِنْکَ الْخَلْقُ قَضَیْتَ حُقُوْقَهُمْ۔"

''جب تُو اپنے نفس سے سلامتی حاصل کرلے تو تُو نے اپنی حفاظت کا حق ادا کر دیا اور جب خلق تجھ سے سلامتی حاصل کرلے تو تو نے حقِ مخلوق ادا کر دیا۔''

یعنی حق دو ہیں: ایک نفس کا حق تجھ پر اور ایک مخلوق کا حق تجھ پر۔ تو جب تُو نے اپنے نفس کو معصیت سے روک لیا اور طریقۂ سلامتی عقبیٰ پر اسے چلایا، اس کا حق ادا کر دیا اور جب مخلوقات کو اپنے شر سے ایمن کر دیا اور ان سے برائی نہ کی تو مخلوق کا حق ادا کر دیا۔ گویا ایسی حالت میں زندگی گزار کہ تجھ کو خلائق سے اور تجھ سے خلائق کو کوئی برائی نہ پہنچے، اس کے بعد حقِ عبودیت اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے امامِ عالی مقام حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ محققانِ مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ حقائق شناسی میں عظیم الشان شخصیت تھی اور مدارجِ تصوف میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ مشائخ کرام میں آپ ستودہ صفات مانے گئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے ہم صحبتوں سے گزرے ہیں۔ آپ کا کلام اس قدر دقیق ہے کہ اہلِ ظواہر کی اس کے مفہوم تک رسائی نہیں۔ اسی وجہ میں آپ نے اپنا کلام قلمبند نہیں فرمایا اور آپ کا کسی شہر میں قیام نہیں رہتا تھا (اسی وجہ میں کہ غالباً ہر جگہ نااہلوں سے واسطہ پڑتا ہوگا وہاں سے پراگندہ خاطر ہو کر دوسرے شہر کو تشریف لے جاتے ہوں گے)۔ سیاحت کرتے کرتے جب آپ مقام ''مَرو'' تشریف لائے تو اہلِ مَرو کو آپ نے باعتبارِ طبع لطیف اور نیک سیرت پایا اور اہلِ مَرو نے بھی آپ کی عظمت کی اور

Marfat.com

آپ کے پند و نصائح گوشِ دل سے سُنے۔ چنانچہ بقیہ عمر یہیں پوری فرمائی۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلذَّاکِرُوْنَ فِیْ ذِکْرِہٖ اَکْثَرُ غَفْلَۃً مِنَ النَّاسِیْنَ لِذِکْرِہٖ۔

"یاد کرنے والوں کو یاد کرنے میں، فراموش کر دینے والے سے ذکر میں زیادہ غفلت ہوتی ہے۔"

اس لیے کہ ربّ جل مجدہٗ کو یاد رکھتے ہوئے اگر اس کا ذکر بھول جائے تو اتنا نقصان نہیں اور بڑا نقصان اس میں ہے کہ اُسے فراموش کر دے اور اس کا ذکر کرتا رہے۔ اس لیے کہ ذکر ایک علیحدہ چیز ہے اور مذکور علیحدہ۔ تو جو خیال، ذکر میں مذکور کی ذات کو فراموش کر دے اور اس سے روگرداں ہو جائے تو یہ بہت بڑی غفلت ہے کہ اس میں ذکر غیر ہے بہ نسبت اس کے کہ مذکور کی یاد کا گمان بھی نہ رہے بلکہ بھول جائے تو اس بھولنے والے کو باوجود ذکر، غفلت سے قریبؔ ہے اور بھولنے والے کو نسیان و غفلت میں حجاب غیبت ہی ہے اور مشاہدۂ حضور نہیں۔ تو ذکر میں بحالتِ ذکر یاد اور تصورِ مذکور اگر ہے تو حجابِ غیبت میں بھی اُس کے لیے حضور ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ اگر حضوری کا خود خیال کرے تو صوفی غفلت کے نزدیک ہے، اس لیے کہ طالب حق کے لیے اپنی طرف سے خواہش کرنا ہی ہلاک ہے کیونکہ اس راہ میں اگر گمان زیادہ ہو جائے تو معنی گم ہو جاتے ہیں اور اگر معنی زیادہ ہو جائیں تو گمان گم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت صوفی کو گمان ہی جب ہوتا ہے جب عقل کے ساتھ وہ متہم ہو اور جب تک عقل کے ساتھ وہ متہم ہے ارادۂ نفسانی لازمی ہے اور یہاں ہمت کو تہمت اور ارادے سے کوئی تقرب کی منزل حاصل نہیں ہوتی، اور جسے حقیقۃً ذکر کہتے ہیں وہ یا تو حالِ غیبت میں ہوتا ہے یا مقامِ حضور میں۔ (۱)

اور ذاکر مشاہدۂ حضورِ حق کر لیتا ہے تو پھر ذکر نہیں رہتا بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے اور جب غائب از حق ہو اور اپنے وجود سے مطلع تو اگرچہ ذکر ہوتا ہے مگر اُسے ذکر نہیں کہتے بلکہ وہ غیبت ہے اور غیبت درحقیقت غفلت ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سکینۂ احوال، سفینۂ مقال حضرت ابو بکر دلف بن جحد شبلی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۱۔ یہی پردۂ دوئی ہے یہی ہے حجاب جاناں — جو یہ آرزو ہے دل میں کہ وصالِ یار ہوتا

از مترجم غفرلہ

Marfat.com

بزرگانِ مشائخ سے گزرے ہیں اور آپ کے لیل ونہار نہایت مہذب ومطیب بحق گذرے ہیں۔
آپ کے اشارات لطیف وستودہ ہیں۔ چنانچہ ایک متاخرین سے فرماتے ہیں:

"ثَلَاثَةٌ مِنْ عَجَائِبِ الدُّنْيَا اِشَارَاتُ الشِّبْلِيِّ وَنُكَتُ الْمُرْتَعِشِ وَحِكَايَاتُ جَعْفَرَ"

"عجائبات عالم میں تین چیزیں ہیں: حضرت شبلی کے اشارات اور مرتعش کے نکتہ اور جعفر کی حکایتیں۔"

آپ قوم کے بہت بڑے لوگوں میں سے تھے۔ اربابِ طریقت میں ساداتِ طریق سے شمار کیے گئے ہیں۔ ابتداء میں خلیفۂ وقت کے داروغہ ڈیوڑھی تھے۔ حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آپ تائب ہوئے اور تعلق بیعت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ بہت سے مشائخ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ (۱)

"اے محبوب! مؤمنین کو حکم فرماؤ کہ وہ چشم سر کو نظر شہوت سے نگاہ رکھیں اور چشمِ دل کو ماسوئ اللہ سے اور انواعِ فکر واندیشہ سے محفوظ کر کے رویتِ ذات کا خیال رکھیں۔"

اس لیے کہ شہوۃ کا اتباع اور محارم کے گھورا گھاری غفلت میں سے ایک غفلت ہے۔ اہلِ غفلت کے لیے عذابِ مہین یعنی نہایت ذلیل کرنے والا وہ عذاب ہے جو انہیں اپنے عیبوں سے جاہل کہہ رہا ہے اور جو اس دنیا میں جاہل رہا، وہ عقبیٰ میں بھی جاہل ہی رہے گا۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (۲)

"جو دنیا میں عیب وصواب کی طرف سے اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔"

جب تک اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے اراداتِ شہوت کی نجاست نہ نکال دے اس وقت تک اس کی چشمِ سر غوامض یعنی جن سے آنکھ بند ہونا ضروری ہے، محفوظ نہیں رہ سکتی اور جب تک اپنی محبت کسی کے دل میں ثابت نہ کرے، اس کی چشمِ سر بلا نظارۂ غیر محفوظ نہیں رہ سکتی۔

۱۔ سورۃ النور: ۳۰ ۲۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۷۲

Marfat.com

آپ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دن آپ بازار میں تشریف لائے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا: ھٰذَامَجْنُوْنٌ "یہ دیوانہ" ہے۔آپ نے فرمایا:

"اَنَاعِنْدَکُمْ مَّجْنُوْنٌ وَّاَنْتُمْ عِنْدِیْ اَصِحَّاءُ فَزَادَنِیَ اللّٰہُ فِیْ جُنُوْنِیْ وَزَادَکُمْ فِیْ صِحَّتِکُمْ"

"میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو، میرا جنون شدتِ محبتِ محبوب سے ہے اور تمہاری صحت قوتِ غفلت سے، تو اللہ عزوجل میری دیوانگی زیادہ کرے تا کہ میرا تقرب قرب سے اقرب ہو اور تمہاری ہوشیاری زیادہ کرے تا کہ تمہارا بُعد موجود بُعد سے ابعد ہو جائے۔"

اور یہ ارشاد آپ کا بمقتضائے غیرت تھا کہ یہ لوگ دوست اور دیوانہ میں تمیز نہیں کرتے اور انہیں اپنی غفلت کا احساس نہیں تو یہ آخرت میں بھی ایسے ہی بے حس ہوں گے۔واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت ابومحمد بن جعفر بن نصیر خالدی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے حا کی احوال بہ الطف اقوال وادا حضرت ابومحمد بن جعفر بن نصیر خالدی رضی اللہ عنہ ہیں۔حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے کبار اصحاب سے گذرے ہیں اور فنون وعلم میں تبحر تھے اور مشائخ کرام کی سیرتوں کے حافظ اور ان کے مراتب کے خاص نگران مانے گئے ہیں۔

آپ کا کلام ہر فن میں مشہور ہے اور خاص کر رعونت میں آپ نے بہت کچھ فرمایا اور ہر مسئلہ پر آپ نے حکایت چسپاں فرمائی اور اس کا حوالہ کسی نہ کسی کی روایت سے ثابت کیا۔آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلتَّوَکُّلُ اِسْتِوَاءُ الْقَلْبِ عِنْدَ الْوُجُوْدِ وَالْعَدَمِ.

"توکل یہ ہے کہ وجود وعدمِ رزق تیرے دل کے نزدیک یکساں ہو۔"

اور جب وجودِ رزق ہو تو خرم وشاد نہ ہو اور عدمِ رزق کے وقت اندوہ گیں نہ ہو۔اس لیے کہ یہ جسم مِلکِ مالک ہے اور پرورش وملوک جسم کے لیے تجھ سے بہتر وہی مالک عالم ہے جیسے چاہے رکھے۔تو اس کی دارالسلطنت میں کسی قسم کا دخل نہ دے اور مِلکِ مالک کے سپرد کر اور اپنا تصرف منقطع کر لے۔

حضرت ابومحمد جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ کو بخار ہے۔میں نے عرض کی: حضور! اپنے ربّ سے دعا کریں تا کہ وہ آپ کو شفا دے۔فرمایا: کل مَیں نے عرض کی تھی تو مجھے جواب ملا کہ "جنید! جسم ہماری مِلک

Marfat.com

ہے ،ہم چاہیں تو تندرست رکھیں ،چاہیں تو بیمار،تم کون ہو جو ہمارے اور ہماری مِلک میں دخل و تصرف کر رہے ہو ،خاموش رہو اور اپنا تصرف ہماری ملک سے منقطع کرو تا کہ ہمارے عبدِ صادق رہو۔'' وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمْ

حضرت ابومحمد بن القاسم رود باری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے شیخ محمود معدنِ جود حضرت ابومحمد ابن قاسم رود باری رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ شہزادہ تھے اور نوجوانانِ متصوفہ کے بزرگ تھے۔ اعمالِ طریقت میں عظیم الشان درجہ پایا ہے۔ دقائقِ طریقت میں آپ کا کلام بڑا لطیف ہے آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلْمُرِیْدُلَا یُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ اِلَّا مَا اَرَادَ اللّٰہُ لَہٗ وَالْمُرادُ لَا یُرِیْدُ مِنَ الْکَوْنَیْنِ شَیْئًا غَیْرَہٗ.

''مرید وہ ہے جو کسی چیز کا ارادہ اپنی ذات کے لیے نہ رکھے مگر وہی جو اس کے ربّ کے ارادہ سے ہو، اور مراد وہ ہے کہ کونین میں سوائے ذاتِ حق کسی چیز کا طالب نہ ہو۔''

تو جب تک اپنی ارادات وعقیدت میں راضی ہے، مرید ہے اور محبّ کی ارادات و عقیدت جب نہیں رہتی تو وہ مراد ہو جاتا ہے۔ پھر جو حق تعالیٰ چاہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں چاہتا اور جو خدا چاہے وہ کرے، سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ تو رضا مقاماتِ ابتدائی سے ہے اور محبت انتہاء حال کا نام ہے اور مقامات کی نسبت وجود عبودیت تک ہے اور سرچشمہ اور درجات تائید ربوبیت میں ہیں۔ جب یہ سمجھ لیا تو خلاصہ یہ ہوا کہ مرید بخود قائم ہوتا ہے اور مراد بحق قائم ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمْ

حضرت ابوالعباس مہدی سیاری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے خزینۂ دارالتوحید، عالم عامل علی الفرید ابوالعباس حضرت مہدی سیاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ امامِ وقت تھے اور علومِ ظاہری و باطنی کے عالم گزرے ہیں۔ حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے اور بہت سے مشائخ کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے۔ نہایت عالی ظرف اور زُہد و ورع میں مشہور۔ آپ کا کلام نہایت بلند اور تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلتَّوْحِیْدُ اَنْ لَّا یخطُرَ بِقَلْبِکَ مَا دُوْنَہٗ

Marfat.com

''توحید یہ ہے کہ ماسوائے ذاتِ حق، تیرے دل کے نزدیک کوئی خطرہ نہ آئے۔''

اور مخلوقات کی نظر کا تیرے دل کے پاس گزر نہ ہو اور تیری صفائی معاملہ میں کدورت نہ ہو اس لیے کہ اندیشۂ غیر، اثباتِ غیر بغیر نہیں ہوتا اور اثباتِ غیر ہونے کی صورت میں حکمِ توحید ساقط ہو جاتا ہے۔

یہ مَرو کے بڑے رئیسوں کے خاندان سے تھے۔ اہلِ مَرو میں ان کے مقابلہ کا کوئی رئیس نہ تھا۔ انہیں میراثِ پدری کافی ملی تھی، وہ تمام کی تمام دے کر دو موئے مبارک حضور اکرم ﷺ کے حاصل کیے۔ اللہ تعالیٰ نے موئے مبارک کی برکت سے توفیق توبۃ النصوح دی۔

حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آگئے اور اس درجہ کو پہنچ گئے کہ ایک گروہِ صوفیہ کے امام بن گئے۔ جب آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو وصیت کی تھی کہ یہ موئے مبارک میرے منہ میں رکھ دیئے جائیں۔ آج تک مرو میں ان کا یہ اثر ہے کہ لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے اس قبر پر جاتے اور بامراد واپس آتے ہیں اور حلِ مقاصد کے لیے آپ کی قبر پر جانا مجرب ہے۔ واللہ اعلم باالصواب.

حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے مالکِ وقت خود دَر تصوف، خالی طبع از تصرف وتکلف حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے امام علوم گزرے ہیں اور مجاہدات میں آپ کی شان بہت بلند ہے اور آپ کا بیان معانی حقائق میں نہایت شافی ہے اور آپ کی عمر کا بیشتر زمانہ تصنیف وتالیف میں گزرا۔ حضرت ابن عطا، حضرت شبلی، حضرت حسین بن منصور وغیرہ رحمہم اللہ کی زیارت فرما چکے ہیں اور مکہ معظمہ میں حضرت یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور سیر مکاشفات آپ کی بہت اچھی ہے اور خلوت نشینی بھی آپ نے بہت کی ہے۔ آپ بھی خاندانِ شاہی سے گزرے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق دی اور حکومت وسلطنت سے اعراض فرما کر ماسوی اللہ سے انقطاع کیا۔

آپ کی بزرگی کا سکہ اربابِ معانی کے دلوں پر سکہ زن ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا: اَلتَّوْحِیْدُ الْاِعْرَاضُ عَنِ الطَّبِیْعَۃِ ''توحید نام ہے طبیعت سے اعراض کرنے کا'' اس لیے طبیعت آلاء ونعمتِ الٰہی سے محجوب ونابینا ہوتی ہے۔ تو جب تک طبائع سے اعراض نہ ہو تقرب الی اللہ نہیں ہو سکتا اور صاحبِ طبع حقیقت وتوحید سے محجوب رہتا ہے۔

جب آفتِ طبع نظر آجائے تو یقیناً منزلِ توحید تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ کی بہت سی کرامتیں

Marfat.com

اور دلائل ہیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

حضرت ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سیفِ سیادت، آفتاب سادۃ حضرت ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اہل تمکین کے سردار اور علم خط کے بہترین ماہر تھے، ریاضت وثباتِ توکل میں مشہور تھے۔ آفاتِ نفس کے عالم تھے۔ آپ کی علامات و روایات اور براہین روشن ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

"مَنْ اٰثَرَ صُحْبَةَ الْاَغْنِيَاءِ عَلٰى مُجَالَسَةِ الْفُقَرَاءِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِمَوْتِ الْقَلْبِ."

"جو صحبتِ اغنیاء، فقراء کی صحبت پر پسند کرے، اللہ تعالیٰ اسے موتِ قلب میں مبتلا کرے گا۔"

اس لیے غنی لوگوں سے صحبت رکھنے والا اُن اغنیاء کے خیالات سے متاثر ہو کر اُن کے فیض صحبت سے محروم ہو جاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اغنیاء کی صحبت کسی غرضِ دنیاوی کی وجہ میں رکھی جاتی ہے تو جب غرضِ دنیا کی مجالست اغنیاء سے بڑھ گئی تو یقیناً دل نیاز مندیٔ دنیا کی وجہ میں مر جاتا ہے۔

اور اس کا تن خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو پھر صحبتِ اغنیاء کا نتیجہ موتِ قلب ہے، تو کس لیے ان کی صحبت سے اعراض نہ کیا جائے۔ اس مضمون میں صحبت ومجالستِ فقراء واغنیاء کا فرق واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابراہیم محمد بن محمود نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے مبارزِ صفِ صوفیان، معبر احوالِ عارفان حضرت ابو القاسم ابراہیم محمد بن محمود نصیر آبادی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نیشا پور میں مثل بادشاہ کے تھے۔ جس طرح نیشا پور میں شاہانِ حمویہ تھے ویسے ہی یہ بھی اپنے حال میں بلند اور شہنشاہِ عقبیٰ تھے، فرق اتنا تھا کہ شاہِ حمویہ کی عزت دنیا میں تھی اور ان کی عزت کا تعلق عقبٰے سے تھا۔ آپ کے کلامِ دینیہ نہایت رفیع تھے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے اور اہلِ خراسان کے متاخرین میں پیرواستاد مانے گئے ہیں۔ حتیٰ کے آپ کے زمانہ میں آپ کے مقابلہ کا کوئی عارف نہ تھا اور آپ عالم اہل زمانہ اور متورع مانے جاتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

Marfat.com

اَنْتَ بَیْنَ النِّسْبَتَیْنِ نِسْبَۃٌ اِلٰی اٰدَمَ وَنِسْبَۃٌ اِلَی الْحَقِّ فَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلٰی اٰدَمَ دَخَلْتَ فِیْ مَیَادِیْنِ الشَّھَوَاتِ وَمَوَاضِعِ الْاٰفَاتِ وَالزَّلَّاتِ وَھِیَ نِسْبَۃُ تَحَقُّقِ الْبَشَرِیَّۃِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: " اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ۙ"(۱) فَاِذَا انْتَسَبْتَ اِلَی الْحَقِّ دَخَلْتَ فِیْ مَقَامَاتِ الْکَشْفِ وَالْبَرَاھِیْنِ وَالْعِصْمَۃِ وَالْوِلَایَۃِ وَھِیَ نِسْبَۃُ الْعُبُوْدِیَّۃِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:
"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا" (۲)

''تُو دو نسبتوں میں ہے، ایک نسبتِ آدم، دوسری نسبتِ حق۔ جب تجھے آدم کے ساتھ نسبت ہوگی تو تجھے میدانِ شہوات ومقاماتِ آفات و ذلت میں پڑنا ہوگا۔ اس لیے کہ طبائع انسان نہایت ذلیل و بے قدر ہیں اور اگر تجھے نسبتِ بحق حاصل ہوگئی تو مقاماتِ کشف و برہان اور عصمتِ ولایت میں آ جائے گا اور نسبتِ عبودیت حاصل کرے گا اور یقینی امر ہے کہ نسبتِ آدم بروزِ قیامت منقطع ہو جائے گی اور نسبتِ عبودیت ہمیشہ قائم رہے گی اور اس کا تغیر ہرگز نہ ہوگا۔''

تو جب بندہ اپنے کو اپنے ساتھ منتسب کرے یا آدم کے ساتھ (تو یہ درجہ بہت گرا ہوا ہے) مقام کمال یہ ہے کہ بندہ خود کسی طرف اپنی نسبت نہ کرے بلکہ خود حق تعالےٰ اسے فرمائے:

﴿ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ﴾(۳)

''اے میرے بندو! آج کے دن تمہیں کوئی خوف نہیں۔''

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں میں سے سرور سالکاں طریق جمال جانہائے تحقیق حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ احرارِ درگاہ کے محتشمان میں گزرے ہیں اور ائمہ تصوف میں بڑے امام مانے گئے ہیں۔ اپنے زمانہ کے بینظیر صوفی تھے۔ آپ کے کلام نہایت بلند ہیں اور آپ کی عبارات نہایت پُر لطف ہیں۔ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

دَعُوْنِیْ فِیْ بَلَا ئِیْ ھَاتُوْا مَالَکُمْ اَلَسْتُمْ مِنْ اَوْلَادِ اٰدَمَ الَّذِیْ خَلَقَہٗ

۱۔ سورۃ الاحزاب: ۷۲ ۲۔ سورۃ الفرقان: ۶۳

۳۔ سورۃ الزخرف: ۶۸

Marfat.com

اللّٰہُ تَعَالٰی بِیَدِہٖ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَسَجَدَ لَہُ الْمَلٰئِکَۃُ ثُمَّ اَمَرَہٗ بِاَمْرٍ فَخَالَفَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ الدَّنِّ دُرْدِیًّا کَیْفَ یَکُوْنُ اٰخِرُہٗ.“

”چھوڑو مجھے میری بلا میں! کیا تم سب اولادِ آدم سے نہیں ہو اور کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے یدِ قدرت سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر اس میں نفخِ روح کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کریں۔ پھر اسے ایک حکم دیا گیا لیکن اس نے اس حکم کے خلاف کیا تو جب پہلی ہی خُم میں تلچھٹ ہو تو بتاؤ اس کے اخیر و اختتام میں کیا ہوگا؟“

جب آدمی کو اس کی نسبتِ آدمیت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ مجسمۂ مخالفت نہ ہوگا تو کیا ہوگا؟ اور جب عنایتِ حقہ نسبتِ حق کے ساتھ اس پر مستولی ہو تو پھر وہ محبتِ الٰہی میں عمر گزارنے کے سوا کچھ پسند نہ کرے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

یہاں تک یعنی متقدمین صوفیائے کرام کے حالات اور ان کے پیشواؤں کے مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ اگر سب کے ذکر اس کتاب میں کیے جائیں اور ان کے حالات و کرامات و حکایات جمع کریں تو مقصودِ تالیف کتاب رہ جائے اور کتاب اتنی طویل ہو جائے (کہ مطالعہ مشکل ہو) اب ہم بعض متاخرین کے حالات نقل کریں گے۔

Marfat.com

بارہواں باب

صوفیائے متاخرین

ناظرین کرام! اللہ تمہیں توفیق عطا فرمائے۔ اچھی طرح یادرکھو کہ ہمارے زمانہ میں اس قسم کے لوگ باقی ہیں جو ریاستِ عرفان پر قبضہ، بلا ریاضت ومجاہدہ کے چاہتے ہیں اور متصوف بن کرار بابِ قصد وحزم کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔

(طریقہ ان کا یہ ہے کہ) جب ذکرِ وارفتگاں اور حالاتِ سلف سن کر ان کے تشرف قرب کو دیکھتے ہیں اور ان کے زُہد وورع اور مجاہدہ کا قصہ معلوم کرتے ہیں، اپنے نفس اور دل سے پوچھتے اور نگاہ کرتے ہیں (کہ آیا ہم اتنا مجاہدہ، اس قدر ریاضت کرنے کے اہل ہیں یا نہیں)۔ تو وہ اپنے نفس اور دل کو ان مجاہدوں سے دور اور بعید پاتے ہیں (مگر صوفی بن کر عوام پر دام تزویر ڈالنے کے شوقین ہیں)۔ تو بس ان چیزوں سے انکار شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ نہیں، اور ہم میں اس قسم کے لوگ اب باقی نہیں رہے۔

حالانکہ یہ قول ان کا بمرتبہ محال کے ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی زمین کو بے حجتِ الٰہیہ نہیں چھوڑا اور امتِ مرحومہ کبھی بغیر ولی کے نہیں رہی اور نہ رہے گی۔

چنانچہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَى الْخَیْرِ وَالْحَقِّ حَتّٰی تَقُوْمُ السَّاعَةَ.

"ہمیشہ میری امت ایسی جماعت سے خالی نہ رہے گی جو خیر اور حق پر قیامت تک رہے گی۔"

اور فرمایا:

لَایَزَالُ فِیْ اُمَّتِیْ اَرْبَعُوْنَ عَلٰی خُلُقِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ. (۱)

۱۔ اسے اُبو نعیم نے "حلیة الأولیاء" میں بطریق اعمش، انہوں نے یزید بن وھب سے، انہوں نے ابن مسعود سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

لَا یَزَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِیْ قُلُوْبُهُمْ عَلٰی قَلْبِ اِبْرَاھِیْمَ، یَدْفَعُ اللّٰهُ بِهِمْ عَنْ اَھْلِ الْاَرْضِ، یُقَالُ لَهُمْ: الْاَبْدَالُ، اِنَّهُمْ لَمْ یُدْرِكُوْهُ بِصَلَاةٍ وَلَا بِصَوْمٍ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر۔۔۔۔۔)

Marfat.com

''ہمیشہ میری امت میں چالیس مردانِ خدا خُلقِ ابراہیم علیہ السلام پر رہیں گے۔''

اب ہم جن لوگوں کا اس کتاب میں ذکر کر چکے ہیں وہ گذر گئے اور ان کی روحیں راحت ریحان میں پہنچ گئیں اور بعض ان میں سے ابھی حیاتِ جسمانی میں موجود ہیں۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَعَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۔

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

وَلَا بِصَدَقَةٍ ، قَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَبِمَ يُدْرِكُوْنَهَا ؟ قَالَ : بِالسَّخَاءِ.

''میری امت سے چالیس آدمی ایسے رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی طرح ہوں گے، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے مصائب دور کرے گا اور لوگ نماز، روزہ اور صدقہ کے سبب نہ پا سکیں گے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر لوگ انہیں کس طرح پائیں گے تو فرمایا کہ سخاوت کے ساتھ۔''

امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی مسند میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے:

اَلْاَ بْدَالُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ثَلاَ ثُوْنَ مِثْلَ اِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ السَّلَامِ، كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ ، اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ رَجُلاً.

''اس امت سے تیس ابدال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ہوں گے، جب (ان میں سے) کوئی ایک آدمی فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا۔''

مذکورہ روایت کو امام سیوطی انہی الفاظ کے ساتھ ''الجامع الصغیر'' میں لائے ہیں اور اسے امام احمد بن حنبل کی طرف سے منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی ''مسند'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے طریق سے ذکر کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام زرکشی نے ''التذکرۃ'' میں کہا ہے کہ یہ حسن ہے اور ابن مسعود والی روایت، جسے اُبونعیم نے ''حلیۃ الأولیاء'' میں ذکر کیا ہے، اس کی شاہد ہے۔ امام سیوطی کہتے ہیں: کہ اس حدیث کی بہت ساری شاہد روایات ہیں جسے میں نے ''التعقبات علی الموضوعات'' میں بیان کیا ہے۔ اور پھر انہیں علیحدہ ایک مستقل تالیف کی شکل دی ہے۔

حوالہ کے لئے:

مسند الإمام احمد بن حنبل ۱/۱۱۲، ۰/۳۳۲، المقاصد الحسنة للسخاوی (۸)، کشف الخفاء للعجلونی (۳۵)، الجامع الصغیر للسیوطی (۳۰۳۲)، فیض القدیر للمناوی ۳/۱۶۷، ۱۷۰، الدرر المنتثرة للسیوطی (۱۷۴)، التذکرہ للزرکشی (ص: ۱۴۲)، الأسرار المرفوعة لعلی القاری (ص: ۴۸)

Marfat.com

حضرت ابو العباس احمد بن قصاب رحمۃ اللہ علیہ:

اُن متاخرینِ صوفیہ سے طرازِ طریقِ ولایت، جمالِ اہلِ ہدایت ابو العباس حضرت احمد بن قصاب رضی اللہ عنہ ہیں۔آپ نے متقدمین ماوراءالنہر کی زیارت کی ہے اوران کے فیضِ صحبت سے بھی مستفید ہوئے ہیں۔آپ اپنے علو حال اور صدقِ فراستِ اور کثرتِ برہان و کرامات میں مشہور و معروف تھے۔ حضرت ابو عبد اللہ خیاط رحمۃ اللہ علیہ جو امامِ طبرستان تھے فرماتے ہیں کہ حضرت جلت مجد عز اسمہٗ کے فضلوں میں سے ایک فضل یہ ہے کہ اپنے مقرب بندے کو بلا تعلیمِ علم یہ ذہنِ سلیم عطا فرماتا ہے کہ اگر مجھے اصولِ طریقت میں یا دقائقِ توحید میں کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو میں ابو العباس احمدؒ سے پوچھ کر حل کر لیتا ہوں۔آپ غیر تعلیم یافتہ اُمّی تھے مگر کلام اور نکات اتنے بلند بیان فرماتے تھے کہ علمِ تصوف اور اصولِ طریقت میں ابتداء سے انتہا تک آپ کو عالی حال نیک سیرت مانا گیا۔

آپؒ سے بہت زیادہ حکایتیں میں نے سنی ہیں مگر اس کتاب میں میرا رویہ اختصار پر ہے (اس لیے بعض صرف نقل کروں گا)۔آپ فرماتے ہیں ایک بچہ سامان لادے ہوئے اونٹ کی نکیل تھامے بازار ''آمل'' میں جا رہا تھا اور اس بازار میں عموماً کیچڑ رہتی تھی، اتفاقاً اونٹ کا پاؤں پھسلا اور گر پڑا، پنڈلی چور ہوگئی۔لوگوں نے ارادہ کیا کہ اونٹ کی پشت سے سامان اتار دیں۔لڑکے نے منع کیا اور رو کر بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوگیا۔فرماتے ہیں کہ میں بھی ادھر سے گزرا۔دریافت کیا،لوگوں نے کہا اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا۔آپؒ نے اونٹ کی باگ تھامی اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کی: الٰہی! اس اونٹ کا پاؤں ٹھیک کر دے، اگر درست کرنا منظور نہیں تو قصاب کا دل اس بچہ کے رونے سے کیوں سوختہ ہے؟ اتنے میں اونٹ اٹھا اور بآسانی چلنے لگا۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا: تمام عالم خواہ چاہے یا نہ چاہے اللہ تعالےٰ کی رضا کا خوگر کرنا چاہیے ورنہ رنج میں رہیں گے اس لیے کہ جو اللہ تعالےٰ کی رضا میں راضی رہنے کا خوگر ہوگا وہ ہر بلا کو منجانب مبلی سمجھ کر بلا نہ سمجھے گا، پھر گویا جو بلا اس پر آئے گی وہ بلا نہ ہوگی۔ اور اگر خوگر رضا نہ ہو تو بلا جو آنی ہے آئے گی مگر رنجیدگی اس پر لازمی ہے اور درحقیقت بلا و عذاب جو ہمارے لیے مقدر ہے، اس تقدیر کو ہم متغیر نہیں کر سکتے اور اگر ہم راضی برضا رہیں گے تو ہماری رضا کی وجہ میں وہ بلا بحکم قادر ہمارے لیے راحت ہو جائے گی۔

تو جو اپنے ربّ کی رضا میں راضی رہنے کا خوگر ہے اس کا دل ہر حال میں راحت پاتا ہے اور جو قضا و قدر سے اعراض کرتا ہے تو وُرودِ قضا کے وقت رنجیدہ دل ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

حضرت علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرینِ میں سے صوفیہ بیان، مریدانِ برہانِ محققان حضرت ابوعلی بن حسن بن محمد دقاق رضی اللہ عنہ ہیں۔امام فن تھے، اپنے زمانہ میں یکتائے عالم گزرے ہیں۔بیان صریح، زبان فصیح رکھتے تھے اور کشفِ راہِ مولا میں کامل بہت سے مشائخ کرام کو دیکھ چکے ہیں اور ان کے فیض صحبت میں مستفید رہے ہیں۔آپ حضرت محمد بن محمود نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور بہترین واعظ تھے۔

آپؒ سے مروی ہے کہ فرمایا:

مَنْ اَنَسَ بِغَیْرِہٖ ضُعِفَ فِیْ حَالِہٖ وَمَنْ نَطَقَ مِنْ غَیْرِہٖ کَذَبَ فِیْ مَقَالِہٖ.

''جسے غیر خدا کے ساتھ موانست ہو وہ اپنے کیفیتِ حال میں ضعیف ہے اور جو اپنے ربّ کے سوا کسی سے مکالمہ کرے وہ اپنے بیان میں جھوٹا ہے۔''

اس لیے کہ انسِ غیر، قلتِ عرفان کی وجہ میں ہوتا ہے اور اس ذاتِ حق سے انس تب ہوتا ہے جبکہ وحشتِ دلی جاتی رہے اور جو متوحش بالغیر ہوگا، غیر خدا سے ناطق نہیں ہوسکتا۔

ایک بزرگ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز مجلسِ علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ میں اس نیت سے پہنچا کہ متوکلوں کا حال دریافت کروں۔آپؒ کے سَرِ اَقدس پر دستار طبری زیب تھی۔ میرے دل میں اس دستار کی طرف میلان ہوا۔میں نے علی دقاقؒ سے عرض کی کہ حضور! توکل کیا چیز ہے؟ فرمایا توکل یہ ہے کہ تو اپنے دل کا میلان کسی کی دستار کی طرف نہ ہونے دے۔یہ فرمایا اور دستار سرِ اقدس سے اتار کر میری طرف پھینک دی۔وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرینِ صوفیاء سے شرفِ اہلِ زمانہ، امامِ یگانہ ابوالحسن حضرت علی بن احمد خرقانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔اجلہ مشائخ سے تھے اور اپنے وقت میں ممدوح اولیاء گزرے ہیں حتیٰ کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بقصد زیارت آپ کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ خاص راز کی باتیں ہوئیں۔جب واپس ہوئے تو فرمایا: ابوالحسن! ہم نے تمہیں اپنی عہد ولایت کے لیے منتخب کیا اور حسن مؤدب خادم شیخ ابوسعید کہتے ہیں کہ جب شیخ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی اور حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ کی باتیں سنتے رہے، کبھی کبھی کسی بات کے جواب میں کلام فرماتے۔میں نے عرض کی حضرت! آپ کس لیے

Marfat.com

خاموش رہے۔ فرمایا: ایک بات کے لیے ایک ہی بولنے والا کافی ہوتا ہے۔

اور استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ فرماتے ہیں جب ہم ولایتِ خراسان میں آئے تو ہماری فصاحت ختم ہوگئی اور عباراتِ حال جاتی رہیں۔ یہ دبدبہ و شوکت پیر خراسانی کا تھا، حتیٰ کہ ہم اپنے منصبِ ولایت سے وہاں کی مدتِ قیام میں معزول ہوگئے۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا راستے دو ہیں: ایک راہِ ضلالت ہے، دوسرا راہِ ہدایت۔ جو راہِ ضلالت ہے، وہ بندہ کا راستہ ہے خدا کی طرف اور وہ جو راہِ ہدایت ہے وہ خدا کا راستہ ہے بندہ کی طرف۔ تو جو بندہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ تک پہنچا، وہ ہرگز نہیں پہنچا اور جو کہے مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیا وہ یقیناً پہنچ گیا۔ اس لیے کہ کامیابی پہنچنے اور نہ پہنچنے اور کامیاب ہونے اور نہ ہونے میں نہیں ہے کہ پہنچانے اور نہ پہنچانے اور آزاد کرنے اور نہ کرنے میں مضمر ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن معروف بسطامی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرینِ صوفیہ سے بادشاہِ زمان حضرت ابو عبد اللہ محمد بن معروف بہ داستانی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ علوم میں بہترین عالم اور درگاہِ حق میں محتشم تھے۔ آپ کا کلام نہایت مہذب تھا اور ارشادات نہایت لطیف۔

شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ جو اس ملک کے امام تھے، آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور میں نے شیخ سہلکیؒ سے ان کے کچھ اقوال سنے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ آپؒ نے فرمایا:

اَلتَّوْحِیْدُ عَنْکَ مَوْجُوْدٌ وَّاَنْتَ فِی التَّوْحِیْدِ مَفْقُوْدٌ.

''تجھ میں توحید درست ہے لیکن تو توحید میں نادرست اور مفقود ہے۔''

یعنی بموجب اقتضائے حق، توحید پر تیرا قیام صحیح نہیں اور ادنیٰ درجۂ توحید کا نفی تصرف ہے۔ ملک جسم سے اپنے امور میں حق عزوجل کا اثبات۔ شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس وقت کہ بسطام میں ٹڈیاں اس قدر آئیں کہ تمام درختوں کو چاٹ گئیں اور کشتیاں ان کی سیاہ ہوگئیں اور لوگ تضرع وزاری میں مشغول ہوگئے تو شیخ بسطامیؒ نے مجھ سے پوچھا: یہ کیسا شور ہے۔ عرض کی: حضور ٹڈیاں آئی ہیں اور لوگ ان سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیخ اٹھے اور چھت پر تشریف لائے اور آسمان کی طرف رخ کیا کہ اسی وقت تمام ٹڈیاں اٹھیں اور عصر کی نماز تک ایک بھی نہ رہی اور کسی کا ایک پتا برابر نقصان نہ ہوا۔ واللہ اعلم

Marfat.com

حضرت ابو سعید فضل بن محمد مہنی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرینِ صوفیہ سے شہنشاہِ محبان، ملکِ ملوک صوفیاں حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ سلطانِ وقت و جمالِ طریقت گزرے ہیں۔ تمام اہل زمانہ آپ سے مسخر تھے۔ کوئی آپ کے دیدار کا مشتاق رہتا، کوئی آپ سے حسن عقیدت رکھتا۔ کوئی آپ کی قوتِ حال کا قائل تھا۔ علوم و فنون میں مانے ہوئے عالم ہونے کے علاوہ اشرافِ قوم میں عظیم الشان درجہ رکھتے تھے۔ مزید برآں طریقت میں آپ کی نشانیاں اور براہین بے حد ہیں۔ چنانچہ آج تک آپ کے آثارِ کمالات اتنے ظاہر ہیں کہ دنیا جانتی ہے۔

ابتدائی زمانہ میں آپ بغرض حصول علم مقام ''مہنہ'' سے مقام ''سرخس'' میں آئے اور حضرت ابو علی رائضؒ یعنی چابکسوار کی خدمت میں رہے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ تین روز کا سبق ایک دن میں پڑھا کرتے اور تین دن عبادت الٰہی میں بسر فرماتے۔ امام ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ کی یہ راست روی ملاحظہ فرمائی تو آپ کی عظمت فرمانے لگے اور تعلیم میں کچھ زیادتی کردی۔ اس زمانہ میں والی سرخس شیخ ابو الفضل حسن تھا۔ ایک دن حضرت فضل اللہ ابو سعید ''جوئبار'' نہر پر گلگشت فرما رہے تھے کہ ابو الفضل والی سرخس سے دوچار ہوگئے۔ ابو الفضل حسن نے آپ سے کہا: ابو سعید! جس راستے پر تم جا رہے ہو یہ تمہارا راستہ نہیں، اپنا راستہ لو۔ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور سیر فرما کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور اپنے مشاغلِ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوگئے، حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے درِ ہدایت کھولا اور حضرت ابو سعید کو مدارجِ علیا پر فائز فرمایا۔

شیخ ابو فارسیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابو سعید فضل اللہؒ سے دیرینہ خصومت تھی (لیکن ان کے زہد و ورع کا شہرہ سن کر) جب ان کی زیارت کا شوق ہوا تو میں ایسی حالت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے جسم پر ایسا خرقہ تھا کہ میلا ہو کر چمڑے کی طرح ہوگیا تھا۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ تختِ مرصع پر ردائے مصری ڈالے تشریف فرما ہیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ اعتراض کیا کہ یہ مرد دعوائے فقیری کر کے اس قدر علائقِ دنیاوی میں پھنسا ہوا ہے اور تمام علائق سے انقطاع کر کے مدعیِ فقر ہونے سے میری اس کے ساتھ کیونکر موافقت ہوگی۔ ابو سعید فضل اللہ اپنے نورِ فراست سے میرے اس خطرے سے واقف ہوگئے اور سر اٹھا کر مجمع سے فرمایا:

یَـا اَبَـا مُسْلِمٍ فِیْ اَیِّ دِیْوَانٍ وَّجَدْتَّ مَنْ کَانَ قَلْبُہٗ قَآئِمًا فِیْ مُشَاھَدَۃِ الْحَقِّ یَقَعُ عَلَیْہِ اِسْمُ الْفَقْرِ۔

Marfat.com

''ابومسلم! تم نے کس کتاب میں دیکھا کہ جب کسی کا دل خدا کے مشاہدہ میں قائم ہو، اس پر نام فقر آتا ہے۔''

یعنی جو اصحابِ مشاہدہ ہیں وہ اپنے ربّ کے ساتھ غنی ہیں اور جو فقیر ہیں وہ اربابِ مجاہدہ کہلاتے ہیں۔ ابومسلم نے کہا یہ جواب سن کر اپنے دل میں خجل و پریشان ہوا اور اپنے بے جا وسوسہ سے توبہ کی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا:

اَلتَّصَوُّفُ قِيَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰهِ بِلَا وَاسِطَةٍ .

''تصوف قیامِ دل بحق کا نام ہے جو بلا واسطہ ہو۔''

اور یہ بھی مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ مشاہدہ غلبہ دوستی سے ہوتا ہے اور شوقِ رویت و مشاہدہ استغراق میں ہوتا ہے اور فنا جسے کہتے ہیں وہ بقا بحق کہلاتی ہے۔ اس بحث کو کتاب الحج کے عنوان سے مشاہدۂ وجود کی تفصیل کے لیے علیحدہ باب میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

ایک بار حضرت ابوسعید فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور سے طوس کا قصد فرمایا۔ راستہ میں سردی سخت تھی۔ حتیٰ کہ موزوں کے اندر بھی پائے مبارک سردی محسوس کرنے لگے۔ ایک درویش کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اپنی کمر کی پٹی کے دو ٹکڑے کر کے پائے مبارک میں لپیٹ دوں مگر میرے دل نے اس کا کاٹنا گوارہ نہ کیا اس لیے کہ وہ بہت عمدہ تھی۔ جب ہم طوس آ گئے۔ ایک روز محل میں میں نے عرض کی کہ حضور! وسواسِ شیطانی اور الہام میں کیا فرق ہے؟ فرمایا: الہام وہ ہے جس میں تجھے کہا گیا کہ کمر پٹی کاٹ کر ابوسعید کے پیروں کو سردی سے محفوظ کر اور وسواسِ شیطانی وہ ہے جس نے تجھے اس کام سے روکا، اور اس قسم کی بہت سی باتیں متواتر ہیں، لیکن اس مختصر میں یہ ہی بس ہے۔ واللّٰہ اعلم با الصواب

حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ::

(یہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ہیں)

انہیں متاخرین صوفیاء میں میرے مرشدِ بحق، زین اوتاد، شیخ عباد ابوالفضل حضرت محمد بن حسن ختلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ طریقت میں میری پیروی و اقتداء ان کے ساتھ ہے۔ علم تفسیر و روایات کے زبردست عالم تھے اور تصوف میں مسلک جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ رکھتے تھے اور آپ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور سیرؔی کے مصاحب اور حضرت ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ رحمہم اللہ کے ہمعصر تھے۔

Marfat.com

ساٹھ سال عزلت نشین رہ کر مخلوق میں سے اپنا نام گم فرما چکے ہیں۔ زیادہ تر آپ کا قیام "جبلِ لگام" میں رہا، کافی عمر پائی۔ آپ کی آیات و براہین بہت ہیں مگر آپ کا لباس متصوفین کی رسم کا نہ تھا اور رسمی چیزوں کے آپ سخت خلاف تھے۔ میں نے اس مردِ خدا سے زیادہ بارُعب کوئی نہیں دیکھا۔ آپ سے میں نے سنا کہ فرمایا: اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْهِ صَوْمٌ. "دنیا مثل ایک دن کے ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔" یعنی اس دنیا سے ہم نے کچھ حصہ نہیں لیا' اور اس کی قید میں ہم نہیں آئے، اس لیے کہ دنیا کی آفتیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں اور اس کا جو حجاب ہے اس سے ہم واقف ہو چکے ہیں۔

ایک روز میں وضو کے لیے حضور کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا، تو میرے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ جب تمام نظامِ عالم اور کاروبارِ دنیا قسمت پر موقوف ہے تو کس لیے اچھے خاصے آزاد لوگ امیدِ کرامت و فیوض پر اپنے آپ کو پیروں، فقیروں کا غلام اور بندۂ حکم بناتے ہیں۔ (میرے دل میں یہ خطرہ گزرا ہی تھا کہ) حضور فرمانے لگے: صاحب زادے! جو وسوسہ تمہارے دل میں پیدا ہوا، ہمیں معلوم ہے۔ یاد رکھو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا و قدر کے ہر حکم کے لیے اللہ تعالیٰ نے سبب رکھے ہیں۔ جب ظالم بچہ یعنی سپاہی زادہ کو اللہ تعالیٰ تاجِ عرفان و مملکتِ عشق سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے توفیقِ توبہ دے کر اپنے کسی مقرب دوست کی خدمت میں مشغول فرما دیتا ہے، تاکہ وہ خدمت گزاری اس کی عزت و کرامت کے لیے سبب بنے۔" اور مثل اس کے بہت سے لطائف ہر روز اوپر ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

جس روز کہ حضرت کی وفات کا وقت آیا، آپ اس روز "بیت الجن" میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے جو "دمشق" اور "بانیا روذ" کے مابین ایک گھاٹی پر آباد ہے۔ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا اور مجھے ایک پیر بھائی سے دل میں رنج تھا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت کے ماتحت لوگوں میں ہوتا ہے تو سرکار مجھ سے فرمانے لگے: بیٹا! تمہیں ایک عقیدہ بتاتا ہوں اگر تم اس پر قائم ہو گئے تو تمام جہان کے غموں سے آزاد ہو جاؤ گے۔ "یاد رکھو! ہر جگہ اور ہر حال اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا پیدا کیا ہوا ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کسی پیدا کی ہوئی چیز سے خصومت نہ رکھیں اور کسی کی طرف سے دل میں رنج نہ رکھیں۔" بس اس وصیت کے بعد اور کچھ نہ فرمایا اور جان جانِ آفرین کے سپرد فرما دی۔ واللہ اعلم بالصواب.

ابوالقاسم حضرت عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرینِ صوفیاء میں استاد و امام زین الاسلام ابو القاسم حضرت عبد الکریم بن

Marfat.com

ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے زمانے کے بدیع المثال لوگوں میں تھے اور عزت وحرمت میں رفیع المثال اور منزلوں میں علو الحال تھے۔ ان کی بزرگی کا زمانہ مقر ہے اور ان کے فضائل عام طور پر مشہور ہیں۔ ہر فن میں ان کے لطائف بے حد ہیں۔ تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حال وقال کو حشو وزوائد سے محفوظ فرما دیا تھا۔

آپؒ سے میں نے سنا کہ فرمایا:

مَثَلُ الْمُتَصَوِّفِ كَعِلَّةِ الْبِرْسَامِ اَوَّلُهٗ هَذَيَانٌ وَّاٰخِرُهٗ سُكُوْتٌ وَاِذَا تَمَكَّنْتَ خَرِسْتَ.

''صوفی کی مثال مریضِ برسام کی سی ہے جس کی ابتدا ہذیان اور بہکی بہکی باتوں سے ہوتی ہے اور آخر میں خاموشی اور جب وہ متمکن ہو جاتا ہے تو گونگا کر دیتا ہے۔''

تو صفاء قلب کے دو رُخ ہیں: ایک وجد، دوسرے نمود۔ وجد کیفیتِ مبتدیانہ ہے اور نمود وجدِ منتہیان ہے اور وجد ایک ایسی کیفیت ہے کہ اس کی ترجمانی عبارت میں محال ہے تو جب تک مبتدی طالب رہتا ہے اپنی علو ہمت میں ناطق ہوتا ہے، جو مثل بکواس ہے اور اسی کو ہذیان کہا گیا اور جب منتہاءِ کمال کو پہنچ گیا تو پھر نہ عبارت رہتی ہے نہ بیان نہ ہذیان۔

اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ جب موسیٰ علیہ السلام درجہ مبتدی میں تھے، آپ کی ہمت رویت کی طالب تھی۔ حتیٰ کہ اپنی ہمت کے ماتحت طلب رویت کی عبارت بھی کہہ ڈالی اور صاف عرض کیا: رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ (۱) ''اے رب! اپنا تجلیِ حسن دکھا کہ میں اس جلوہ کو دیکھوں۔''

یہ وہ عبارت ہے جس سے مقصود حاصل نہ ہونا تھا تو یہ نطق بے معنی ہی تھا اور ہمارے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ منتہٰی پر متمکن تھے۔ تو جب کسی کی شخصیت تمام مقامات سے عبور کر کے منتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس کی ہمت وخواہش سب فنا ہو جاتی ہے، تو حضور فرما رہے ہیں: لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ. (۲) ''تیری حمد وثناء کا احصا ناممکن ہے۔'' یہ منزل رفیع اور مقام عالی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

۱۔ سورۃ الاعراف: ۱۴۳

۲۔ یہ امام مسلم کی ''صحیح'' ۳۵۲/۱ (کتاب الصلاۃ: باب مایقال فی الرکوع والسجود، حدیث: ۴۸۶) میں روایت کردہ حدیث کا جز ہے مکمل الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ

(بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر۔۔۔۔۔)

Marfat.com

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد شقاقی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرینِ صوفیاء سے امام اوحد ابو العباس احمد بن محمد شقاقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اصول و فروع میں بڑے ماہر اور امامِ وقت گزرے ہیں بہت سے مشائخِ کبار کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ متصوفین کی جماعت میں خاص طور پر کبراءِ قوم مانے گئے۔ آپ خود کو مقامِ فنا کے ساتھ تعبیر فرماتے تھے اور آپ کی عبارات بہت مغلق ہوتی ہیں اور ان عبارتوں کے لیے آپ مخصوص ہیں۔

میں نے ایک جماعت جاہلوں کی پائی جو آپ کی عبارت کے ظاہر پر کورانہ تقلید کرتی ہے اور یہ تقلید بے معنی اور ناستودہ ہے (یعنی مفہوم مضمون قائل نہ سمجھ کر محض عبارت کے سطحی معنی کی تقلید جہالت محض ہے اور وہ تقلید جو امام معین کی جاتی ہے وہ عین منشاء اسلام ہے)۔ تم دیکھو کہ ان کی عبارتیں کس قسم کی ہیں، میرے دل میں ان کی زبردست محبت ہے اور مجھ پر ان کی بحدِ غایت، صادق شفقت ہے اور بعض علوم میں وہ میرے استاد بھی ہیں۔ جب تک میں ان کے پاس رہا، میں نے تعظیمِ شرع کرنے والا ان سے زیادہ کسی کو نہ پایا۔

(بقیہ حواشی گزشتہ صفحہ سے)

أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِکَ.

اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' (۱/۲۷۵، کتاب الصلاۃ: باب الدعاء فی الرکوع والسجود حدیث:۸۷۹) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے امام مسلم کی صحیح میں روایت کردہ حدیث کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، امام ماجہ نے اپنی ''سنن'' (۱/۳۷۳، کتاب اقامۃ الصلوۃ: باب ماجاء فی القنوت فی الوتر: حدیث۱۱۷۹) میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ آخِرِ وِتْرِهٖ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ.... الخ

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ....الخ)

اسی طرح اسے امام احمد بن حنبل نے اپنی ''مسند'' (۱/۹۶، ۱۱۸، ۱۵۰، ۶/۵۸، ۲۰۱) میں، امام مالک نے ''المؤطا'' (۱/۲۱۷، باب ماجاء فی الدّعاء) میں، امام غزالی نے إحیاء العلوم ۱/۳۰۹، ۴/۶۳ میں، امام سیوطی نے الجامع الصغیر ۱/۵۹ میں سراج طوسی نے کتاب اللمع (ص:۱۱۳) ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ فِيْ سَجْدَتِهٖ، أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ، وَأَعُوْذُ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ...الخ)

Marfat.com

انہوں نے ماسوا اللہ اور کل موجودات سے اپنے دل کو صاف کر رکھا تھا۔ ان کے علم و عباداتِ دقیقہ کا بحران کے کسی کے لیے فائدہ نہیں تھا۔ ان کے وقت حال کے مطابق ان کی عبارت علمِ اصول سے پیوستہ ہوتی تھی اور ان کا دل دنیا و عقبیٰ دونوں سے متنفر تھا۔ ہمیشہ جوش وخروش میں فرمایا کرتے تھے: اَشْتَهِیْ عَدَمًا لَا وُجُوْدَ لَهٗ. ''میں نے ایسے عدم کی خواہش کی جس کا وجود ہی نہیں۔''

کبھی فارسی میں فرماتے:

مر آدمی رابایست محال باشد و مرانیزبایست محالست که به یقین دانم آں نبا شد که وآں آنست که میبا یدم که خداوند تعالیٰ مرا بعدم بروکه ہر گز آں عدم راوجود نبا شد۔

''ہر آدمی کے لیے ایک جگہ ہے اور میرے لیے بھی یقیناً ایک محل ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ عدم محض ہے اور وہ عدم وہ ہے کہ ضرور مجھے وہاں لے جایا جائے گا، اور میرا ربّ مجھے عدم میں پہنچا دے گا اور وہ وہ جگہ ہے جس کا وجود نہیں۔''

اس لیے کہ مقامات وکرامات تمام کے تمام محل حجاب و بلا ہیں اور انسان اپنے حجاب کا عاشق ہے اور نیستی و عدم جو دیدارِ یار میں ہو، وہ بہترین نعمت ہے اور اس بہشت سے افضل ہے جس میں حجابِ محبوب ہو اور جب حق جل علا شانہٗ وہ ہستی ہے کہ اس پر عدم محال ہے پھر اس کی ملکیت میں میرے نیست ہو جانے سے کیا زیاں ہوسکتا ہے اور یقیناً میرے عدم کو وجود نہیں ہے۔ یہ ان کی اصل طریقت میں دلیل قوی ہے جو مرتبہ فنا میں منکشف ہوتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

حضرت ابو القاسم بن علی بن عبد اللہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرین صوفیاء میں قطب زمانہ حضرت ابو القاسم بن علی بن عبد اللہ گرگانی (۱) رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مَتَّعَنَا اللّٰهُ وَالْمُسْلِمِيْنَ بِبَقَائِهٖ. اپنے وقت میں عارف بے نظیر اور اپنے زمانہ میں صوفی بے بدیل گزرے ہیں۔ آپ کا ابتدائی زمانہ بھی بہت نیک گزرا اور آپ کے سفر بشرائط مجاہدہ بہت کامیاب ہوئے۔ آپ کی طرف قریب قریب ہر دل رجوع کرتا رہا ہے اور ہر ایک کی نظر میں آپ کا بہت زیادہ اعتماد تھا۔

۱۔ سمرقند کی مطبوعہ کتاب میں ''گرگان'' لکھا ہے اور مترجموں نے ''کرمانی'' لکھا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے کرمانی کن معلومات کے تحت لکھا ہے۔ واللہ اعلم (ابو الحسنات قادری)

Marfat.com

مریدوں میں آپ کا کشف مشہور تھا۔علومِ ظاہری میں تمام فنون میں ماہر تھے۔آپ کا ہر مرید ایک امتیاز خاص رکھتا تھا۔آپ کا خُلق بھی نہایت اچھا تھا اور آپ کے پسماندگان بھی ان شاء اللہ ایسے ہی ہوں گے کہ قوم ان کی اقتداء و پیروی کرے۔آپ کو"لسان العصر" مانا جاتا تھا۔

حضرت ابوعلی حضرت ابوالفضل بن محمد فارمدی ابقاء اللہ نے دنیا سے اپنا حصہ ترک کر کے سب سے اعراض کرلیا ہے اور علامہ گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد اس مبارک ہستی کے صدقہ میں پوری کی اور سید علی گرگانی کی زبان بنادیا۔ایک روز مَیں شیخ گرگان کی خدمت میں حاضر تھا اور اپنے لطائف جو مجھ پر منکشف ہوئے تھے،عرض کر رہا تھا تا کہ اپنا حال ان کی ہدایت کے مطابق درست کروں کیونکہ آپ ناقدِ وقت تھے۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ میرا تمام حال احترام کے ساتھ سنتے ہیں۔میرا لڑکپن اور بچپن کا نخوت اور جوشِ جوانی مجھے اپنے حال کی ترجمانی پر حرص بڑھا رہا تھا اور دل میں یہ خیال سکہ زن ہوا کہ جو لطائف مجھ پر منکشف ہوئے ہیں شاید اس قدر لطائف ان پر منکشف نہیں ہوئے۔یہی وجہ ہے کہ آپ اتنے غور وخوض سے سن رہے ہیں۔شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فراستِ ولایت سے میرے ضمیر کی آواز و خیال کو پہچان لیا اور فرمایا: اے جان پدر! میری یہ فروتنی اور نیاز مندی تیرے لیے نہیں ہے بلکہ ہر مبتدی سے جو اپنے حالاتِ لطائف مجھے سناتا ہے،ایسے ہی سناتا ہے، یہ تمہارے لیے ہی خاص نہیں ہے۔جب میں نے آپ سے یہ الفاظ سنے تو میں خاموش ہوگیا۔آپ نے جب میری یہ خجالت محسوس فرمائی تو مجھ سے فرمایا۔بیٹا! انسان کو طریقت میں اس سے زیادہ نسبت نہیں کہ جب وہ اس طریق کو اختیار کرتا ہے تو پھر اس کوچہ کے سوا کسی اور سمت اُسے جانا منظور نہیں ہوتا اور جب وہ اس منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے تو اُسے اس کوچہ کے مذاکرہ سے فرحت ہوتی ہے۔تو نفی و اثبات اور فقدانِ وجود ہر دو ایک خواہش کے ماتحت ہیں اور انسان کبھی اپنے پندار، وہم و خواہش سے رستگار نہیں ہوسکتا۔اسے چاہیے کہ بارگاہِ ایزدی میں بندگی و عبودیت اختیار کرے اور تمام نسبتوں کو اپنے سے رفع کر کے سوا نسبتِ مردانگی اور خرم و استقلال و فرمانبرداری کے، کسی وقت التفات نہ رکھے۔(اس کے بعد منجانب اللہ اس پر اسرار منکشف ہوں گے)۔علاوہ اس کے، اُن کے اور میرے مابین بہت سے راز تھے،اگر ان کی تفصیل کی طرف رجوع ہوجاؤں تو جو مقصودِ تالیفِ کتاب ہے،وہ رہ جائے۔اس۔لیے اس اختصار پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت ابواحمد مظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ:

انہیں متاخرین میں سے رئیس الاولیاء، ناصح اہلِ صفا حضرت ابواحمد مظفر بن حمدان رضی

Marfat.com

اللہ عنہ نے سریرِ سلطنت پر دریدوازہ اسرار منکشف فرمایا اور تاجِ کرامت وعرفان سے انہیں نوازا۔ بحثِ فنا و بقا میں اُن کا پیغام نہایت عمدہ و بلند ہے۔

اور شیخ المشائخ حضرت سید ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں بندگی و عبودیت کے ذریعہ سے یہ راہِ طریقت ملی مگر ابو احمد مظفر کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ یعنی ہم مجاہدہ کر کے مرتبہٗ مشاہدہ تک پہنچے مگر وہ بفضلِ الٰہی مشاہدہ سے مجاہدہ کی طرف آئے۔

میں نے خود حضرت ابو احمد مظفر سے سنا کہ فرماتے تھے کہ وہ نعمت جو عرفاء وکملاء کو قطع بوادیِ عشق اور طے مراحلِ جہد کے بعد حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے مسند پر حکومت کرتے ہوئے عطا فرمائی، بلکہ جو لوگ متکبر ہیں وہ (اپنے اوپر قیاس کر کے) حضرت خواجہ ابو احمد مظفرؒ کے اس قول کو محض تعلّی خبر کرتے ہیں، حالانکہ یہ اُن کا عیب ہے۔ اس لیے کہ جو اپنے حال کو صداقت سے بیان کرے وہ محض دعویٰ نہیں ہوتا، علی الخصوص جب کہ اُن کی رفعتِ مکانی کو اربابِ معنی بھی بیان کر رہے ہوں۔

اور آج ان کے فرزندِ رشید موجود ہیں اور حضرت خواجہ احمد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں اُن کی خدمت میں حاضر تھا کہ نیشا پور کا ایک مدعیِ تصوف ان کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: ''فانی شود آنگاہ باقی شود۔'' ''یعنی اوّل فانی ہو تو پھر باقی ہوگا۔'' حضرت خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فناء پر بقاء کس طرح صورت حاصل کرسکتی ہے اس لیے کہ فنا کے معنی نیست کے ہیں اور بقاء کے معنی ہست کے، اور ان دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کی نفی ہے (اس لیے کہ فناء بقا کی ضد ہے اور بقاء فنا کی ضد)۔ تو جب فنا ہوئی تو فنا معلوم کی فنا ہوگی مگر یہ فنا عین نہیں بلکہ جسے فنا کہا جاتا ہے، وہ کچھ اور ہی چیز ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ حقیقتیں فنا ہوں تو درحقیقت فنا نام صفتِ فنا کا ہے، اس لیے کہ سبب کا فنا ہونا جائز ہے۔

تو صفت وسبب کے فنا ہوجانے سے موصوف اور مسبب باقی رہتا ہے اور یہ یاد رکھو کہ ذات پر فنا کبھی درست نہیں۔ اور مَیں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ مجھے خواجہ مظفر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بلفظ یاد نہیں رہی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اس عبارت کا مفہوم بیان کیا ہے۔

اور عبارت کے مفہوم کو میں اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتا ہوں تاکہ عام فہم ہوجائے وہ یہ ہے کہ بندہ کا اختیار بندہ کی صفت پر ہے اور جب تک بندہ اپنے اختیار میں رہتا ہے محجوب ہوتا ہے تو گویا صفتِ عبد، حق تعالیٰ کی طرف بندہ کے لیے حجاب ہے اور اختیار ذات واجب اللہ تعالیٰ

Marfat.com

شانہٗ ازلی وابدی ہے اوراختیاراتِ عبد حادث ہیں اور ازلی پر فنا محال ہے۔تو جب اختیار فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (۱) حق عبد میں بمرتبہ بقا قائم ہوتا ہے تو اس وقت اختیارِ عبد فانی ہو کر تصرف عبدیت کو منقطع کردیتا ہے۔ واللہ اعلم

ایک دن میں گرمی کی شدت سے شیخ ابوالمظفرؒ کی خدمت میں اپنے کپڑوں کو شوریدہ کیے ہوئے پسینہ میں شرابور سراسیمہ حاضر ہوا۔مجھ سے فرمایا: ابوالحسن! کیا حال ہے جو اس قدر گھبرا رہے ہو! میں نے عرض کی! سرکار سماع کی خواہش ہے۔اسی وقت کسی خادم کو حکم ہوا، علی الفور قوال حاضر ہوگئے اور ایک جماعتِ اہلِ مشرف کی بھی آ گئی ۔قوالی شروع ہوئی کہ ایک نوعمر لڑکے نے جوشِ جوانی اور قوتِ ارادہ اور آتشِ عشق حرارت سے اثناء سماع میں مجھے مضطرب کردیا۔کچھ اس کے جذبات سے اور کچھ کلماتِ پُرسوز سے میں بیقرار ہوگیا ۔تھوڑی دیر میں وہ کیفیت غیبانی جو آفت حال سے مجھ پر طاری ہوئی تھی، کم ہوئی، تو مجھ سے دریافت فرمایا: اب تیرا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی، اب بہت سکون ہے۔

سماع وقوالی کے نقصانات:

فرمایا: ایک وقت تجھ پر وہ آئے گا کہ یہ آوازِ سماع اور کوے کی کائیں کائیں تیرے لیے یکساں ہوگی ،اس لیے کہ سماع کا اثر صوفی کے قلب پر اسی وقت ہوتا ہے جب تک وہ مشاہدہ سے محروم ہے اور جب مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے تو اثرِ سماع بیکار ہوجاتا ہے ۔خیال رکھنا! اس سماع کی عادت نہ ڈال لینا، کہیں یہ طبیعتِ ثانیہ بن کر تجھے مشاہدہ سے محجوب نہ کردے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۔ سورۃ ھود: ۱۰۷،

Marfat.com

تیرھواں باب

مختلف ممالک کے مشائخ متاخرین

بطریق اختصار اُن صوفیاء کرام کے حالات میں جو متاخرین میں سے ان شہروں میں جلوہ افروز ہیں۔اگر میں اس وقت تمام متاخرین صوفیاء کے حالات مفصل اس کتاب میں بیان کروں تو طوالتِ کتاب یقینی ہے اور اگر بعض کے حالات چھوڑ دوں جو مقصود کتاب ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔لہٰذا اب ہم اُن کے اسمائے گرامی لکھتے ہیں جو ہمارے زمانہ میں ہیں اور وہ حقیقتاً اہل معانی اور ارباب بالحق سے ہیں اور وہ رسمی صوفی نہیں ہیں تا کہ اگر خدا چاہے تو حصولِ عوام سے قرب حاصل ہو جائے۔ان شاء اللہ ۔

مشائخ اہلِ شام وعراق

۱۔ حضرت شیخ ذکی ابن العلا رحمۃ اللہ علیہ: بزرگان مشائخ سے ہیں اور ساداتِ زمانہ سے مانے جاتے ہیں۔میں نے انہیں شعلۂ محبت میں مثلِ شعلہ پایا۔ان کی کرامات مشہور ہیں۔

۲۔ حضرت شیخ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ: رئیس الصوفیا ہیں۔تحقیقِ تصوف میں نہایت سلیس بیان رکھتے ہیں۔حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہیں، آپ کی بعض تصانیف میں نے پڑھی ہیں۔

۳۔ حضرت ابو القاسم مسدسی رحمۃ اللہ علیہ: بڑے مجاہدہ والے بزرگ ہیں اور بلند حال۔ چرواہے ہیں۔بزرگوں کے ساتھ بہت عقیدت مند ہیں۔

مشائخ اہلِ فارس

۱۔ شیخ الشیوخ حضرت ابوالحسن بن سابعہ رحمۃ اللہ علیہ: تصوف میں فصیح اللسان تھے اور مسائل توحید میں واضح البیان۔مشہور ومعروف عالم ہیں۔

۲۔ شیخ مرشد حضرت ابو اسحاق بن شہر یار رحمۃ اللہ علیہ: محتشمان قوم ہیں۔سیاستِ شرع کے بہترین عالم ہیں۔

Marfat.com

۳۔ شیخ طریقت حضرت ابوالحسن بن بکران رحمۃ اللہ علیہ: بزرگانِ متصوفہ سے ہیں۔
۴۔ شیخ ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ: اپنی سلطنت کے بہترین خلف اور اُمید افزا حال کے مالک ہیں۔
۵۔ شیخ ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ: مرو کے رہنے والے، عاشق کلمہ گوگزرے ہیں۔
۶۔ شیخ الشیوخ حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ: ان کی میں زیارت نہ کرسکا۔

مشائخ قہستان وآذربائیجان وطبرستان وقف

۱۔ شیخ شفیق فرخ المعروف بہ اخی زنجانی رحمۃ اللہ علیہ: نہایت نیک سیرت اور ستودہ طریقت ہیں۔
۲۔ شیخ اندرین رحمۃ اللہ علیہ: بزرگانِ قوم سے ہیں۔آپ کی بہت سی نیکیاں قابل تحسین ہیں
۳۔ حضرت بادشاہ تائب رحمۃ اللہ علیہ: راہِ خدا میں مستقل گزرے ہیں۔
۴۔ شیخ ابوعبداللہ جنید رحمۃ اللہ علیہ: پیر کامل اور بہترین رفیق طریقت ہیں۔
۵۔ شیخ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ: کشف میں اجلہ کملاء سے گزرے ہیں۔
۶۔ حضرت خواجہ حسن سمنان رحمۃ اللہ علیہ: عاشق زارِ جمیلِ حقیقی اور امیدوارِ رحمتِ جلی ہیں۔
۷۔ شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ: صوفیوں میں بڑے مجاہدہ وریاضت کرنے والے ہیں۔
۸۔ حضرت احمد پیر شیخ قرقانی رحمۃ اللہ علیہ: فرزند سعید ہیں۔
۹۔ حضرت ادیب گندی رحمۃ اللہ علیہ: سادات زمانہ سے ہیں۔

مشائخ اہلِ کرمان

۱۔ خواجہ علی الحسین سیرکانی رحمۃ اللہ علیہ: سیاح وقت، صاحب طریقت، توحید میں کامیاب اورسفر ہاءِ عرفان میں کامل گزرے ہیں۔
۲۔ خواجہ علی الحسین کے صاحبزادہ: حکیم اور مقبول حق ہیں۔
۳۔ شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ: بزرگانِ وقت سے ہیں۔
ان کے علاوہ کرمان میں بہت سے مشائخ، اولیاء کرام، جوان ومعمر، عوام سے مکتوم ومخفی بھی ہیں۔

مشائخ خراسان

۱۔ شیخ، مجتہد حضرت ابو العباس سرمعانی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کی زندگی خوب ہے اور وقت

Marfat.com

نہایت اچھا ہے۔

۲۔ خواجہ ابوجعفر محمد بن علی حواری رحمۃ اللہ علیہ: بزرگانِ قوم اور محققانِ صوفیاء میں ہیں۔

۳۔ خواجہ ابوجعفر ترشیزی رحمۃ اللہ علیہ: معززین قوم میں سے ہیں۔

۴۔ خواجہ محمود نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ: مقتدائے زمانہ اور زبان با اثر رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ: نیک زندگی گزار رہے ہیں اور صاحبِ باطن ہیں۔

۶۔ خواجہ رشید بن شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ: اُمیدوارلجۂ رحمت، مقتداءِ قوم وقبلۂ قلوب ہیں۔

۷۔ خواجہ احمد خاوی سرخسی رحمۃ اللہ علیہ: زبردست مبار زِوقت اور ایک مدت تک میرے رفیق رہے ہیں، ان کے معاملات عجیب میں نے دیکھے۔

۸۔ شیخ احمد نجار رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی: مقیم مرو، اپنے زمانہ کے سلطان گزرے ہیں۔

۹۔ شیخ ابوالحسن علی بن اسود رحمۃ اللہ علیہ: اپنے باپ کے بہترین خلف ہیں۔ آپ کی علوِ ہمت وصدقِ فراست کی تفصیل کروں تو اہل خراسان کے حالات ہی میں کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ میں نے تین سو مردانِ خدا، خراسان میں ایسے پائے جو آفتاب و ماہتابِ طریقت ہیں۔

مشائخ ماوراء النہر

۱۔ خواجہ امام رحمۃ اللہ علیہ: مقبول خواص وعوام سے ہیں۔

۲۔ حضرت ابوجعفر بن محمد حسین حرمی رحمۃ اللہ علیہ: مردِ مستمع وگرفتارِ عشقِ حقیقی ہیں، آپ کی ہمت عالی اور لیل ونہار نہایت مصفٰی ہیں۔

۳۔ خواجہ فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ: اپنے ہمعصر لوگوں میں وجاہت رکھتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابومحمد بالغزی یابانغزی رحمۃ اللہ علیہ: نہایت قوی المعاملہ اور عارف کامل ہیں۔

۵۔ حضرت احمد ایلاقی رحمۃ اللہ علیہ: شیخ وقت مخدومِ زمانہ تھے۔

۶۔ خواجہ عارف رحمۃ اللہ علیہ: فریدِ وقت اور بدیع العصر گزرے ہیں۔

۷۔ حضرت علی بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ: پیشواء زمانہ اور مردِ محتشم تھے۔ زیارت کی اور ان کے مناصب دیکھے۔

مشائخ غزنی

۱۔ شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ: حضرت ابوالفضل بن اسدی پیر بزرگ گزرے ہیں، آپ کی

Marfat.com

کرامتیں بہت ہیں اور آتشِ عشق میں مثلِ شعلہ تھے۔

۲۔ شیخ اسماعیل شاشی رحمۃ اللہ علیہ: پیر محتشم تھے اور آپ کا طریقہ ملامتیہ تھا۔

۳۔ شیخ سالار طبری رحمۃ اللہ علیہ: علماء متصوفہ سے گزرے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو عبداللہ محمد بن الحکیم المعروف بہ مرید رحمۃ اللہ علیہ: مستانِ حضرتِ حق سے گزرے ہیں، اپنے مرتبۂ کمال میں لاثانی تھے اور لوگوں سے آپ کا حال مخفی تھا، آپ کے دلائل واضح اور آپ کا حال بہترین تھا۔

۵۔ شیخ محترم حضرت سعید بن ابی سعید رضی اللہ عنہ: حافظ حدیث تھے، کافی عمر پائی تھی۔ بہت سے مشائخ کی زیارت فرمائی، قوی الحال تھے مگر لوگوں سے اپنا حال مخفی رکھا۔

۶۔ خواجہ بزرگوار حضرت ابوالعلاعبدالرحیم بن محمد سعدی رحمۃ اللہ علیہ: معزز قوم تھے۔ مجھے ان سے بہت محبت ہے، نہایت قوی الحال اور عالم علوم تھے۔

۷۔ شیخ اوحد قودہ بن محمد جرویزی رحمۃ اللہ علیہ: اہلِ طریقت کے ساتھ محبت رکھنے والے اور صوفیاء میں آپ کی عزت بے حد تھی، اُمید ہے کہ جتنی عقیدت لوگوں کو ان سے ہے، ان کے بعد بھی کوئی ایسا پیدا ہو جس سے ایسی ہی عقیدت ہو۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی۔

اس وقت اگرچہ یہاں کے مکاروں نے شہر میں گندگی پھیلادی ہے، اُمید ہے کہ ان سے جلدی شہر پاک ہو جائے گا اور پھر اولیائے کرام کا قدم گاہ بن جائے گا۔

اب ہم صوفیائے کرام کے فرقوں کا فرق بیان کرتے ہیں۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

Marfat.com

چودھواں باب

صوفیاء کے مختلف مکاتیب ومذاہب

قبل اس کے مَیں نے حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں بتایا تھا کہ صوفیا کرام میں بارہ فرقے ہیں۔ان میں سے دو فرقے مردود ہیں اور دس مقبول۔یہ دس فرقے عمال وطریقت میں نیک ہیں اور مجاہدہ و ریاضت میں اُن کے آداب لطیف ہیں،مشاہدہ میں قوی الحال ہیں،اگرچہ ان کے مجاہدہ وریاضت کے طریقوں میں اختلاف ہے۔مگر اصول وفروع شرع میں اور عقیدۂ توحید میں سب متفق ہیں۔

حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اِخۡتِلَافُ الۡعُلَمَاءِ رَحۡمَةٌ اِلَّا فِیۡ تَجۡرِیۡدِ التَّوۡحِیۡدِ. ”علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر تجرید وتوحید میں سب کا اتفاق ہونا ضروری ہے۔“ اور اس مضمون کے موافق ایک حدیث مشہور ہے۔

تو یہی اختلاف عمل فی المجاہدہ والریاضت تصوف میں ہے اور روایات مشائخ میں تو درحقیقت سب متفق ہیں اور ازرُوئے مجاز مختلف۔

اب میں یہاں برسبیلِ اختصار مشائخ کے اقوال کے ساتھ اُن اختلافات کو تقسیم کروں گا اور ہر ایک کی وضاحت کے لیے ایک بساط بچھاؤں گا تا کہ آسانی سے سمجھ سکیں اور علماء کی اس سے اصلاح ہو اور مریدوں کے لیے اُس سے فائدہ اور محبوں کو کامیابی اور اہل عقل کو اس کا اندازہ اور تنبیہہ ہو اور میرے لیے اس خدمت کا ثواب دونوں جہان میں ہے۔ وبااللّٰہ التوفیق .

فرقہ محاسبیہ

فرقہ محاسبیہ کا تعلق ابوعبداللہ بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔آپؒ بہ اتفاق صوفیاء کرام مقبولِ زمانہ اور مقتول نفس تھے اور علوم اصول وفروع وحقائق تصوف میں بڑے ماہر، تجرید توحید کی حقیقت جاننے والے اور معاملات ظاہری وباطنی میں نہایت ثابت قدم۔

آپ کا عقیدہ تھا کہ راضی بر ضا رہنا، یہ کوئی مقامِ تصوف نہیں ہے بلکہ یہ صوفی کا ایک حال ہے۔مقامِ رضا کو مقام نہ ماننے کا دعویٰ سب سے پہلے آپ نے فرمایا۔پھر اہل خراسان نے اُسے قبول کیا۔پھر اہل عراق نے اس کا رَدّ کیا اور کہا کہ رضا یقیناً ایک مقام ہے جو مقامِ توکل کا

Marfat.com

ملتجی ہے اور آج تک یہ اختلاف عراقی اور خراسانیوں میں چلا آرہا ہے۔اب ان شاء اللہ اس قول کی شرح ہم کرتے ہیں۔

حقیقتِ رضا

اوّل ہم رضا کی حقیقت بیان کریں اور اس کی اقسام بتائیں (تاکہ متنازع فیہ کو سمجھ لینے سے مسئلہ واضح ہوجائے) اس کے بعد حال اور مقام کی وضاحت کی جائے گی۔اوّل کتاب وسنت میں تحقیق رضا کے متعلق تصریح موجود ہے،وہ یہ ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾(۱)" اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔" اور فرمایا: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (۲)"بے شک اللہ راضی ہوا مومنین سے،جب کہ انہوں نے تجھ سے بیعت کی شجر کے نیچے۔"

حضور سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا:

ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا (۳)

"اس نے ذائقۂ ایمان کا لطف حاصل کرلیا جو راضی ہوا اللہ کی ربوبیت پر۔"

اور رضا کی دو قسمیں ہیں: ایک رضاءِ حق جل وعلا بندہ کے ساتھ اور ایک رضاءِ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔تو رضاءِ حق تعالیٰ جو بندہ سے ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ سے حق تعالیٰ راضی ہوکر اُسے ثواب اور نعمت جنت اور کرامتِ عرفان عطا فرمائے۔اور رضاءِ بندہ بحق تعالیٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے فرمان پر قائم ہوکر گردنِ اطاعت جھکائے رکھے تو رضاءِ حق مقدم رضاءِ بندہ ہے۔

حتیٰ کہ جب تک برضاءِ حق بندہ کو توفیقِ اطاعت وامتثالِ امر نہ ملے،بندہ کبھی اُس کے حکم کے آگے سر جھکا نہیں سکتا اور اس کی مرضی پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اس لیے کہ رضاءِ بندہ مقرون برضاءِ حق ہے اور رضاء بندہ کا قیام رضاء حق کے ساتھ نسبت حاصل ہونے پر ہے اور بندہ کی رضاء اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کا دل مستوی و مستقیم نہ ہوجائے قضا الٰہی کے دونوں پہلوؤں پر۔اس لیے کہ قضاء الٰہی کا ایک پہلو منع نعمت وفرحت ہے۔دوسرا پہلو عطاو بخشش ہے۔

رضا کے محور پر بندہ کا قیام تب صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ عطاو منع دونوں کا نظارہ چشم دل سے اس طرح کرے جس طرح احوالِ عالم کا نظارہ کیا جاتا ہے (یعنی عطا پر خرمی وشادی اور منع کرنے پر

۱۔ سورۃ التوبۃ:۱۰۰　　۲۔ سورۃ الفتح:۱۸

۳۔ حوالہ کے لیے:مسند احمد بن حنبل ۲۰۸/۱

Marfat.com

رنج وتعب اس کے دل پر اثر پذیر نہ ہو)۔ گویا شانِ جلالی یا شانِ جمالی جو بھی اُس کے مشاہدہ میں آئے اس پر اُس کی رضا کا مشاہدہ ہو۔

یعنی جب کہ اُسے منعِ نعمت یا عطائے نعمت کا علم ہو تو احساسِ شادی وغم سے مقدم وہ سابق برضا ہو اور ایسا راضی ہو کہ دونوں کیفیتیں اُس کے مساوی ہوں۔ خواہ آتشِ ہیبت وجلالِ حق میں جلایا جائے یا نورِ لطف جمال میں منور کیا جائے۔ راضی برضا کے لیے جلنا اور مستنیر ہونا دونوں زبان ودل سے یکساں ہوں۔ اس لیے کہ راضی برضا شاہدِ حق ہوتا ہے اور منجانب حق جو ہوتا ہے، سب اچھا ہی ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین شہزادۂ گلگوں، قبا، شہید دشتِ کربلا امام حسین بن علی سید الشہداء رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ سے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا جو انہوں نے کہا تھا:

اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْغِنَاءِ وَالسَّقْمُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الصِّحَةِ.

"مجھے درویشی تو انگری سے زیادہ پیاری ہے اور بیماری تندرستی سے زیادہ محبوب ہے۔"

تو حضرت شہزادہ صاحب نے فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا ذَرٍّ اَمَّا اَنَا فَاَقُوْلُ مَنْ اَشْرَفَ عَلٰی حُسْنِ اِخْتِیَارِ اللّٰهِ لَمْ یَتَمَنَّ غَیْرَ مَا اَخْتَارَ اللّٰهُ لَهٗ. "اللہ رحم فرمائے ابوذر پر اور اُن پر رحمتیں ہوں، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ کے حسنِ اختیار سے پہنچے، اس کے سوا میں ہرگز تمنا نہ کروں، سوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اختیار فرمایا۔"

اس لیے کہ جب بندہ اختیارِ الٰہی کو دیکھ چکا اور اپنے اختیارات سے اعراض کر چکا تو تمام اندوہ وملال سے آزاد ہو گیا، اور یہ عقیدہ مقام غیبت میں کبھی صحیح نہیں ہوتا۔ اس یقین واطمینان کے لیے حضور وشہود چاہیے۔ لِاَنَّ الرِّضَاءَ لِلْاَحْزَانِ نَافِيَةٌ وَّ لِلْغَفْلَةِ مُعَالِجَةٌ شَافِيَةٌ. "اس لیے کہ رضا مردِ خدا کو اندوہ وغم سے آزاد کر دیتی ہے اور غفلت سے چھڑا دیتی ہے اور اندیشۂ غیر کو دل سے زائل کر دیتی ہے اور قید وبند مشقت سے آزاد کر دیتی ہے۔" اس لیے کہ رضا کی صفت "رہانیدن" ہے یعنی بری وآزاد کر دینا۔ لیکن معاملۂ رضا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ علم الٰہی کے ساتھ منع وعطا کو سمجھ کر اسی کے علم پر قانع اور شاکر ہو جائے اور اس کا عقیدہ اس حال میں یہ ہو کہ تمام حالات کا دانا وبینا وہی رب جل مجدہٗ ہے۔

اس مسئلہ میں صوفیا کرام کی چار اقسام ہیں:

Marfat.com

☆ ایک گروہ وہ ہے جو راضی بحق ہے عطاءِ محبوب پر اور یہ درجۂ معرفت ہے۔
☆ ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے نعماءِ الٰہی پر اور یہ درجۂ دنیا ہے۔
☆ ایک گروہ وہ ہے جو راضی ہے بلا پر اور یہ درجۂ محنت ومجاہدہ ہے۔
☆ ایک گروہ تو وہ ہے جو راضی ہے اصطفا پر اور یہ درجۂ محبت ہے۔

وہ گروہ جو معطی سے عطا کو دیکھ کر بجان ودل قبول کررہا ہے، اس کے دل سے کلفت ومشقت قطعی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ گروہ جو عطا کو بمعنی عطا دیکھ رہا ہے اور عطا کنندہ پر نظر رکھتا ہے وہ عطا پر رہ جاتا ہے اور بتکلف راہِ رضا کو عبور کرتا ہے۔

اس رضا میں سب رنج وتعب مستولی ہوتے ہیں اور معرفت اس وقت حقیقت بنتی ہے جب بندہ معرفتِ الٰہی میں مکاشف ہوتا رہے، اور جب معرفت اس کے لیے حبس وحجاب ہوتو وہ معرفت ناشناسائی ہوتی ہے، اور نعمت، نقمت ہو جاتی ہے اور عطا، غطا بن جاتی ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ سے دنیا پر راضی ہوتا ہے، وہ ہلاکت وزیاں کاری میں ہے اور بندہ کی یہ رضا سبب بے نصیبی ہے بلکہ یہ رضا جہنم ہے، اس لیے کہ دنیا راز ہائے حق کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں رکھتی پھر اپنے دل کی دوستی کو اس میں ضائع کرے اور قسم قسم کے اندوہ اس کے ضمیر پر گزر کریں۔

نعمت اس وقت نعمت ہوتی ہے جس وقت راہِ منعم کی راہنمائی کرے اور یہ نعمت، منعم سے حجاب بنے تو وہ نعمت بلاءِ محض ہے، اور وہ اس ربِّ مجید کی بلا پر راضی ہے، وہ وہ گروہ ہے کہ ہر بلا میں مُبلی کو دیکھتا ہے تو ہر قسم کی مشقت وتکلیف مشاہدۂ جمالِ یار کی مسرت میں وہ برداشت کر لیتا ہے، بلکہ وہ رنج اس مسرت سے جو مشاہدۂ جمالِ دوست سے حاصل ہوتی ہے رنج نہیں رہتا۔

اور وہ گروہ جو اصطفاءِ حق سے راضی ہے وہ محبانِ حق ہیں۔ یہ حالتِ رضا میں اور سخط وغضب میں بھی راضی رہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ہستی عاریت ہوتی ہے۔ یہ اپنی منازلِ دل کو سوائے حضرت جلت ومجد عز اسمہ کے کہیں نہیں دیکھتے اور اپنی سراپردۂ اسرار کو سوائے روضۂ الفتِ محبوب کہیں نہیں پاتے۔ یہ حاضر ہوتے ہیں اور بظاہر غائب۔ یہ عرشی ہوتے ہیں اور بظاہر فرشی۔ روحانی ہوتے ہیں اور بظاہر جسمانی۔ لوگوں میں ہوتے ہیں مگر درحقیقت ربّانی تجلیات میں رہتے ہیں۔ مقامات وحالات میں ہوتے ہیں مگر ان کا دل منقطع ہوتا ہے۔ مخلوقات سے قطع تعلق کیے ہوئے دوستی کے لیے کمر بستہ اور سر بکف حاضر۔

﴿وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾ (۱)

۱۔ سورۃ الفرقان: ۳

Marfat.com

''وہ اپنے نفسوں کے لیے ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہوتے اور نہ موت وحیات اور نشر کے۔''

تو خدا کے سوا غیر پر راضی ہونا خالص زیاں کاری ہے اور اس کی ذات کے ساتھ رضا میں خالص رضوانِ حق ہے، اس لیے کہ راضی ہونا مملکتِ دنیا اور ہدایتِ عافیت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَرْضَ بِاللّٰهِ وَبِقَضَآئِهٖ شَغَلَ قَلْبُهٗ وَتَعِبَ بَدْنُهٗ.

''جو خدا اور خدا کی قضا پر راضی نہیں، اس کا دل مشغول بہ اسباب ونصیب ہے اور اس کا بدن اس کی طلب میں غمگین۔''

فصل:

احادیث میں وارد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُ رَضِیْتَ عَنِّیْ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّکَ لَا تُطِیْقُ ذَالِکَ یَا مُوْسٰی فَخَرَّ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ یَا ابْنَ عِمْرَانَ اِنَّ رَضَآئِیْ فِیْ رَضَاءِ کَ لِقَضَآئِیْ. "

''الٰہی! مجھے وہ عمل کرنے کی راہنمائی فرما جسے جب میں کروں، تو مجھ سے راضی ہو جا، جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: اے موسیٰ! تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، تو موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر پڑے اور تضرع وزاری شروع کی۔ پھر جناب باری عزوجل نے آپ کو وحی فرمائی کہ اے ابن عمران! میری رضا وخوشنودی اسی میں ہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔''

یعنی جب بندہ قضا وقدرِ الٰہی کے ساتھ راضی ہو جاتا ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ زُہد اعلیٰ درجہ ہے یا رضا۔ حضرت فضیل نے فرمایا: **اَلرِّضَاءُ اَفْضَلُ مِنَ الزُّهْدِ لِاَنَّ الرَّاضِیَ لَا یَتَمَنّٰی فَوْقَ مَنْزِلَتِهٖ.** ''رضا کا درجہ زُہد سے بلند ہے، اس لیے کہ راضی برضا کی کوئی تمنا نہیں ہوتی اور زاہد میں تمنا ہوتی ہے۔''

یعنی منزلِ زُہد پر ایک اور منزل ہے جس کی تمنا زاہد کرتا ہے اور رضا پر کوئی منزل نہیں جس کی تمنا راضی برضا کرے۔ تو پیش گاہ اس سے افضل ہے جو ابھی پایگاہ ہے (یعنی حاضر دربار اس

Marfat.com

سے افضل ہے جو ابھی حاضر ہونے کی سعی میں ہے۔)

یہ حکایت اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح ہے کہ "رضا از جملۂ احوال است۔" یعنی رضا منزل نہیں ہے بلکہ ایک حال ہے اور یہ حال وہی ہے جو مواہب الٰہیہ سے عطا ہوتا ہے نہ کہ کسبی، کہ مکاسب کے ذریعہ منازل پر پہنچا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ راضی برضا کی کوئی تمنا نہیں ہوتی۔

حضور ﷺ کے متعلق روایت ہے کہ حضور ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے: اَسْاَلُکَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَآءِ (۱) "الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے راضی رکھ اُس حال پر جو تیری قضا کے ذریعے مجھ پر آئے۔" یعنی مجھے ایسی صفت سے متصف کر کہ جب تیری طرف سے وہ قضا وارد ہو جو میرے لیے مقدر تھی، تو تُو مجھے راضی پائے۔

اس حدیث سے یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ رضا قبل ورودِ قضا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ قبل ورودِ قضا جو رضا ہے وہ محض عزم ہے اور عزمِ رضا، عین رضا نہیں ہے۔

حضرت ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلرِّضَاءُ نَظْرُ الْقَلْبِ اِلٰی قَدِیْمِ اخْتِیَارِ اللّٰہِ لِلْعَبْدِ.

"بندہ کے لیے رضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارِ قدیم کے ساتھ اپنے دل کی نگہداشت کرے۔"

یعنی جو کچھ اُسے پہنچے اس میں یقین رکھے کہ مختارِ کائنات رب مجید کے اختیارِ قدیم اور مقدر حکم کے ساتھ پہنچا ہے۔ اس سے نہ مضطرب ہو نہ خرم وشاد۔

حضرت حارث محاسبی رضی اللہ عنہ صاحب مذہب فرماتے ہیں:

اَلرِّضَاءُ سُکُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ مَجَارِیِ الْاَحْکَامِ.

"رضا سکونِ قلب کا نام ہے جو احکام کے راستوں کی طرف سے دل میں ہو۔"

اس تعریف کے تحت بھی حارث محاسبیؒ کا مذہب قوی ہے۔ اس لیے کہ سکون وطمانیتِ قلب بندہ کے کسب سے نہیں بلکہ مواہبِ الٰہیہ کے ساتھ ہے۔ جب تک وہ سکون منجانب اللہ عطا نہ ہو، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ دلیل کرتے ہیں کہ رضا حال بندہ کا نام ہے نہ مقام کا۔

۱۔ اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اسالک اللھم الرضاء بعد القضاء

Marfat.com

حضرت عتبہ الغلام ایک رات نہ سوئے اور صبح تک عرض کرتے رہے:

اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاَنَالَکَ عَبْدُکَ مُحِبٌّ وَاِنْ تَرْحَمْنِی فَاَنَالَکَ مُحِبٌّ.

''اگر تو مجھے عذاب دے تو بھی میں تیرا بندہ ومحبّ فرمان بردار ہوں اور اگر رحم فرمائے تو مطیع فرمان ومحبّ ہوں۔''

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے، جو رضاءِ یار میں آئے

یعنی اَلم، عذاب ولذت نعمت تن پر ہے اور قلقِ دوستی دل میں۔ تو یہ الم ولذت اُسے نقصان نہیں دے سکتا۔ یہ بھی حضرت محاسبیؒ کے دعوٰی کی تائید ہے۔ اس لیے کہ رضاء نتیجۂ محبت ہے کہ محبّ اس کام سے ہر حال میں راضی ہے جو محبوب کرے۔ اگر عذاب میں رکھے تو مجوبِ محبت نہ ہو بلکہ خرم رہے اور اگر نعمت میں رکھے تو بھی دوستی سے مجوب نہ ہو اور اپنے اختیارات کو اختیاراتِ حق کے مقابلہ میں علیحدہ کرے۔

حضرت ابوعثمان خیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰهُ عَلٰی حَالٍ فَکَرِهْتُهٗ وَمَا نَقَلَنِیْ اِلٰی غَیْرِ فَسَخِطْتُهٗ.

''چالیس سال سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حال میں رکھا، مَیں نے اسے مکروہ نہ سمجھا اور جب اس حال سے کسی حال کی طرف مجھے منتقل کیا تو مَیں اس حالت میں غصہ نہ ہوا۔''

اس مضمون میں دوامِ رضا وکمالِ محبت کی طرف اشارہ ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ ایک درویش دریائے دجلہ میں پھنس گئے اور تیراکی نہیں جانتے تھے۔ ایک نے کنارے سے کہا اگر آپ چاہیں تو مَیں کسی کو بلاؤں تاکہ وہ تمہیں دریا سے نکالے، آپ نے کچھ جواب نہ دیا تو اس شخص نے کہا: تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو میرا ربّ چاہے وہ ہوگا مجھے چاہنے سے کیا کام۔

غرضیکہ مسئلہ رضا میں مشائخ کرام کے بہت سے کلام ہیں جو اختلاف عبارت کے ساتھ اس مفہوم کے موئید ہیں اور سب کے فرامین کے یہی دو مفہوم ہیں جو ہم نے بیان کیے مگر ترک تطویل کرکے اس مختصر میں بیان کیا گیا۔ اب ہمیں ضروری ہے کہ حال ومقام کے فرق کی تشریح کریں تاکہ اس کی حدود اور اس کے معنی کا ادراک آسانی سے ہوسکے اور اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

Marfat.com

مقام وحال

اچھی طرح یاد رکھو! یہ دو لفظ صوفیاء کے طبقہ میں مستعمل وجاری ہیں اور ان کی عبارتوں میں بولے جاتے ہیں اور محققین صوفیاء ان دو لفظوں کے ساتھ ایک طویل عبارت کا مفہوم حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا فنِ تصوف کے حاصل کرنیوالوں کو ان کے سمجھے بغیر چارہ نہیں۔ اگر چہ یہ باب اس بحث کے بیان کا نہیں لیکن اس جگہ ان دو لفظوں کو سمجھے بغیر چارہ نہیں۔ سب توفیق، ہمت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے ہے۔

یادرکھو! (مُقام) عام طور پر برفع میم ''بندہ کی اقامت'' کو کہتے ہیں اور (مَقام) بہ نصب میم، ظرف یعنی ''اقامت کی جگہ'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن یہ تفصیل لفظ کے معنی میں جو کی گئی، وہ سہو ہے بلکہ غلط۔ درحقیقت (مُقام) میم کے پیش سے اقامت اور جائے اقامت کے معنی میں مستعمل ہے اور (مَقام) میم کے زبر سے قیام اور قیام کی جگہ کے معنی دیتا ہے۔ اور بندہ کی اقامت کی جگہ خدا کی راہ میں ہوتی ہے اور اس مقام میں حقِ الٰہی کی رعایت رکھنے اور اس کے ادا کرنے کا خیال کرنا لازمی ہے تاکہ جس قدر ہو سکے وہ اس کی کمالِ ذات کا ادراک کرے اور جب تک خدا ہی وہاں سے نہ گزارے اسے روا نہیں کہ اپنے مقام سے گزرے۔

پھر مقاموں کی ابتدا توبہ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد انابت یعنی حق کی طرف لوٹنا، پھر زُہد، اس کے بعد توکل اور مثل اس کے اور درجات بعد میں ملتے ہیں لیکن بندہ کو ہرگز روا نہیں کہ بلا توبہ دعویٰ انابت کرے، اور بلا انابت دعویٰ زہد کرے اور بے زُہد دعویٰ توکل کرے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبانِ جبرائیل علیہ السلام سے خبر دی جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کے سامنے عرض کی:

''وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔''

''ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کے لیے ایک مقام معلوم نہ ہو۔''

بہرحال اس کے معنی ہیں کہ کیفیت کا حق کی طرف سے دل میں پیدا ہونا۔ اُسے بندہ اپنے کسب کے ذریعہ دفع نہیں کر سکتا اور جب وہ کیفیت جاتی ہے تو بندہ اُسے اپنے کسب وتکلیف سے حاصل نہیں کر سکتا۔ تو مقام وہ راستہ ہے جس میں طالب کوشش کرے اور اپنی سعی وجہد کے ساتھ قدم رکھے اور اس کے لیے حضرت حق جل مجدہٗ نے طالب کے لیے کسب کرنے اور مجاہدہ سے تقرب حاصل کرنے کی ایک مقدار کا درجہ رکھا ہے اور حال، بلا تعلقِ مجاہدہ بندہ کے دل میں فضلِ الٰہی اور لطفِ محض کے ساتھ ایک کیفیت کا پیدا ہونا ہے۔

Marfat.com

تو خلاصہ یہ ہوا کہ مقام، اعمال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور حال تمام کا تمام افضال حق سے دلی طلب میں آتا ہے۔ تو مقام مکاسب عبد سے ہوا اور حال مواہب حق سے۔ تو صاحب مقام اپنے مجاہدہ وریاضت کے ساتھ قائم ہوگا جو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے دل میں پیدا فرمائے۔ مشائخ کرام رحمہم اللہ اس جگہ مختلف ہیں۔ ایک جماعت تو وہ ہے جو حال کو دوامًا روا رکھتی ہے۔ ایک جماعت وہ ہے جو حال کو دوامًا ناروا مانتی ہے۔

فرقۂ محاسبیہ

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اسی گروہ کے امام ہیں جو حال کو دوامًا روا رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: محبت وشوق، قبض وبسط، یہ تمام احوال ہیں اگر ان کا دوام روا نہ ہو تو نہ محب، محب ہوگا، نہ مشتاق، مشتاق۔ تو جب تک حال بندہ کی صفت نہ ہو جائے تو اسم محب اور مشتاق اس پر صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے آپ نے رضا کو حال فرمایا اور حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے: مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةٍ مَا اَقَامَنِیَ اللّٰهُ عَلٰی حَالٍ فَکَرِهْتُهٗ یہ اسی طرف مشدّ ومؤید ہے۔

اور دوسرا گروہ جو حال کی بقاء دوام روا نہیں مانتا۔ جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ بَقِیَتْ فَحَدِیْثُ النَّفْسِ.

"احوال مثل بجلیوں کے ہے جو نظر آتا ہے اور ٹھہرتا نہیں اور جو باقی رہتا ہے،
وہ حال نہیں ہے بلکہ وہ حدیثِ نفس ہے جو محض ہوسِ طبع ہے۔"☆

اور ایک گروہ کہتا ہے: حال بایں معنی ہے: "اَلْاَحْوَالُ کَاسْمِهَا یَعْنِیْ اَنَّهَا کَمَا تَحِلُّ بِالْقَلْبِ تَزُوْلُ." حال مثل ایک نام کے ہے یعنی حال حلول کر کے ایک وقت دل میں ملتا ہے اور دوسرے وقت وہ حال زائل ہو جاتا ہے۔" اور جو باقی رہتا ہے وہ صفت ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ قیامِ صفت موصوف پر ہے اور یہ امر بھی لازم ہے کہ موصوف کامل تر از صفت ہو اور یہ سب محال ہے، محال ہے۔

یہ تمام فرق ہم اس لیے بیان کر رہے ہیں تاکہ صوفیاء کی عبارات اس کتاب میں جہاں نقل ہوں وہاں حال ومقام کا لفظ جب نظر آئے تو بہ آسانی سمجھ میں آسکے کہ یہاں حال ومقام سے کیا مراد ہے۔ فی الجملہ اب واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ رضا نہایت مقامات کا نام ہے اور حال ابتداء مقام کو کہتے ہیں۔ اور یہ وہ محل ہے کہ اس کی ایک طرف کسب وسعی میں ہے اور ایک طرف محبتِ حق اور جوش میں ہے۔ اس کے اوپر پھر کوئی مقام نہیں اور انقطاع مجاہدہ اسی جگہ ہو جاتا ہے، تو

☆ بگفت احوال ما برق جہانست دمے پیدا ودیگرم نہانست (سعدی)

Marfat.com

ابتداء کسب سے ہے اور انتہا بخششوں سے ہے۔ اب ایک احتمال پیدا ہوتا ہے کہ جس نے ابتداء میں اپنی رضا کو اپنے سے دیکھا، اس نے کہا مقام ہے اور جس نے انتہاء رضا کو اپنے رب سے دیکھا تو کہا حال ہے۔ یہی مذہب محاسبی کا حکم اصولِ تصوف میں ہے۔ رضی اللہ تعالی عنہ

مگر اعمال میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا سوا اس کے کہ مریدوں کو اُن عبارات و معاملات سے منع کیا گیا جن میں ابہام، خطا و شبہ ہو۔ ہر چند کہ وہ دراصل درست ہی کیوں نہ ہوں۔

چنانچہ ایک روز حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو مرید محاسبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ مستمعین میں سے تھے (مستمع اصطلاحِ صوفیاء میں صاحبِ وجد وحال کو کہتے ہیں)۔ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سیمرغ پالا تھا جو اکثر بانگ کہا کرتا تھا۔ اتفاقاً حضرت ابوحمزہؒ کی حاضری کے موقع پر اس نے بانگ دی۔ حضرت ابوحمزہؒ نے ایک نعرہ مارا۔ حضرت حارث چھری لے کر اُٹھے اور حضرت ابوحمزہؒ سے فرمایا۔ کَفَرْتَ ''تو نے کفر کیا''۔ اور حضرت حمزہؒ کے ذبح کرنے کا عزم فرمایا۔ حاضرین جلسہ میں جو خدام خاص تھے وہ حائل ہوئے اور آپ کے قدموں میں گر گئے اور عذر ومعذرت کر کے حضرت حارث محاسبیؒ کو ان سے علیحدہ کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت حارثؒ نے ابوحمزہؒ کو فرمایا: **اَسْلِمْ یَا مَرْدُوْدُ** ''اے مردود اسلام قبول کر۔'' لوگوں نے عرض کی حضور! ہم تمام لوگ انہیں خواصِ اولیاء سے جانتے ہیں اور خاص موحد سمجھتے ہیں، حضور نے انہیں مردود فرمادیا تو ایسی کیا بات ان سے ظاہر ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس کے ظاہر وباطن کو مستغرق توحید جانتا ہوں لیکن اس نے ایک ایسی حرکت کی ہے جو حلولیوں کے افعال کے مشابہہ تھی، یعنی مرغ حیوان ہے اور اس کی عادت میں بانگ دینا ہے، اپنی مرضی وخواہش سے بانگ دیتا ہے، اُنہوں نے اس کی آواز پر کیوں نعرہ مارا، کیا انہوں نے اللہ تعالی کو متجزی سمجھا، حالانکہ اس کی تجزی محال ہے اور جو محوِ حق ہے اُسے سوائے محبوب کی آواز کے اور اس کی اطاعت کے سکون وآرام نہیں ملتا، اس نے اُس جلوہ کا حلول اس مرغ میں سمجھ کر نعرہ مارا باآنکہ اس کی ذات کو حلول ونزول نہیں، وہ اپنی صفات میں قدیم ہے۔ حضرت ابوحمزہؒ نے شیخ کی طرف دیکھا اور عرض کی: حضور ہر چند کہ میں دراصل صحیح تھا لیکن چونکہ میرا فعل مشابہہ کسی قوم کے ہوگیا میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے عہد کرتا ہوں۔

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ستودہ ہے اور اس میں سلامتی ہے اور کمال صحو پر دال ہے۔

حضور سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا:

Marfat.com

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ. (۱)

"جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور قیامِ قیامت کو مانے اُسے تہمت کے مقام پر ٹھہرنا نہیں چاہیے۔"

اور مَیں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ) چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا ہی معاملہ عطا فرمائے جو آج کل کے رسمی مکار پیروں کے مشابہ نہ ہو۔ حالانکہ یہ اتنے سخت ہیں کہ اگر اُن کی معصیت شعاری کی موافقت نہ کی جائے تو یہ سخت مخالف ہوجاتے ہیں اور دشمن ہوجاتے ہیں۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجَهْلِ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ.

فرقہ قصاریہ

صوفیاء کے فرقوں میں ایک فرقہ قصاریہ ہے۔ اس کا تعلق حضرت ابوصالح بن حمدون بن عمارۃ القصار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ آپ بڑے پایہ کے بزرگ علماء اور سادات طریقہ مانے گئے ہیں۔

آپ کا طریقہ اظہار ونشر، ملامت تھا۔ فنون معاملات میں آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ فرماتے ہیں: باید تا علم حق تعالیٰ نیکو تر ازاں باشد کہ علم خلق۔ "یعنی لازم ہے کہ تنہائی میں اپنے ربّ کے ساتھ نیک معاملہ اس سے زیادہ رکھا جائے جتنا اعلانیہ لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے"، کہ وہ حجابِ اعظم ہے حق تعالیٰ سے اور وہ مشغول ہے دل کے ساتھ مخلوق میں۔ اور باب معاملات میں ہم نے اس بحث کو اوّل اس کتاب میں لکھ دیا ہے اسی وجہ سے یہاں اس بحث کو مختصر کر دیا ہے۔

ان کے عجیب وغریب واقعہ میں سے ایک حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نیشاپور کے لیے شہر حیرہ پر جارہا تھا کہ نوح نامی ایک بزرگ جو فتوت وزُہد میں مشہور تھے اور تمام نیشاپور کے عباد وزاہد ان کے تابع وفرمان تھے، مَیں نے انہیں راستہ میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا: نوح جوانمردی کیا چیز ہے؟ کہنے لگے: میری جوانمردی بتاؤں یا آپ کی۔ میں نے کہا: دونوں فرمائیں۔ نوح نے فرمایا: میری جوانمردی تو یہ ہے کہ میں قبا اُتار کر مرقعہ پوش بنوں اور احکام واعمال

۱۔ مذکورہ الفاظ تو نہیں ملے مگر اس کی ہم معنی روایات وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً: اتقوا مواضع التھم، من قام نفسه مقام التھم فلا یلو من من اساء الظن به. من سلک مسالک التھم اتھم.

حوالہ کے لیے: الاسرار المرفوعة لعلی القاری، ص:۴۹۔ حدیث ۱۵۱

Marfat.com

میں سعی کرتا رہوں حتیٰ کہ صوفی بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی شرم سے اس فرقہ کے اندر ہر قسم کی معصیت سے اجتناب کروں۔ اور آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ مرقعہ اتار کر اتنی علیحدگی اختیار کرو کہ لوگ آپ سے اور آپ لوگوں سے فتنہ میں نہ پڑیں۔ تو گویا میری جوانمردی ظاہر احکامِ شریعت کا اتباع ہے اور آپ کی جوانمردی اسرارِ دین پر حقائق کا نگاہ میں رکھنا ہے اور یہ بڑی قوی دلیل واصل ہے۔

فرقہ طیفوریہ

یہ فرقہ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق و تَوَلّی رکھتا ہے۔ یہ رؤساء متصوفہ سے تھے اور قوم کے اندر کبرائے قوم سے مانے جاتے تھے۔ ان کا مسلک غلبۂ سکرو فرطِ شوق الی اللہ ہے اور ان کا یہ مسلک ہے کہ سکر و محبت کسب انسان کی جنس سے نہیں ہوتا اور جو چیز دائرۂ اکتساب سے خارج ہو اس پر دعویٰ کرنا باطل ہے اور اس کی تقلید محال۔ تو لامحالہ صاحی کی صفت سکر نہیں ہوسکتی اور انسان جلب سکر کی اپنے اندر کوئی طاقت نہیں رکھتا (''کیف صحہ'' اصطلاح تصوف میں ہوشداری کو کہتے ہیں اور صاحی ہوش میں رہنے والا ہے) اور اس کا سکر خود مغلوب ہوتا ہے، اسے مخلوق کے ساتھ التفات نہیں ہوتا کہ وہ کسی صفت کے ساتھ اوصافِ انسانی میں ظاہر ہو سکے اور مشائخ تصوف کی رائے اس طرف ہے کہ اقتداء صرف اسی شخص مستقیم کی درست ہے جو گردشِ احوال سے آزاد ہو چکا ہے۔ اور ایک گروہ مشائخ کا اس طرف ہے کہ اقتداء صاحی اور صاحب سکر دونوں کی روا ہے تا کہ انسان بتکلف غلبہ اور سکر کی راہ پر چل سکے۔

اسی وجہ سے حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: اِبۡکُوۡا فَاِنۡ لَّمۡ تَبۡکُوۡا فَتَبَاکُوۡا. (۱) ''تم رویا کرو اور اگر نہ روسکو تو رونے والوں کی مانند رونے کی صورت بناؤ۔'' اور اس کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ اپنے آپ کو گروہِ باکی کی سی صورت بنا کر دکھانا ہو جو محض ریا ہے اور صوفیاء کے یہاں یہ شرکِ صریح ہے اور دوسرے اس ارادہ پر رونی شکل بناتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اس درجہ پر

۱۔ یہ عبداللہ بن سائب بن ابی نہیک کی روایت کردہ حدیث کا ایک حصہ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت سعد کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا: اے بھتیجے آپ کون ہیں؟ میں نے اپنے بارے بتایا تو فرمانے لگے: خوش آمدید، آپ تجارت پیشہ ہیں، سنائیں آپ قرآن کریم کی تلاوت کس کیفیت میں کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا عمدہ طریقے سے۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن پاک کو پڑھتے ہوئے رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنا لیا کرو اور قرآن کریم کی تلاوت مترنم انداز میں کیا کرو۔ جو قران کریم کی تلاوت مترنم آواز میں نہیں کرتا یا ترنم کی کوشش نہیں کرتا وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ (مسند شہاب ۲/۸۔ ۲ حدیث نمبر ۱۱۹۸)

Marfat.com

پہنچادے جس درجہ وہ ان کی سی صورت بنا رہا ہے۔ اگر یہ خیال ہے تو حدیث سرور عالم ﷺ کی موافقت ہو جائے گی اور حضور نے دوسری جگہ فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ . (۱) ''جو جس قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔'' تو جو کچھ انواع مجاہدات سے ہم نے بیان کیا ان پر عمل کرنا چاہیے اور درگاہِ واہب المراد سے اُمید رکھے تا کہ مبداء فیاض سے اس کے لیے درِ معانی کشادہ ہوں۔

مشائخ کرام میں سے ایک فرماتے ہیں: اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهَدَاتِ . ''مشاہدات، مجاہدات کا ورثہ اور نتیجہ ہیں۔'' میں کہتا ہوں: مجاہدات ہر حال میں اچھے ہیں لیکن سکر اور غلبہ میں کسب انسانی کا کوئی ایسا دخل نہیں کہ اس جدوجہد کے ذریعہ کیفیتِ سکر و غلبہ کا جلب ہو سکے۔

اور مجاہدات کبھی علت حصولِ سکر نہیں ہوں گے، اس لیے کہ مجاہدہ بحالت صحو یعنی ہوش میں انسان کر سکتا ہے اور صاحبِ صحو کو سکر کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔ (اسی وجہ میں صاحی کا سکر میں بذریعہ مجاہدہ آنا محال ہے)۔

اب ہم حقیقتِ سکر و صحو کو باختلاف بیان مشائخ سناتے ہیں تا کہ اشکال سامع رفع ہو۔ **ان شاء اللّٰہ .**

سکر اور صحو

یاد رکھو! اللہ تمہیں نیکی دے، سکر و غلبہ یہ دو لفظ ارباب معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ غلبہ سے مراد محبت جل شانہٗ ہوتی ہے اور صحو ایک ایسا لفظ ہے کہ ''حصولِ مراد'' ارباب معانی کے معنی میں مستعمل ہے مگر اہل معانی کے اس میں سبب سے کلام نہیں۔ ایک جماعت تو صحو پر سکر کو فضیلت دیتی ہے اور وہ ابو یزید ہیں اور ان کی جماعت۔ وہ کہتے ہیں کہ صحو تمکین و اعتدال پر صفت آدمیت کی صورت پکڑ لیتا ہے اور یہ حجابِ اعظم ہے حق تعالیٰ شانہٗ سے، اور سکر زوالِ آفات اور نقص صفات بشریت اور تدابیر دنیا و اختیار ذاتی کو دور کر دیتا ہے۔ اور صاحب سکر کے تمام تصرفات خیارِ حق کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں اور تمام تدابیر و اختیارات کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں اور وہ معنی جو اس کے وجود میں بصورتِ قوی اور خلاف جنس ہیں، وہ اقوی ابلغ اتم و اکمل اُس کے حال میں ہوتے ہیں۔

جیسا کہ داؤد علیہ السلام جب بحالتِ صحو تھے اُن کے تمام افعال ان کی طرف سے وجود میں آئے تھے اور اس وقت تک ان کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف ہی مضاف فرمایا تھا جیسا

۱۔ اس حدیث مبارکہ کی مکمل تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

Marfat.com

کہ ارشاد ہے: ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ﴾ (۱) ''اور قتل کیا داوٗد علیہ السلام نے جالوت کو۔'' اور ہمارے آقا و مولیٰ حضور ﷺ حالتِ سکر میں تھے تو آپ کا ہر وہ فعل جو آپ کی طرف سے ظہور میں آیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی اور کہا: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (۲) ''اور وہ کنکریاں تم نے اے محبوب نہیں پھینکیں، جب تم نے پھینکیں، وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔'' فَشَتَّان مَابَيْنَ عَبْدٍ وَعَبْدٍ تو جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم تھا اور اپنی صفات میں ثابت، اسے فرمایا تو نے کیا منصبِ کرامت کے ساتھ، اور جو بندۂ معظم اپنے ربّ کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ فانی تھا اُسے فرمایا: ہم نے کیا، جو کچھ تو نے کیا۔ تو اضافتِ فعلِ بندہ ذاتِ مستجمع الصفات کی طرف بہترین ہے، اس اضافت سے جو بندہ اپنی طرف قائم رکھے۔ تو جب فعلِ حق مضاف ہو بندہ کی طرف تو بندہ خود بخود قائم ہوتا ہے اور جب بندہ کا فعل حق کی طرف مضاف ہو تو بندہ بحق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داوٗد علیہ السلام کی نظر وہاں پڑی جہاں پڑنی نہ چاہیے تھی یعنی ایک عورت پر جو اُوریا کی عورت تھی جسے دیکھا، وہ ان پر حرام تھی اور جب بندہ بحق قائم ہو گیا جیسے حضور ﷺ کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اس طرح زید (رضی اللہ عنہ) کی بیوی پر مگر وہ بیوی زید پر حرام ہو گئی۔ اس لیے کہ وہ نظر جو داوٗد علیہ السلام کی تھی وہ محل صحو میں تھی اور یہ نظر جو حضور ﷺ کی تھی، یہ محل سکر میں تھی۔

پھر جو لوگ صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں وہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سکر محلِ آفت ہے کیونکہ وہ احوالِ تشویش اور ذہابِ صحت خود ہے اور اپنے سررشتہ کا گم کر دینا ہے اور طالب کے ہر پہلو میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ فنا ہو یا برائے بقا رہے، محو ہو یا برائے اثبات قائم ہو، جب وہ صحیح الحال ہے۔ نہیں رہا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس لیے کہ دلِ اہلِ حق مجرد ہونا چاہیے تمام موجودات سے، اور بینائی کی بنیاد قید اشیاء میں کبھی راحت نہیں پاتی اور آقا سے رستگاری نہیں ملتی اور مخلوق کا ماسوائے اللہ میں پھنسا رہنا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اشیاء کو جیسی کہ وہ نہیں دیکھ سکتے اور اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں، دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دیکھنے والا ہر شے کو بچشمِ بقا دیکھے۔ دوسرے یہ کہ اس شے کو بچشمِ فنا دیکھے۔ اگر وہ بچشمِ بقا میں دیکھے گا تو کل اشیاء اپنی بقا میں ناقص نظر آئیں گی کیونکہ اشیاء باقی رہنے کے حال میں اپنے سے باقی نہیں پاتا اور اگر بچشمِ فنا دیکھے گا تو کل اشیاء پہلوئے بقا واجب تعالیٰ میں فانی نظر آئیں گی۔ تو یہ دونوں نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو اعراض پر مجبور کر دیتی ہیں۔

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۲۵۱ ۲۔ سورۃ الانفال: ۱۷

Marfat.com

اس لیے حضور ﷺ نے بحالتِ دعا فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (۱)"اے اللہ ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔" اس لیے کہ جس نے حقیقت اشیاء کما ہی کو دیکھ لیا، وہ آسودہ ہوگیا اور یہی معنی فرمان جل مجدہٗ کے ہیں جو فرمایا: ﴿فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ (۲) "تو عبرت حاصل کرو اے آنکھ والو۔" اس لیے کہ جب تک حقیقت شے نہیں دیکھی جائے عبرت نہیں لی جاتی۔

تو یہ تمام کیفیت صحو میں آئے بغیر درست نہیں ہوتی اور اہلِ سکر کو اس معنی میں کچھ آگاہی نہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام بحالتِ سکر تھے تو ایک تجلی کے ظہور کی تاب نہ لا سکے اور ہوش سے بے ہوش ہوگئے۔ ﴿وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ (۳) اس امر کا مظہر ہے۔

اور ہمارے حضور ﷺ جب بحال صحو تھے تو مکہ سے قابِ قوسین تک عین تجلی میں گئے اور ہر لحہ ہوشیار و بیدار تر رہے۔ واللہ اعلم بالصواب (۴)

اور میرے شیخ فرماتے ہیں جو مذہب جنیدی کے متبع تھے کہ سکر بازیگاہ کودکان ہے اور صحو فنا گاہِ مردان۔ اور مَیں (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ اپنے شیخ کی موافقت پر کمال صاحب سکر وصحو ہے اور کمترین درجہ صحو کا یہ ہے کہ صاحب صحو صفاتِ بشریہ کے دیکھنے سے دور ہو جاتا ہے۔ تو وہ صحو جو آفت دکھاتا ہے اس سکر سے بہتر ہے جو عین آفات ہے۔

اور حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے کہ آپ نے ابتداء حال میں بیس سال عزلت نشینی فرمائی اور ایسے جنگلوں میں رہے جہاں انسان کا حس بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ بوجہ مشقت ومجاہدہ آپ کا جسم گھل گیا اور چشمہائے مبارک سوئی کے ناکہ کی رہ گئیں اور شبیہہ انسانی بدل گئی۔ بیس سال کے بعد حکم آیا کہ اب انسانوں میں صحبت کرو۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ابتدائے صحبت، اللہ کے بندوں اور اس کے محبوں سے کرنی چاہیے تاکہ برکت حاصل ہو۔ آپ نے مکہ معظمہ کا قصد کرلیا۔ مشائخ مکہ کو اپنے کشف سے آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوگیا۔

۱۔ یہ الفاظ تو نہیں ملے لیکن اتحاف السادۃ المتقین، ۳۲۱/۹ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ اللھم ارنی الدنیا کما تریھا صالح عبادک۔

۲۔ سورۃ الحشر: ۲

۳۔ سورۃ الاعراف: ۱۴۳

۴۔ موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات | تو عین ذات می نگری در تبسمی

شَرِبْتُ الرَّاحَ کَاسًا بَعْدَ کَاسٍ | فَمَا نَفَدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِیْتُ

ترجمہ۔ میں نے پے در پے شراب کے جام پیے۔ تو نہ شراب نے مجھ میں نفوذ کیا اور نہ میں سیراب ہوا۔

Marfat.com

استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے۔آپ کو بالکل مبدل پایا،سوائے اس کے کہ رمقِ جان نظر آتی تھی اور کچھ نہیں۔سب نے کہا ابوعثمان! آپ بیس سال اس حالت میں جیئے ہیں کہ آدم اور اس کی ذریت اس زندگی سے عاجز ہے ،ہمیں بتاؤ کہ تم کیوں گئے اور وہاں کیا دیکھا اور اس موت میں کیا حاصل کیا اور اب کس لیے واپس آئے؟

آپ نے جواب دیا کہ میں سکر میں گیا تھا اور آفات سکر دیکھ کر نا اُمید ہوا اور عاجز آ کر واپس آیا۔مشائخ کرام نے کہا کہ ابوعثمان! آپ کے بعد اب سب معبروں پر حرام ہے کہ وہ صحو و سکر کی عبارت پر آئیں ،اس لیے کہ آپ نے اس کا انصاف پورا کر دیا اور آفاتِ سکر کو واضح طور پر دکھا دیا۔تو خلاصہ یہ ہوا کہ سکر تمام کا تمام مقتضیٰ فنا ہے۔عین بقا ضعف ہیں اور یہ حجاب ہے اور صحو تمام کا تمام فنا ضعت میں دیدار بقا ہے اور یہ عین کشف ہے اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ سکر بہ نسبت صحو نزدیک فنا ہے تو یہ محال ہے۔

اس لیے کہ سکر ایک ایسی صفت ہے جو صحو پر زیادہ ہے اور جب تک بندہ کی صفتیں زیادتی کی طرف رجوع ہوتی ہیں اس وقت تک وہ بے خبر رہتا ہے اور جب نقص کی طرف ہو جاتی ہے تو اس وقت اُس کی حالت امید افزا ہوتی ہے اور صحو و سکر میں یہ حال کی انتہا و غایت ہے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے۔جب کہ مغلوب الحال ہو کر یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کو خط لکھا۔اس شخص کے حال میں کیا حکم ہے جس نے ایک قطرہ بحرِ محبت سے نہ لیا اور مست ہو گیا۔حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا کہ اس شخص کے معاملے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس کے لیے تمام دریاءِ علم شرابِ محبت بن گیا اور اس نے تمام کا تمام پی لیا اور ابھی تشنگی میں تڑپ رہا ہے۔اس پر لوگوں کا خیال ہے کہ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے سکر سے عبادت کی اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے صحو سے۔اور اس میں خلاف یہ ہے کہ صاحبِ صحو وہ ہوتا ہے کہ اُسے ایک قطرہ کی تاب نہیں ہوتی اور صاحب سکر وہ ہوتا ہے کہ مستی میں وہ سب کچھ پی سکتا ہے اور پھر پیاسا رہتا ہے۔اس لیے کہ شراب آلۂ سکر ہے اور جنس اپنی ہم جنس کے لیے بہتر ہوتی ہے اور صحو اس کی ضد ہے کہ وہ پینے سے آرام ہی نہیں پاتا۔

لیکن سکر دو قسم کا ہے۔ایک سکر شرابِ مودت ،دوسرا سکر کاسِ محبت۔سکر محبت بلاعلت ہوتا ہے اور محض رویتِ منعم سے پیدا ہوتا ہے۔جس نے نعمت دیکھی تو گویا اپنے کو رنجور دیکھا ، اگرچہ وہ سکر میں ہو۔تو اس اُصول سے صحو بھی دو قسم پر ہے۔ایک صحو بر غفلت دوسرا صحو بر محبت و اقامت۔تو وہ صحو جس میں غفلت ہو وہ حجابِ عظیم ہے اور صحو جس میں محبت کی طرف راہ ملے وہ

Marfat.com

کشفِ مبین ہے۔

تو وہ لحظہ جو مقرون غفلت ہے اگر چہ صحو ہو، سکر ہے اور وہ جو محبت تک پہنچائے اگر چہ سکر ہو، صحو ہے۔ غرضیکہ جب اصل مستحکم ہو تو صحو مثل سکر ہو جاتا ہے اور سکر مثل صحو۔ اور جب اصل مستحکم نہ ہو، صحو اور سکر دونوں بے فائدہ ہیں۔

فی الجملہ صحو و سکر مردانِ الٰہی کے قدم رکھنے کی جگہ میں باختلاف علت معلوم ہوتے ہیں اور جب سلطانِ حقیقت اپنا جمال بے حجاب فرما دیتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی رہ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ صحو و سکر دونوں رخ معنی میں ایک دوسرے کے موصول ہیں۔ اور ہر ایک کی نہایت دوسرے کی ہدایت ہے اور یہ ہدایت و نہایت بھی سوائے اختلاف نظر کے اور کچھ نہیں ہے۔

اور جس کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہو وہ حکم تساوی کا رکھتا ہے۔ اور اُن کا جمع کرنا تفریقوں کا جمع کرنا ہے۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے خوب ادا کیا ہے۔

اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِنَجْمِ رَاحٍ   تُسَاوِیْ فِیْہِ سُکْرَانٌ وَصَاحٍ

"جب صبح دل کے خوش کرنے والے ستاروں سے طلوع ہو تو اس میں بیہوش اور مدہوش والے برابر ہوتے ہیں"۔

مقام سرخس میں دو پیر تھے۔ ایک لقمان دوسرے ابو الفضل حسن رضی اللہ عنہما۔ ایک دن حضرت لقمان حضرت ابو الفضل کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک جز لیے ہوئے ہیں۔ لقمان نے پوچھا: حضرت ان جزوں میں کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضرت ابو الفضل نے جواب دیا: وہی جو تم ترک اوراق میں ڈھونڈ رہے ہو۔ عرض کی پھر اختلاف کیوں؟ (یعنی میں ترک اوراق میں جو ڈھونڈ رہا ہوں آپ اُسے اوراق میں ڈھونڈ رہے ہیں) فرمایا: لقمان! تم خلاف دیکھتے ہو جب ہی مجھ سے پوچھ رہے ہو "لقمان" مستی سے ہوشیار ہو جاؤ اور ہوشیاری سے بیدار ہو۔ تاکہ خلاف کا جھگڑا ہی اُٹھ جائے۔ خبر بھی ہے، میں اور تم ڈھونڈ رہے ہیں۔

تو طیفوری اور جنیدیوں میں صرف یہ اختلاف ہے جو ہم بیان کر چکے اور اعمال میں ان کا مذہب بالکل ترک صحبت اور گوشہ نشینی اختیار کرنا ہے اور سب نے مریدوں میں یہی حکم جاری کیا ہے اور یہ طریق محمود سیرت اور ستودہ صفت ہے۔ اگر خدا توفیق دے۔

فرقہ جنیدیہ

اس فرقہ کا تعلق حضرت ابو القاسم جنیدی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ وہ بلند ہستی ہے کہ انہیں کے ہم چشم اور ہمعصر "طاؤس العلماء" کہتے ہیں۔ اپنی جماعت کے سردار اور امام الائمہ

Marfat.com

تھے۔آپ کا مسلک صحو تھا اور یہ طیفوری مسلک کے خلاف ہے اور اس اختلاف کے دلائل ہم بیان کر چکے ہیں اگرچہ اس کے علاوہ بہت سے اختلافات ہیں۔مگر ہم نے بخوف طوالت اختصار کیا ہے۔صوفیاء کرام میں معروف ترین مسلک جنیدی ہے اور ہمارے تمام مشائخ جنیدی مسلک ہی سے گزرے ہیں۔

اگر کوئی اس سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہے تو دوسری کتابوں میں دیکھے تاکہ اُسے اس سے بہتر معلومات حاصل ہوسکیں۔مگر میرا طریقہ اس کتاب میں اختصار ہے اسی وجہ سے طوالت کو ترک کیا گیا۔

حکایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاج اپنے غلبۂ حال میں عمرو بن عثمان سے بیزار ہوکر حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: کس لیے آئے ہو؟ عرض کی، فیضِ صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے۔آپ نے فرمایا: ہمارے یہاں مجانین کے لیے صحبت نہیں ہے، صحبت کے لیے صحت چاہیے، اگر تم آفتوں میں رہ کر ہماری صحبت میں رہوگے تو سہل بن عبداللہ تستری کی سی صحبت ہوگی جو انہوں نے حضرت عمرو اکروی سے حاصل کی تھی۔حسین بن منصور بولے:

اَیُّھَا الشَّیۡخُ الصَّحۡوُ وَ السُّکۡرُ صِفَتَانِ لِلۡعَبۡدِ وَمَادَامَ الۡعَبۡدُ مَحۡجُوۡبًا عَنۡ رَّبِّہٖ حَتّٰی فَنِیَ اَوۡصَافُہٗ.

"حضور! صحو وسکر کی دو صفتیں ہیں، جب تک بندہ میں یہ صفتیں باقی ہیں وہ اپنے رب سے محجوب ہے اور جب اوصافِ عبد فنا ہوگئے (تو مشاہدہ وجمال حاصل ہوگیا)"۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یَابۡنَ مَنۡصُوۡرٍ اَخۡطَاۡتَ فِی الصَّحۡوِ وَالسُّکۡرِ "اے ابن منصور! تم صحو اور سکر کے بارے میں غلطی پر ہو" ۔صحو اور سکر میں اختلاف نہیں ہے۔بلکہ صحو سے مراد صحت حال ہے اپنے رب کے ساتھ اور سکر سے مراد فرطِ شوق اور غایت محبت ہے اپنے رب کے ساتھ۔اور یہ دونوں کیفیتیں صفت کے ماتحت اور اکتساب خلق کے ساتھ صحیح نہیں ہوتیں اور ابن منصور: ہمیں تمہارے کام میں زیادہ فضول نظر آتا ہے اور تمہاری عبادات بے معنی ہیں۔وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعۡلَمُ

فرقہ نوریہ

فرقہ نوریہ کا تعلق حضرت ابوالحسن احمد بن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔یہ زبردست عالم اور صدر علماء متصوفہ تھے اور بوجہ مناقب روشن اور دلائل واضح کے آپ "نور" کے نام سے مشہور

Marfat.com

ہوگئے تھے۔آپ کا مسلک تصوف میں پسندیدہ ہے اور آپ کے مسلک میں فقر پر تصوف کو فضیلت دینا ہے اور باقی تمام معاملات موافق مذہب جنیدیہ کے ہیں اور آپ کے طریقوں میں سے نادر و عجیب۔ طریقہ یہ ہے کہ صحبت میں صاحب صحبت کے حق پر ایثار کیا جائے اور اپنے حق کو قربان کرے اور اس کے بغیر صحبت اختیار کرے تو یہ حرام ہے اور فرماتے ہیں کہ صحبت درویشوں کے لیے فرض ہے اور عزلت نشینی بری چیز ہے، اور ایثارِ حق صاحب صحبت پر کرنا ہی فرض ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ فرمایا: اِیَّاکُمْ وَالْعُزْلَةَ فَاِنَّ الْعُزْلَةَ مُقَارَنَةُ الشَّیْطَانِ وَعَلَیْکُمْ بِالصُّحْبَةِ فَاِنَّ فِی الصُّحْبَةِ رِضَآءُ الرَّحْمٰنِ ''عزلت نشینی سے پرہیز کرو کہ اس میں شیطان کے ساتھ مقارنت ہوجاتی ہے اور صحبت صاحبِ صحبت سے لازم رکھو کہ صاحبانِ بارگاہ کی صحبت میں اللہ کی رضا ہے''۔(۱)

اب ہم حقیقت ایثار بیان کرتے ہیں اور جب باب صحبت وعزلت میں پہنچیں گے تو وہاں اس کے رموز وشرح بیان کریں گے تاکہ عام طور پر فائدہ ہو۔اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

حقیقتِ ایثار

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾(۱)

''اور ایثار کرتے ہیں اگرچہ اس چیز کے وہ حاجت مند ہوں۔''

اس آیت کریمہ کی شانِ نزول فقراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہے۔اور حقیقت ایثار یہ ہے کہ صحبت حق میں اپنے پیشوا اور مالک کا حق ملحوظ رکھے اور اپنے حصہ میں اس کا حصہ ضرور نکالے۔خود تکلیف برداشت کرے مگر اپنے پیشوا اور صاحب کی راحت کا خیال رکھے۔

لِاَنَّ الْاِیْثَارَ الْقِیَامُ بِمُعَاوَنَةِ الْاَغْیَارِ مَعَ اِسْتِعْمَالِ مَا اَمَرَهُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِهِ الْمُخْتَارِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ.

''اس لیے کہ ایثار نام ہے امداد واعانتِ اغیار پر قائم رہنے کا، معہ اس حکم کی پیروی کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو دیا اور ارشاد فرمایا درگزر فرمانا

۱۔ مثنوی رومی از مترجم:

یک زمانہ صحبت با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

۲۔ سورۃ الحشر:۹

Marfat.com

اختیار کرو اور بھلائی کا حکم فرماؤ اور جاہلوں سے اعراض کرو۔"

اور یہ مسئلہ باب آدابِ صحبت میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔

یہاں مقصودِ بیان محض ایثار ہے۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک صحبت میں اس طرح جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے، دوسرے محبت میں۔ اور ایثارِ حقِ صاحب میں ایک گونہ رنج واندوہ بھی ہے لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنے سے تمام راحت ہی راحت ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ جب غلام الخلیل نے حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عداوت ظاہر کی اور ہر قسم کی خصومت اس سے ظاہر ہوگئی تو حضرت نوری اور رقام اور ابوحمزہ رحمہم اللہ علیہم کو حکومت نے گرفتار کرلیا اور دارالخلافت میں لے گئے۔ غلام الخلیل بکنے لگا کہ یہ قوم زنادقہ سے ہیں، اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم صادر فرمائیں تو زندیقوں کی جڑ پود کا پتہ چل جائے اس لیے کہ یہ سرگروہ زنادقہ ہیں اور جس کے ہاتھ سے یہ امرِ خیر ہوجائے، اس کی حکومت وعزت کا میں ضامن ہوں۔

خلیفہ نے اُسی وقت ان مشائخ کے قتل کا حکم دے دیا۔ جلاد آگیا اور ان مردانِ خدا کے ہاتھ باندھے گئے۔ جلاد نے بموجب حکم حضرت رقامؒ کے قتل کا ارادہ کیا کہ حضرت نوریؒ اُٹھے اور بڑے سرور سے رقام کی جگہ پر بیٹھ گئے، لوگوں کو تعجب ہوا۔ جلادوں نے کہا: اے جوانمرد! کیا تلوار بھی ایسی چیز ہے کہ اس سے اس قدر رغبت ہو جس رغبت سے تم آئے ہو حالانکہ ابھی تمہاری باری نہیں آئی۔

آپ نے جواب دیا: ہاں! ہمارے لیے تلوار ایسی ہی چیز ہے کہ میرے طریقِ ایثار کے ماتحت وہ مجھے مرغوب ہو اس لیے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز چیز زندگی ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس ان بھائیوں کی خدمت میں ایثار کردوں اس لیے کہ دنیا کا ایک سانس آخرت کے ہزار سال سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ دنیا سرائے خدمت ہے اور آخرت مقامِ قربت، تو مقامِ قربت میں یہ خدمت نہیں کی جاسکتی۔ جلاد نے یہ سب باتیں خلیفہ کو پہنچادیں، خلیفہ نے اتنے بلند حوصلہ اور رقتِ سخن پر سخت تعجب کا اظہار کیا اور کسی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ان کے قتل کو سردست موقوف رکھو اور ابوالعباس بن علی قاضی القضاۃ کو بُلا کر تینوں کو اُن کے سپرد کردیا۔ قاضی القضاۃ نے تینوں کی مشکیں کسی ہوئی رکھیں اور اپنے یہاں بُلایا۔ پھر ان سے احکامِ شریعت کے متعلق سوال کیے۔ جواب سُن کر اُن میں عرفانی شان کی حقیقت پائی اور وہ مذہبی اتباع میں مکمل نکلے۔ قاضی بہت متاثر ہوا اور ان کے حالات سے بے خبر رہنے پر شرمسار۔ حضرت نوریؒ نے فرمایا: قاضی تو نے جو کچھ دریافت کیا ہے یہ کچھ نہیں ہے جو پوچھنے کی بات تھی وہ تو تو نے نہیں پوچھی۔ فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَّاْکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَشْرَبُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَجْلِسُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَقُوْلُوْنَ بِاللّٰہِ "اللہ کے بندوں کی ایسی جماعت بھی ہے کہ

Marfat.com

ان کا کھانا اللہ کے لیے اور پینا اللہ کے واسطے اور بولنا اللہ کے لیے ہے۔" وہ ایسے مردانِ خدا ہیں کہ ان کا قیام اللہ کے ساتھ اور قعود ونطق، حرکت وسکون سب اسی کے ساتھ ہے اور اُن کی زندگی اس کے ساتھ ہے اور وہ قائم بمشاہدہ ہیں، اگر ایک لحظہ مشاہدۂ حق اُن سے حجاب میں آجائے تو ان کی دنیائے جسم میں جوش وخروش پھیل جائے۔

یہ سن کر قاضی متعجب ہوا اور ان کے کلام کی باریکی اور صحت حال کو پا کر خلیفہ کو لکھا کہ اگر یہ جماعتِ ملاحدہ ہے توفَمَنِ الْمُوَحِّدُ فِي الْعَالَمِ. "پھر کون دنیا میں موحد ہوسکتا ہے"۔ میں گواہی دیتا ہوں اور اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہوں کہ (ان کے مقابلہ کا) روئے زمین پر کوئی موحد نہیں ہوسکتا۔

خلیفہ نے قاضی القضاۃ کا یہ محاکمہ پڑھ کر ان بزرگوں کو بلایا اور عرض کی (کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں دھوکہ میں آگیا) اب آپ اپنی حاجت ظاہر کریں۔ حضرت نوریؒ وغیرہ مشائخ جو گرفتار تھے اُنہوں نے فرمایا کہ خلیفہ ہماری حاجت تجھ سے بس اتنی سی ہے کہ تو ہمیں بھلادے اور ہم تیرے مقبول کرنے کو اپنی مردودیت سمجھتے ہیں اور اگر تو ہمیں اپنی بارگاہ سے مطرود کردے گا تو ہم اسے عین مقبولیت جانیں گے۔ خلیفہ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس دردناک جواب کو سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ رو پڑا اور نہایت احترام کے ساتھ انہیں واپس کر دیا۔

ایک روایت نافع سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک روز مچھلی کی خواہش ہوئی۔ تمام شہر میں تلاش کی مگر نہ ملی۔ چند روز بعد وہ مجھے (یعنی حضرت نافع کو) ملی فرماتے ہیں: میں نے وہ مچھلی بنوائی اور حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر کی۔ میں نے دیکھا کہ اس مچھلی کے پیش کرنے سے آپ مسرور ہوئے۔ اتنے میں ایک سائل نے باب عالی پر کھڑا ہو کر صدا دی۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ مچھلی اس سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کی: حضور اتنی دیر میں تو یہ مچھلی میسر آئی ہے اب آپ سائل کو عطا فرما رہے ہیں، اس کی بجائے کچھ اور بخشش کردی جائے۔ فرمایا: اے غلام! یہ مچھلی کھانا مجھ پر حرام ہے اس لیے کہ میں نے ایک حدیث کے موافق اس مچھلی کو اپنے دل کی خواہش سے باہر کر دیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے جو میں نے حضور ﷺ سے سنی ہے: اَيُّمَا امْرِئٍ يَشْتَهِيْ شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَهُ وَاٰثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلٰى نَفْسِهٖ غُفِرَ لَهُ (۱) "جو انسان کسی چیز کی خواہش کرے پھر اس

۱۔ امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ امام ابونعیم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ابوعبداللہ نافع دیلمی تابعی کے تعارف میں "حلیۃ الاولیاء" میں لائے ہیں اور اسے امام شوکانی نے "الفوائد المجموعۃ" (ص: ۲۳۹)، حدیث نمبر ۶۶ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ موضوع ہے اور راوی عمر بن خالد، ابوخالد الواسطی متہم بہ ہے۔

Marfat.com

چیز کی طرف سے دست بردار ہو کر آخرت کو نفس کی خواہش پر ترجیح دے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے''۔

ایک حکایت میں ہے کہ جنگل بیابان میں راہ بھول کر دس درویش ٹھہرے اور پیاس نے انہیں ستایا اور ان کے پاس ایک قدح پانی سے زائد نہ تھا اور دس کے دس پیاسے تھے۔ جب ایک کو وہ قدح آب دیا جاتا وہ دوسرے کی طرف ایثار کر دیتا۔ دوسرے کا خیال اپنے رفیق کی پیاس پر جاتا وہ اُسے دے دیتا۔ غرضیکہ اسی طرح پیالہ پانی کسی نے نہ پیا اور شدت تشنگی سے سب مر گئے، صرف ایک بچے تھے۔ جب انہوں نے اپنے نو رفیق مرے ہوئے دیکھے تو وہ قدح آب پی لیا اور راستہ طے کرنا شروع کر دیا۔ کسی کے پاس یہ قصہ انہوں نے کہا تو اس نے کہا اگر وہ پانی تُو بھی نہ پیتا تو بہتر تھا۔

انہوں نے کہا: عقلمند! کیا حکم شرعی اتنا ہی جانتا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ نو آدمیوں کے مرجانے کے بعد بھی اگر میں وہ پیالہ نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم بنتا اور عتابِ الٰہی میں ماخوذ ہوتا۔ تو وہ کہنے لگا کہ آپ کے خیال میں وہ نو آدمی بھی خودکشی کے مجرم ہوئے۔ اُنہوں نے کہا نہیں، اس لیے کہ وہ ایثار کر رہے تھے۔ اپنی حاجت کے مقابلہ میں دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ عمل پر ایثار کرتے کرتے ہلاک ہو گئے۔ پھر جب کہ میں تنہا رہ گیا تو اب موقع ایثار نہیں تھا۔ اس لیے ایسے موقع پر وہ پانی مجھے پینا واجب تھا۔

دیکھو! جب امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہٗ حضور ﷺ کے بستر پر سوئے اور ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کی معیت میں گئے اور مکہ سے باہر آ کر غار میں ٹھہرے۔ اس شب کفار کا قصد حضور ﷺ کے شہید کرنے کا تھا تو جناب باری تعالیٰ عز اسمہٗ نے جبرائیل و میکائیل علیہم السلام کو فرمایا کہ میں نے تمہارے مابین بھائی چارہ رکھا ہے اور تمہاری زندگی بھی ایک دوسرے سے دراز کی ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اپنے بھائی پر اپنی زندگی کا ایثار کرے اور مرنے کو تیار ہو۔ دونوں اپنی اپنی زندگی بارگاہِ الٰہی سے طلب کرنے لگ گئے۔ جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے جبرائیل و میکائیل دیکھو علی کی بزرگی و شرافت! کہ وہ تم سے بلند ہے، ہم نے علی کے اور اپنے حبیب ﷺ کے مابین مواخاۃ کی تھی تو علی اپنے قتل و مرگ کو قبول کر کے ہمارے حبیب کی خوابگاہ پر سو گیا اور اپنی جان ہمارے حبیب پر فدا کر دی ہے۔ اب تم دونوں جاؤ اور اس کی محافظت دشمنوں سے کرو۔

چنانچہ جبرائیل و میکائیل (علیہما السلام) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں آئے۔

Marfat.com

ایک سرہانے بیٹھ گیا اور ایک پائینتی کی طرف بیٹھ گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں زبان حال سے کہنے لگے: بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُکَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِنَّ اللّٰہَ یُبَاھِیْ بِکَ عَلٰی مَلَائِکَتِہٖ ''زندہ باد اے علی! تمہارے مثل اس ایثار میں کون ہے، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کے اس ایثار کو ملائکہ میں پیش فرما کر اظہارِ خوشنودی فرما رہا ہے اور آپ اپنی خواب میں بے فکر سو رہے ہیں۔''

اسی وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں شان مولائے کائنات کرم اللہ وجہہٗ ظاہر ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝﴾ (۱) ''اور بعض اللہ کے بندے وہ ہیں جو اس کی رضا جوئی میں اپنی جان بیچتے اور قربان کرتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے''۔ اور جب جنگ احد کے موقع پر حرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں پر ابتلا فرمایا۔ ایک صحابیہ انصار میں سے آئیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں ایک کٹورا پانی لے کر اس نیت سے چلی کہ مجروحینِ اُحد میں سے کسی کی بھی خدمت کروں۔ جب میں میدانِ رزم میں پہنچی، ایک صحابی کو دیکھا کہ مجروح پڑے ہوئے اپنے لمحاتِ زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ مجھے انہوں نے اشارہ کیا کہ پانی پلاؤں۔ میں ان کی طرف پانی لے کر گئی تو ایک دوسرے زخمی صحابی نے آواز دی کہ مجھے پانی پلاؤ۔ یہ آواز سنتے ہی وہ پہلے مجروح فرمانے لگے: جاؤ انہیں پلاؤ اور خود پانی نوش نہ فرمایا۔ جب وہ پانی ان کی طرف لے گئی تو ایک اور مجروح پکارے کہ مجھے پانی دو تو انہوں۔ نے پانی نہ پیا اور مجھے فرمایا: جاؤ انہیں پانی دو۔ غرضیکہ اسی طرح سات صحابی تک وہ پانی لے کر چلی اور سب نے دوسرے کی آواز پر خود نہ پیا اور دوسرے کی طرف بھیج دیا۔ جب کہ ساتویں صحابی کی خدمت میں پانی لے کر میں پہنچی، وہ شہید ہو گئے۔ واپس لوٹی اور چھٹے کے پاس آئی تو وہ بھی جان بحق تسلیم فرما چکے تھے۔ غرضیکہ جب واپس آئی تو چھ کے چھ شہید تھے۔ آیت کریمہ حضور ﷺ پر ان شہداء احد کی شان میں نازل ہوئی جس میں ارشاد تھا کہ:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۟ؕ﴾ (۱)

''وہ محبوبانِ بارگاہ اپنی جانوں کا ایثار کرتے ہیں اگر چہ انہیں سخت تنگی ہو رہی ہو۔''

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا، جس نے چار سو برس عبادت کی تھی۔ ایک دن وہ بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کرنے لگا: الٰہی! اگر تو ان پہاڑوں کو پیدا نہ فرماتا تو تیرے بندوں کو چلنے اور سفر کرنے میں آسانی رہتی، تو پیغمبر وقت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی طرف فرمان آیا کہ اس عابد کو فرما دو کہ جناب باری کا ارشاد ہے کہ تو نے بندہ ہو کر ہماری ملک میں تصرف کیا لہٰذا ہم نے تیرا نام

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۲۰۷ ۲۔ سورۃ الحشر: ۹

Marfat.com

دیوانِ سعد سے نکال دیا اور اور فہرستِ اشقیاء میں تجھے داخل کر دیا ہے۔

اس عابد نے یہ سنتے ہی اظہارِ مسرت کیا اور سجدۂ شکر کے لیے بحضورِ الٰہی جھک گیا۔ پیغمبر وقت علیہ السلام نے فرمایا: اے عقلمند شقاوت کے درجے میں پہنچنے پر سجدۂ شکر ادا کر رہا ہے، یہ کونسا قانون ہے۔ عابد نے عرض کی حضور! اپنی شقاوت پر سجدہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس امر پر سجدۂ شکر ادا کر رہا ہوں کہ خواہ کسی فہرست میں میرا نام ہو، مگر ہے تو اسی کے دفتر میں ۔

اب میں ایک آرزو رکھتا ہوں، وہ حضور ﷺ اپنے ربّ کے دربار میں عرض کر دیں۔ آپ نے فرمایا: وہ آرزو کیا ہے؟ عابد نے عرض کی وہ یہ عرض ہے کہ جب مجھے جہنم میں ڈالا جائے تو مجھے اتنا عظیم الجثہ اور عریض وطویل کر کے ڈالا جائے کہ تمام موحدین کی جگہ مجھ سے بھر جائے تا کہ مجھ ایک کے جہنم جانے سے اتنا فائدہ تو ہو کہ باقی تمام موحدین بہشت میں جائیں۔(اس ایثار اور خلوص پر دریائے رحمت جوش زن ہوا) ارشاد ہوا کہ: (اے پیغمبر وقت ہمارے بندہ کو) بشارت دو کہ یہ ابتلاء وامتحان تیرے ذلیل کرنے کے لیے نہ تھا بلکہ تیرے ایثار واخلاص کے ظاہر فرمانے کے لیے تھا۔ اب تیرا یہ مرتبہ ہے کہ قیامت کے دن تُو اور جس کی تُو شفاعت کرے گا، وہ سب تیرے ساتھ بہشت میں ہوں گے۔

میں نے ایک بار حضرت احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی ابتدائے توبہ کیوں کر ہوئی تھی۔ فرمایا: میں سرخس سے ایک بار چلا اور ایک جنگل میں پہنچا۔ وہاں ایک مدت تک رہا اور اپنے اونٹ چراتا رہتا۔ میرے دل میں آیہ کریمہ: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (۱) کے ماتحت اس چیز کی بہت تڑپ تھی کہ اپنی ضرورت کے مقابلہ میں دوسرے کی حاجت پوری کروں اور میرا عقیدہ بھی صوفیائے کرام میں سے اسی جماعت کے اوپر تھا جو ایثار کو اولیٰ تر مانتی ہیں۔

ایک روز ایک بھوکا شیر نظر آیا اور اُس نے میرا اونٹ شکار کیا اور بلندی کی طرف چڑھ گیا اور ایک آواز ماری جس پر تمام درندے جنگل کے آ گئے۔ شیر نے اُونٹ کو چیر پھاڑ کر ڈال دیا اور خود کچھ نہ کھایا اور بالائے کوہ چلا گیا۔ اس شکار پر جس قدر درندے، لومڑی بھیڑیئے اور بکھرے تھے، سب نے ہلہ بول دیا اور خوب کھا پی کر چل دیئے۔ اسی وقت شیر اترا اور ارادہ کیا کہ ایک ٹکڑا اس میں سے خود بھی کھائے کہ اتنے میں ایک لومڑی لنگڑی لولی دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ شیر پھر وہاں سے ہٹ گیا اور بالائے کوہ چلا گیا تا کہ وہ لومڑی بھی شکم سیر ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ بھی کھا کر چلی

ا۔ سورۃ الحشر: ۹۔

Marfat.com

گئی تو شیر نے آ کر ایک ٹکڑا اس میں سے لے کر کھایا۔

میں دور سے بیٹھ کر یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ شیر نے واپس جاتے ہوئے بزبان فصیح مجھے کہا:

" یا احمدُ ایثار برلقمه کارِ سگاں بود ومردانِ خدا جان و زندگانی ایثار کنند "۔

اے احمد! لقمہ کا ایثار کرنا کتوں کا کام ہے اور مردانِ خدا جان اور زندگی کا ایثار کیا کرتے ہیں۔"

بس یہ سنتے ہی مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت میں نے تمام اشغال دنیا و دینیہ سے دستبرداری کی۔ یہ ہے میری توبہ کی ابتداء۔

حضرت ابو جعفر خلدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی خلوتِ خاص میں مشغولِ مناجات تھے۔ میں پوشیدہ طور گیا تاکہ اُن کی فصیح و بلیغ مناجات سنوں۔ آپ فرما رہے تھے: " بار خدایا! اہلِ دوزخ راعذاب کُنی وجملہ آفرید گان تواند بعلم وقدرت وارادت قدیم واگر ناچار دوزخ را از مردم پُرخواہی کرد قادری بدانکہ بمن آں دوزخ وطبقاتِ آں پُر کنی ومرایشاں رابہ بہشت فرستی"۔ "اے اللہ! تو اہل دوزخ کو عذاب دے دے گا، حالانکہ سب تیرے علم اور قدرت وارادہ سے تیرے پیدا کردہ ہیں۔ اگر تو لازمی طور پر دوزخ کو آدمیوں سے بھرنا چاہتا ہے تو اس پر بھی قادر ہے کہ دوزخ اور اس کے تمام طبقات صرف مجھ سے بھر دے اور باقی سب کو جنت میں داخل فرمادے۔"

حضرت جعفر فرماتے ہیں کہ میں ان کی اس دعا سے حیران ہو گیا۔ شب کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی آنے والا آیا اور کہتا ہے کہ جعفر! جا اور ابوالحسن کو کہہ دے کہ ہم نے تجھے اس شفقت ومحبت کی وجہ سے جو تجھے ہمارے بندوں سے اور ہم سے ہے، بخش دیا۔ اور حضرت ابوالحسن کو 'نوری' اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اگر کوئی تاریک گھر میں کچھ بات کرتا تو آپ نور باطن کی روشنی میں اس سے خبردار ہوتے تھے اور نورِ حق کی ضیاء باری سے آپ اپنے مریدوں کے تمام راز جانتے تھے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: ابوالحسن جاسوس قلوبست۔ "ابوالحسن جاسوسِ قلوب ہے"۔ یہ ہے تخصیص اُن کے مسلک کی اور اہل بصیرت کی نظر میں یہ بہت قوی اصل ہے اور بڑا عظیم معاملہ ہے اور انسان پر بذل روح سے زیادہ سخت تر کوئی چیز نہیں۔

چنانچہ اپنے حبیب پاک ﷺ کو تمام نیکیوں کی کنجی انفاق وایثار بتایا گیا اور صاف بتایا

Marfat.com

گیا کہ تمام نیکیوں کی کنجی محض بذل وانفاق ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۞﴾(۱) ''بھلائیاں تم ہرگز حاصل نہیں کرسکتے جب تک محبوب ترین شے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو''۔ اور جب کوئی اپنی روح اور جان کو اس کی راہ میں مبذول کرنا گوارا کرلے تو اُسے مال وحال وفرقہ ولقمہ کا کیا خطرہ ہوسکتا ہے اور اس طریقہ کا اصلی اصول یہی ہے۔

چنانچہ ایک شخص حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، حضور! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: یَاابْنَ لَیْسَ الْاَمْرُ غَیْرَ بَذْلِ الرُّوْحِ اِنْ قَدَرْتَ عَلٰی ذَالِکَ وَاِلاَّ فَلاَ تَشْتَغِلْ بِتُرْھَاتِ الصُّوْفِیَۃِ. ''صاحب زادے! یہ طریقۂ تصوف بغیر بذلِ روح وجان کے نہیں ہے، اگر تو اس پر قدرت ہے تو (اس راستہ میں آ، ورنہ) صوفیوں کی ان سخت باتوں میں نہ پڑ۔'' اس لیے کہ صوفیاء کے یہاں اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب لغو وبیہودہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾(۲) ''ان لوگوں کی طرف مرنے کا دل میں گمان بھی نہ کرنا جو راہ مولیٰ میں شہید ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں''۔ اور فرمایا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ﴾ (۳) ''جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مرا ہوا مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔'' تو نتیجہ یہ نکلا کہ حیاتِ قرب صرف سرمدی بذالِ روح کے بعد ملتی ہے اور اپنے حصہ کا ترک کردینا امتثالِ امرِ الٰہی اور اتباعِ محبوبانِ بارگاہی ہے۔

لیکن ایثار واختیار رویت ومعرفت میں اختلاف ہے اور صوفیاء کے یہاں حقیقتِ ایثار اپنے نصیب کا ترک کردینا ہی اصل نصیب ہے۔ اس لیے کہ جب تک طالب کی روش متعلق بہ کسب رہتی ہے، تمام کی تمام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے اور جب جذبِ حق اپنے تصرف ولایت کو ظاہر کردیتا ہے تو اس کے احوال وافعال تمام کے تمام اتنے منتشر ہوجاتے ہیں کہ اس کے لیے وہ عبارت ہی نہیں رہتی جس سے کچھ ظاہر کیا جاسکے اور نہ اُس کے وقت وزمانہ کے لیے کوئی لفظ ملتا ہے جس سے اُس کی کیفیت ظاہر کی جاسکے یا کسی چیز سے اس کی مثال دی جائے۔ اس حقیقت کو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح کیا ہے:

غِبْتَ عَنِّیْ فَمَا اُحِسُّ بِنَفْسِیْ   وَتَلاَشَتْ بِهٖ صِفَاتِی الْمَوْصُوْفَۃُ
فَاَنَا الْیَوْمَ غَائِبٌ عَنْ جَمِیْعٍ   لَیْسَ اِلاَّ الْعِبَارَۃُ الْمَلْھُوْفَۃُ

۱۔ سورۃ آل عمران: ۹۲۔   ۲۔ سورۃ آل عمران: ۱۶۹
۳۔ سورۃ البقرۃ: ۱۵۴

Marfat.com

ترجمہ: تو مجھ سے غائب ہوا تو میں ایسا بیہوش ہوا کہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا اور میری صفاتِ موصوفہ بھی اس کے ساتھ بکھر گئیں، تو آج کے دن سب سے ایسا غائب ہوں کہ عباراتِ ملہوفہ کے سوا کچھ نہیں ہوں۔"

فرقہ سہیلیہ

فرقہ سہیلیہ کا تعلق حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ یہ محتشمان اہل تصوف سے ہیں اور کبرائے قوم میں مانے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا۔ غرضیکہ اپنے وقت کے سلطان اور اربابِ حل وعقد طریقت تھے اور آپ کی براہین اس قدر زیادہ ہیں کہ ہر ادراک ان کے بیان سے عاجز ہے اور آپ کا طریقہ اجتہاد و مجاہدۂ نفس و ریاضت ہے اور آپ مریدوں کو مجاہدہ میں کمال درجہ پہنچا چکے ہیں۔

آپ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک مرید کو حکم ملا کہ تمام دن اللہ اللہ کرے۔ اس کے بعد تین روز تک یہی ورد رکھے کہ خوگرِ ذکر ہو جائے۔ پھر فرمایا: اب جس طرح دن اللہ اللہ میں گزارا ہے، راتیں بھی اسی طرح گزارو۔ مرید حسب الحکم کرتا رہا۔ غرضیکہ مرید کا یہ حال ہو گیا کہ اگر اپنے کو خواب میں دیکھتا تو ذکر کرتا پاتا۔ یہاں تک کہ وہ ذکر مرید کی عادت سے طبع ثانی بن گیا۔ اب حکم ہوا کہ ذکر لسان سے لوٹ کر ذکر قلبی میں جا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ وہ ذکر اتنا غالب آیا کہ ایک روز وہ اپنے گھر میں تھا کہ ہوا سے لکڑی گری اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ تو جو قطراتِ خون چکیدہ ہوئے تو ان سے بھی اللہ اللہ ہی منقش نظر آیا۔

غرضیکہ تربیتِ مریدان مجاہدات و ریاضات سے کرنا خاص طریقہ سہیلیہ ہے اور خدمت درویشاں اور تعظیم، حمد و بیان اور مراقبہ، طریقۂ جنیدی کا (یہ بھی ان کے یہاں لازمی ہے) اور ریاضت و مجاہدہ میں تمام کی تمام مخالفتِ نفس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نفس کو نہ پہچانے تو اس کے لیے مجاہدہ و ریاضت بے سود ہے۔

اب ہم نفس کی حقیقت اور اس کی تعریف بیان کریں تاکہ معلوم ہو کہ (یہ کیا بلا ہے) پھر مجاہدات اور مذاہب و مسلکِ صوفیاء ظاہر کریں گے تاکہ طالب علم پر ان کی تعریف روشن ہو جائے۔ ان شاء اللہ وباللہ التوفیق۔

حقیقتِ نفس و معنیٰ ہویٰ

یاد رکھو! نفس کے لغوی معنی وجودِ شے کے ہوتے ہیں یا حقیقت و ذات کے معنی میں مروّج

Marfat.com

ہے۔ لیکن عادتِ عوام وعباراتِ مردمان میں اس کے بہت سے معنی لیے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کا معنوی استعمال برخلاف یک دیگر ہی نہیں ہوتا بلکہ متضاد معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

پھر باعتبار عرف ایک گروہ بمعنی ''روح'' کہتا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک ''مروت'' کے معنی میں نفس آتا ہے۔ ایک گروہ ''جسد وجسم'' کے معنی لیتا ہے۔ ایک گروہ ''خون'' کے معنی کرتا ہے۔ لیکن محققین صوفیاء کے نزدیک مذکورہ معنی سے کوئی معنی نفس کے صحیح نہیں بلکہ ان کی تحقیق نفس کے متعلق (مندرجہ ذیل ہے) اس امر پر سب تو متفق ہیں کہ نفس نام ہے ''منبع شر'' اور ''قائدِ سوء'' کا۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی عین شے ہے جو دل میں رکھی گئی ہے اور وہ انسان میں مثل روح کے لازم ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نفس ایک ایسی صفت کا نام ہے جو قالبِ انسان میں مثل حٰیوۃ کے موجود ہے۔

لیکن تمام محققین صوفیاء اس امر پر متفق ہیں کہ نفس وہ ہے جس کے ذریعے اخلاق رذیلہ اور افعالِ خبیثہ کے ارادے پیدا ہوں اور یہ اُن افعالِ رذیلہ خبیثہ کا سبب ہے اور افعالِ رذیلہ خبیثہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک معاصی، دوسرے اخلاق رذیلہ جیسے تکبر، حسد، بخل، خشم، حسد اور مثل اس کے تمام ایسے ناستودہ افعال جو شرع وعقل بُرے بتائے۔

تو ریاضت ومجاہدہ سے صوفی ان اوصاف کو اپنے سے دفع کرتا ہے۔ جیسے توبہ کرنے سے معصیت سے اجتناب۔ تو فعلِ معصیت اوصاف سے ظاہر ہے اور اس معصیت شعاری کے اوصاف باطن سے ہے اور ریاضتِ افعال ظاہر سے ہے اور توبہ اوصاف باطن سے۔ تو جو بُرے وصف باطن سے ظاہر ہوں ظاہری روش وصفوں سے پاک ہوجاتے ہیں۔ اور جو ظاہر میں جلوہ گر ہوں، باطنی اوصافِ پسندیدہ سے دور ہوجاتے ہیں۔

اور نفس وروح دونوں لطیفہ ہیں جو قالب انسان میں موجود ہیں۔ جیسے کہ دنیا میں شیاطین و ملائکہ اور بہشت ودوزخ۔ ان میں سے ایک محل خیر ہے اور ایک محل شر۔ جس طرح آنکھ محل نظر ہے اور کان محل سمع ہے اور زبان محل ذائقہ اور مثل اس کے تمام اعیان (ان کے لیے بھی ایک مقام اور محل ہے) اور بہت سے وصف ایسے ہیں جو قالب انسان میں ودیعت کیے گئے ہیں۔

چنانچہ نفس کی مخالفت میں تمام عبادات کا راز ہے اور کمالِ مجاہدہ بھی اسی مخالفت نفس کے لیے ہے اور بندہ بجز مخالفت نفس واصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ نفس کی موافقت ہلاکتِ انسان ہے اور مخالفتِ نفس میں بندہ کی نجات۔ چنانچہ حضرت رب العزت جل مجدہٗ نے اس کی مخالفت کا حکم فرمایا اور ان کی تعریف کی جو اس کی مخالفت کرنے والے ہیں اور اس کی مذمت کی جو موافقت نفس

Marfat.com

میں چل رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (۱) ''جنہوں نے نفس کی خواہشات کو روکا تو ان کی آرام گاہ جنت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ (۲) ''کیا پس جب تمہارے پاس رسول تمہاری خواہشاتِ نفسانی کے خلاف حکم لائے تو تم نے سرکشی کی اور تکبر کیا۔''

اور حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی زبان سے ہمیں قرآن کریم میں خبر دی: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ (۳) ''اور میں اپنی جان کو پاک نہیں کرتا، بیشک نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جو اللہ کے رحم سے بچ سکے۔''

اور حضرت سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا: اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا بَصَّرَهٗ بِعُيُوْبِ نَفْسِهٖ (۴) ''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو چشم وبصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کے عیوب دیکھتا ہے۔''

اور احادیث میں وارد ہے کہ اللہ جل علا شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی اور حکم دیا: يَا دَاوٗدُ عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّ وُدِّيْ فِيْ عَدَاوَتِهَا. ''اے داؤد! اپنے نفس سے دشمنی کر اس لیے کہ میری دوستی اس کی عداوت میں ہے۔''

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ تمام اوصاف ہیں اور لامحالہ حقیقت کے لیے موصوف لازمی ہے تاکہ وہ اس صفت کے ساتھ قائم ہو۔ اس لیے کہ صفت قائم بالذات نہیں ہوسکتی اور معرفتِ صفت بغیر علم وشناختِ قالب حاصل نہیں ہوسکتی اور طریق شناخت ابدان واجسام یہی ہے کہ اوصافِ انانیت کو سمجھے کہ یہ انسانیت کا جز ہے اور یہی سرِّ انسان ہے۔

اور حقیقتِ انسان کی تشریح میں بہت سے اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں بھی بہت سے قول ہیں کہ اسمِ انسان کیا چیز ہے اور انسان کہلانے کا کون سزاوار ہے اور اس کا علم ہر طالب حقیقت پر فرض ہے۔ اس لیے کہ جو اپنے سے ہی جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہوگا اور جب کہ بندہ معرفتِ حق اور معرفتِ خود کے لیے مکلف ہے تاکہ وہ اپنے حدوث اور ذات واجب تعالیٰ شانہٗ کے قدم کو جانے اور اپنی فنا اور ذاتِ حق کی بقا کو سمجھے۔

اور قرآن کریم کی نص بھی اس امر پر ناطق ہے کہ ربِّ جل مجدہ نے کفار کو اپنی طرف

۱۔ سورۃ النازعات: ۴۰۔۴۱ ۲۔ سورۃ البقرۃ: ۸۷ ۳۔ سورۃ یوسف: ۵۳

۴۔ اس حدیث پاک کو امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے (کتاب اللمع، ص: ۱۳۹، احیاء علوم الدین ۵/۲۲۳)

Marfat.com

سے جاہل فرمایا اور ارشاد ہوا: ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾(۱)
''اور کون ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے منہ پھیرے سوا اس کے جس نے اپنے آپ کو نادانی اور جہالت کے حوالے کر دیا۔''

اور ایک مشائخ کرام میں سے فرماتے ہیں: مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ بِالْغَيْرِ اَجْهَلُ. ''جو اپنے نفس کے ساتھ جاہل ہے وہ غیر سے جاہل تر ہے۔'' اور حضور سید یوم النشور ﷺ نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ. (۲) اَیْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَه بِالْفَناءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَآءِ وَيُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزِّ وَيُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُودِيَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرُّبُوبِيَّةِ.

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۱۳۰

۲۔ اسے امام سخاوی المقاصد الحسنه (ص ۴۱۹ حدیث: ۱۱۴۹) میں لائے ہیں اور کہا ہے: کہ امام ابوالمظفر ابن السمعانی ''الكلام على التحسين والتقبيح العقلى من القواطع'' میں کہتے ہیں کہ اس کا مرفوع ہونا معروف نہیں ہے بلکہ اسے یحیی بن معاذ رازی کے قول سے حکایت کیا گیا ہے۔اسی طرح امام نووی کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے اور میرے سامنے اس کی یہ تاویل بیان کی گئی: من عرف نفسه بالحدوث عرف ربه بالقدم، ومن عرف نفسه بالفناء، عرف ربه با لبقاء. امام ابن تیمیہ نے اسے موضوع کہا ہے جبکہ امام نووی نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر ثابت کر دیا ہے لیکن جہاں تک اس کے مفہوم ومعنی کا تعلق ہے تو وہ ثابت شدہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے: من عرف نفسه بالجهل فقد عرف ربه بالعلم ومن عرف نفسه بالفناء فقد عرف ربه با لبقاء ومن عرف نفسه با لعجز والضعف فقد عرف ربه بالقدرة والقوة ۔مذکور روایت کا مفہوم مندرجہ ذیل آیات سے مستعار ہے، ومن يرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه (البقرة: ۱۳۰) اى جهلها حيث لم يعرف ربهــا، ابن غرس کہتے ہیں: لیکن کتب صوفیہ اس حدیث سے بھری پڑی ہیں اور وہ اسے حدیث کا درجہ دیتے ہیں جیسے شیخ محی الدین وغیرہ۔اور صاحب کشف الخفاء کہتے ہیں: بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا ہے کہ اگرچہ یہ حدیث بطریق روایت صحیح نہیں ہے مگر ہمارے نزدیک بطریق کشف صحیح ہے،ابن النجم کہتے ہیں: کہ یہ روایت ادب دنیا والدین للماوردی میں بطریق سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: من اعرف الناس بربه؟ فقال أعرفهم بنفسه، حوالہ کے لیے: التذكرة للزركشى (ص: ۱۲۹) المقاصد الحسنة للسخاوى (ص: ۴۱۹، حديث: ۱۱۴۹) كشف الخفاء ۲/ ۳۶۵ (ص: ۲۵۳۲)، تمیز الطيب من الخبيث (۲۲۰)، الاسرار المرفوعة (۵۰۶، ۹۳۷) الغماز على اللماز للسمهودى (حديث: ۲۸۹) الدرر المنتشرة للسيوطى (۳۹۳)، اللؤلؤ المصنوع (ص: ۸۲) الحاوى للفتاوى ۲/ ۴۱۲

Marfat.com

’’جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، یقیناً اس نے رب کو بھی پہچان لیا، شرح فرماتے ہیں یعنی جس نے اپنے نفس کی فناء کو سمجھ لیا، اس نے یقیناً ذاتِ باقی کی بقاء کو جان لیا۔ بعض نے کہا: جس نے اپنے نفس کو ذلت کے ساتھ جان لیا، اس نے اپنے رب کی عزت مان لی۔‘‘

تو سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو اپنے کو نہ جانے وہ کل کی معرفت سے محجوب ہے۔

ان تمام تشریحات سے مراد معرفتِ انسانیت ہے اور اس حقیقت میں محققین کے اختلافات پر بہت سے اقوال ہیں:۔

ا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان کی حقیقت سوائے روح کے کچھ نہیں ہے۔ یہ جسم تو محض اُس روح کے راہ ومکان ہیں یا اس کی آرام گاہ۔ تا کہ اس جسم میں رہ کر خللِ طبائع سے محفوظ رہے اور حس وعقل یہ صفاتِ روح ہیں۔ مگر یہ تعریف بالکل باطل ہے۔

اس لیے کہ اگر روح کا نام انسان ہے تو جب جسم سے روح نکل جائے تو اسے انسان نہ کہنا چاہیے حالانکہ انسان کہتے ہیں۔ مردہ جسم سے نام انسان نہیں اٹھتا۔ مذکورہ اصول کے ماتحت جب تک اس مکان میں روح ہے انسان کہنا چاہیے مگر جب وہ روح پرواز کر جائے تو انسان نہ کہنا چاہئے۔ حالانکہ زندہ انسان جب تک بولا جاتا ہے جب تک اس میں روح ہے اور جب روح نہ رہے تو مردہ انسان کہلاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رُوح قالبِ ستور (۱) یعنی گھوڑے میں بھی ہوتی ہے حالانکہ اُسے انسان نہیں کہا جاتا۔ اگر اسم انسان کی علت روح ہوتی تو یہ ضرور تھا کہ جہاں روح کا وجود ہوتا وہاں ہی اطلاق اسم انسان صحیح ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ مذکورہ قول بالکل باطل ہے۔

۲۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان روح وبدن پر یکجا واقع ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو پھر یہ نام ساقط ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک گھوڑے پر دو رنگ مجتمع ہوں ایک سیاہ ایک سپید تو اُسے ’’ابلق‘‘ کہتے ہیں اور اگر فقط سپید رنگ ہو تو سپید کہتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کریم کے حکم کے ماتحت بالکل باطل ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾ (۱) ’’کیا انسان پر وہ وقت آیا ہے کہ جب کوئی شے مذکور نہ تھا۔‘‘ حالانکہ آدمی بے جان مٹی کو بھی

۱۔ زسُمِ ستوران دران پہن دشت — زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

’’ستور‘‘ کا ترجمہ بعض مترجمین نے ’’بیل‘‘ کیا ہے حالانکہ ستور فارسی میں ’’گھوڑے‘‘ کو کہتے ہیں جیسا کہ ’’سکندر نامہ‘‘ کے شعر سے واضح ہے اور اگر ’’ثور‘‘ سمجھ کر ’’بیل‘‘ معنی کیے تو بھی غلط۔ اس لیے کہ یہ سین سے ہے اور عربی میں ث سے۔

۲۔ سورۃ الدھر:۱

Marfat.com

انسان کہا گیا۔ باآنکہ ابھی تک اس کے قالب میں جان پیوستہ نہیں ہوئی۔

۳۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان ایک "جُزو لا یتجزیٰ" ہے اور اس کا مقام دل ہے اور یہی قاعدہ اوصاف انسانی ہے حالانکہ یہ بھی محال ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان کو مار ڈالیں اور اس کے اندر سے دل نکال لیں تو اسم انسان اس سے نہیں جاتا اور روح سے قبل بالاتفاق محققین قالب انسان میں دل نہیں ہوتا۔

۴۔ ایک جماعت جو متصوفہ سے ہے اسے بھی حقیقتِ حق کی تحقیق میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ انسان آکل وشارب اور محل تغیر نہیں ہے۔ وہ درحقیقت اسرار الٰہی میں سے ایک سرّ ہے اور یہ جسم لباس انسانی ہے اس میں امتزاج طبع اور اتحادِ جسد وروح ہے۔

ہم کہتے ہے کہ بالاتفاق جملہ عقلاء اسمِ انسان کا اطلاق مجانین وکفار وفساق سب پر ہے اور ان کے اندر اسرارِ الٰہیہ کے معنی میں سے کچھ نہیں۔ سب کے سب متغیر آکل شارب ہیں اور اس کے قالب اور وجود میں ایسی شخصیت مخصوص کہیں نہیں، جسے ان کی تعریف کے مطابق انسان کہا جائے۔

بلکہ حضرت رب العزت جل مجدہٗ نے انسان اس مجموعہ کا نام رکھا جس سے کہ انسان مرکب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝﴾ (۱)

"اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو گندھی ہوئی صاف مٹی سے۔ پھر کیا ہم نے اس میں قطرہ منی کو ایک خاص جگہ ٹھہرنے والا۔ پھر کیا ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون۔ پھر بنایا ہم نے جمے خون کو مضغہ گوشت۔ پھر بنائے ہم نے مضغہ سے ہڈیاں۔ پھر چڑھایا ہم نے ہڈیوں پر گوشت، پھر نشوونما فرمائی ہم نے دوسری پیدائش میں، تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہترین خالق ہے۔

تو حضرت ربّ العزت جل مجدہ نے جو اصدق الصادقین سے ہے، خاک سے اس صورت کو پیدا فرمایا اور جملہ تغیرات اس پر ہوئے مگر ہر زمانہ میں اس کا نام انسان ہی رکھا۔

۱۔ سورۃ المومنون: ۱۲۔۱۳۔۱۴

Marfat.com

چنانچہ ایک جماعت اہل سنت و جماعت کی کہتی ہے کہ انسان "حـــی" ہے اور اس کی صفات محمودہ ایسی ہیں کہ موت اس اسم کو اس سے نہیں اٹھا سکتی۔حتی کہ صورت معہودہ اس اسم کو آلاتِ موسوم ظاہر و باطن سے علیحدہ نہیں کر سکتی اور مراد صورت سے تندرستی و بیماری ہے اور آلات سے مراد موسوم انسان سے انسان کا مجنون و عاقل ہونا ہے۔

غرضیکہ باتفاقِ عقلاء انسان جس قدر صحت کی طرف ہوگا، کامل تر ہوتا چلا جائے گا اور مخلوق میں یہ سب سے کامل ہے۔اب سمجھ لینا ضروری ہے کہ ترکیب انسانی جو کامل تر ہوتی ہے وہ محققین کے نزدیک تین معنی سے ہوتی ہے۔(i) ایک روح (ii) دوسرے نفس (iii) تیسرے جسم۔ اور اس کے ہر عین میں ایک صفت ہوتی ہے جو اس عین کے ساتھ قائم ہے۔

چنانچہ روح کے لیے عقل اور نفس کے لیے ہوا اور بدن کے لیے حس۔انسان نمونہ عالم ہے۔اور عالم دو جہان کا نام ہے اور دونوں جہانوں کے نشانات کا مجموعہ انسان ہے۔اس جہان کے نشان تو انسان میں پانی، خاک، ہوا، آگ ہے اور ان کی ترکیب بلغم، خون، صفرا، سودا سے ہے اور اس جہان کے نشان بہشت، دوزخ اور عرصاتِ محشر ہیں۔

تو جان بہشت کی بجائے اپنی لطافت سے بنتی ہے اور دوزخ کی بجائے نفس اور آفات وحشت ہو جاتے ہیں اور جسم بجائے عرصاتِ محشر کے ہے، اور عرصۂ محشر میں جو جمال یار ہوگا وہ بھی دو معنی میں ہے۔قہر کے ساتھ یا موانست کے ساتھ۔تو بہشت نتیجہ رضاء دوست ہے اور دوزخ نتیجۂ سخط و غضب یار ہے۔

اسی طرح روحِ مومن کو معرفتِ روح سے راحت ہے اور نفس کی وجہ میں حجاب وضلالت۔حتی کہ مومن دوزخ سے اس وقت تک خلاصی نہ پائے گا اور بہشت نہ پہنچ سکے گا جب تک حقیقت رویت نہ پائے اور محبت کی صفائی کو حاصل نہ کرلے۔اسی طرح جب تک بندہ دنیا میں نفس سے نجات نہ پائے۔تحقیق ارادۃ تک نہیں پہنچ سکتا۔اس لیے اس کی قائد روح ہے اور جب تک تحقیق ارادۃ حاصل نہ ہو قربت و معرفتِ ذات کو نہیں پہنچ سکتا۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جو دنیا میں اس ذات کو پہچان لے گا، غیروں سے اعراض کرے گا اور صراطِ شریعت پر قائم ہوگا تو قیامت کے دن دوزخ و پل صراط کو دیکھے گا۔

مختصر یہ کہ روحِ مومن وہ ہے کہ جس کو بہشت پکارتا اور بلاتا ہے، اس لیے کہ دنیا میں وہ نمونہ بہشت تھا، اور نفس وہ ہے کہ اس کو بلانے اور پکارنے والا دوزخ ہے۔اس لیے کہ دنیا میں وہ نمونۂ دوزخ تھا۔تو مومن وہ ہے کہ جو کامل مدبر عقل ہے اور دوسرا وہ ہے جس کی قائد حرص وہوئی

Marfat.com

دروازہ پر ہیں۔ آپ نے اس خطرہ کو اپنے سے دور کرنا چاہا کہ دوسرا خطرہ خاطر مبارک میں آیا۔ آپ اس کے دفع میں مشغول ہوئے کہ پھر تیسری بار خطرہ ہوا کہ حضرت جنید دروازہ پر تشریف فرما ہیں جا کر دیکھا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ اے خیر نساج اگر تو پہلے خطرہ کو خاطر میں لے آتا اور سیرت مشائخ پر عمل پیرا ہو جاتا تو اتنی دیر میں دروازہ پر کھڑا نہ رہتا۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ خاطر خیر میں آیا تو اس میں جنید کو کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنید شیخ خیر نساج تھے اور شیخ لامحالہ احوال مرید سے واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا فرمانا صحیح تھا۔

الواقع سے مراد یہ ہے کہ جو دل میں مرید کے ظاہر ہو اور باقی رہے برخلاف خاطر کے کہ وہ باقی نہیں رہتا اور کسی حال میں طالب اس کے دفع کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے کہتے ہیں خَطَرَ عَلٰی قَلْبِی میرے دل میں خطرہ گذرا وَوَقَعَ فِی قَلْبِی۔ اور دل میں واقع ہوا ہے۔ تو دل خاطر کا محل ہے۔ لیکن واقعات دل کے ہی دل پر گذرتے ہیں غیر دل پر نہیں۔ کیونکہ دل کا دل وہ ہے جس میں تمام حدیث حق ہوتی ہیں۔ بدیں وجہ جب مرید کے دل میں راہ حق کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اسے قید کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کو واقعہ ہوا ہے۔ اور اہل زبان واقعہ میں مسائل اشکال بیان کرتے ہیں اور جب کوئی اس کا جواب دے اور شبہ اٹھائے تو کہتے ہیں یہ واقعہ حل ہوا لیکن محققین اسی طرف ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس پر حل روا نہ ہو اور جو حل ہو جائے وہ خاطر کا خطرہ ہوتا ہے واقعہ نہیں۔ کیونکہ اہل تحقیق کا بند حقیر نہیں ہوتا کہ اس کا حکم بدل جاتا ہے اور حال سے پھر جاتا ہے۔

الاختیار۔ یہ وہ ہے کہ حق کے اختیار کو اپنے اختیار پر اختیار کریں یعنی جو کچھ حق تعالے نے ان کے لئے اختیار کیا ہے خواہ خیر ہو یا شر اسی کو پسندیدہ رکھیں۔

اور درحقیقت بندہ کا اختیار حق کو اختیار کرنا بھی اختیار حق سے ہوتا ہے اور اگر وہ بات نہ ہوتی اور اللہ تعالی اسی کو اختیار کر دیتا تو وہ اپنا اختیار کبھی نہ چھوڑتا۔ اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ امیر کسے کہتے ہیں۔ فرمایا امیر وہ ہے جس کا اختیار نہ رہا ہو اور حق کے اختیار کو اس نے اختیار کر کے اسے اپنا اختیار بنا لیا ہو۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ کو ایک وقت بخار آیا۔ عرض کی الٰہی

Marfat.com

مجھے آرام عطا فرما۔ آپ کو ندا آئی کہ جنید تو کون ہے جو میری ملکیت میں تصرف کرتا ہے اور اپنا اختیار ظاہر کرتا ہے۔ میں اپنی ملک میں تجھ سے زیادہ مدبر ہوں تو میرے اختیار کو اختیار کر اور اپنا اختیار ظاہر نہ کر۔ واللہ اعلم۔

الامتحان۔ اس لفظ سے امتحان دل اولیاء مراد ہے۔ اس لئے کہ ولی کے دل پر جناب اللہ کی طرح کی بلائیں آتی ہیں۔ جیسے خوف۔ غم۔ ہیبت۔ قبض اور مثل اس کے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا۔ اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ امتحان میں ڈالتا ہے۔ تقویٰ کے لئے انھیں بخشش ہے اور بڑا اجر اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

البلاء۔ بلاء سے مراد محبوں کے تن کا امتحان متعدد طرح سے سختیوں، بیماریوں اور رنج دمحن سے کیا جاتا ہے اور جس قدر بندہ پر بلا زیادہ قوی ہوتی جاتی ہے۔ اسے قرب حق زیادہ ملتا ہے اس لئے کہ بلا لباس اولیا ہے اور برگزیدہ ہستیوں کا گہوارہ اور انبیاء کرام کی غذا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاء۔ ہم نبیوں کا گروہ ہیں بلا کے لئے لوگوں سے زیادہ سخت ہیں۔

پھر اولیاء، پھر مقرب لوگ، پھر ان کی مثل غرضیکہ بلا رنج کا نام ہے جو بندۂ مومن کے دل اور تن پر آتی ہے اور در اصل یہ اس کے حق میں نعمت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا راز بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کا درد اٹھانے کا ثواب ہوتا ہے۔ اور جو کفار پر بلا نازل ہوتی ہے۔ وہ بلا بمعنی استیلا نہیں ہوتی بلکہ وہ ان کی کم بختی ہوتی ہے اور کافر کبھی شقاوت سے شفا نہیں پاتا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ بلا مرتبۂ امتحان میں بہت بڑا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ بلا کا اثر تن پر ہوتا ہے اور دل بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اور امتحان کا اثر دل پر ہوتا ہے اور یہ بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

التحلی۔ کسی قوم سے قول و فعل میں مساوی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس الایمان بالتحلی والتمنی ولکن ما وقر فی القلوب وصدقہ العمل۔ ایمان ظاہرداری سے نہیں لیکن دل میں قرار پیدا کرے اور عمل اُسے سچا کرے

marfat.com

Marfat.com

تو یہ تحلی ایک گروہ کے نزدیک بعض حقیقت معاملہ کے مشابہ ہونا تحلی کہلاتا ہے اور وجود کھا دے کے لئے ہے۔ ایسا کرے اور حقیقت میں نہ ہو محض ظاہرداری کرتا ہو وہ جلدی سے خوار ہو جاتا ہے اور اس کا بھید کھل جاتا ہے۔

التجلی - یہ انوارِ حق کی تاثیر ہے جو مقبولانِ بارگاہ پر ہوتی ہے جس سے وہ اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ اِسی درجہ میں رویت بالقلب اور رویت بالعین دو صورتیں رکھی گئی۔ تجلی اگر چاہے دیکھے اگر نہ چاہے نہ دیکھے[1]

ایک صورت یہ ہے کہ کسی وقت دیکھ سکے اور کسی وقت نہ دیکھ سکے[2]

ایک وہ اہلِ نظر ہیں کہ اگر بہشت میں بھی دیکھنا نہ چاہیں نہ دیکھیں۔ کیونکہ ان کے لئے تجلی پر پردہ اختیار روا ہو جاتا ہے اور رویت پر پردہ جائز نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

التخلی - وہ بندہ کا ایسا شغل ہے جو مانع ذکرِ حق ہو جائے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ہاتھ خالی کرنا چاہے دنیا سے۔ دوسرے یہ کہ عقبیٰ سے اپنا دل خالی کر دے۔ تیسرے یہ کہ خواہش نفسانی کی متابعت کر اس سے اپنا سر خالی کر دے۔ چوتھے خلقت کی صحبت سے اپنے کو خالی کر لے اور اس کا اندیشہ بھی دل میں نہ آنے دے۔

الشرود - معنی شرود طلب خاص کے ہیں۔ یہ آفت و حجاب و بیقراری سے خلاصی پانے کے لئے حق کو طلب کرتا ہے۔ کیونکہ طلب پر تمام بلائیں حجاب سے آتی ہیں۔ تو اگر وہ طالب کا کشف حجاب ہے تو اس کے سفر اور تعلق کی ہر شے کو شرود کہتے ہیں۔ اس میں ابتدا طلب میں بیقراری زیادہ ہوتی ہے اور انتہا میں وصل قائم ہو جاتا ہے۔

القصود - یہ طلب مقصود کے لئے حقیقت ارادہ صحیح اس گروہ کا قصود ہے۔ یہ حرکت و سکون سے متعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دوست گرچہ دوستی میں ساکن ہوتا ہے یا قاصد مگر یہ خلافِ عادت ہے۔ اس لئے کہ قاصدوں کا مقصد یا ظاہر پہ مؤثر ہوتا ہے یا ان کے باطن پریشان دیتا ہے مگر جو دوست بے وجہ طلب کرتے ہیں اور بدونِ حرکات قاصد ہوتے ہیں ان کے سبب صفتیں خود قصد ہوتی ہیں۔ اور جو انتہا کا قصد کرتے ہیں تو جب دوستی حاصل ہو جاتی ہے تو سب قصد ہو جاتے ہیں۔

---

[1] جیسے کسی نے کہا ؎ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار ÷ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔ (مترجم)

[2] بقول شاعر ؎ گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ÷ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم (مترجم)

Marfat.com

اصطناع۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ مہذب ہو جائے اور اس کی سب صفتیں فنا ہوں اور تمام حظوظ نفسانی اوصاف نفس بدل جائیں۔ تاکہ اوصاف ذاتی کے زوال اور اوصاف نفسانی کے تبدیل ہو جانے سے بےخود ہو جائے اور اس درجۂ خاص میں انبیاء کرام ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو یہ درجہ نہیں ملتا۔ ایک گروہ مشائخ اسے انبیاء اور اولیاء میں بھی روا رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

الاصطفاء۔ اصطفاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کے دل کو اپنی معرفت کے لئے فارغ فرما دے تاکہ اس کی معرفت صفات اس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس درجہ میں خاص و عام مومنین سب بلکہ عاصی مطیع ولی نبی سب پہنچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ. وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ ۔ اور کتاب کا وارث کیا ہم نے اپنے بندوں سے تو ان میں ظالم ہیں اپنی جان میں اور ان میں میانہ رو ہیں اور ان میں سابق بالخیرات ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار

الاصطلام۔ اصطلام تجلیات حق ہیں کہ بندہ ان سے مقہور ہو جاتا ہے تاکہ امتحان لطف نفی میں اس کے ارادہ اور قلوب پر ماند ہو اور مصطلم اور قلب ممتحن دونوں کے معنی ایک ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ الاصطلام زیادہ خاص ہے اور امتحان اس سے زیادہ رقیق ہے اور ارباب طریقت اصطلاح میں مروج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الرّین۔ رین ایک حجاب ہے جو دل پر آتا ہے اور اس کا کشف ایمان کے بغیر نہیں اور وہ حجاب کفر اور گمراہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ کفار کی صفت ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ وہ حجاب ہے جس کا زوال خود ممکن نہیں خواہ کسی صفت سے ہو کیونکہ کافر کا دل اسلام پذیر نہیں ہوتا۔ اور جو ان میں سے ایمان لاتے ہیں وہ خداوند تعالیٰ کے علم میں مومن ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ عالم۔

الغین۔ یہ دل پر ایک پردہ ہوتا ہے جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک خفیف ایک غلیظ۔ غلیظ کا نزول غافلوں کے واسطے ہے اور خفیف اولیاء انبیاء

marfat.com

Marfat.com

سب پر آسکتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ فَاِنِّيْ لَا
استغفر اللہ فی کل یوم ماشۃ مرۃ۔ بے شک میرا دل پردہ کیا جاتا ہے۔ اور خفیف کے لئے
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کے معنی گناہ سے اطاعت کی طرف جانا ہے اور رجوع کے معنی
ہیں اپنے آپ سے خداوند تعالیٰ کی طرف لوٹنا۔ تو توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور مجنوں کا جرم اپنی
ہستی کو دیکھنا بھی ہے۔ اگر کوئی خطا سے صواب کی طرف جائے تو کہتے ہیں کہ یہ قول راجع ہے۔
فلاں شخص راجع ہے۔ اور یہ تمام بحث میں نے توبہ کے باب میں بیان کر دی ہے۔ واللہ اعلم

التلبیس۔ کسی چیز کا اس کی اصل کے خلاف دکھانے کو تلبیس کہتے ہیں۔ جیسے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ۔ البتہ پہنایا ہم نے جو پہنتے ہیں یعنی پردہ
ڈال دیا اور غیر حق تعالیٰ میں یہ صفت محال ہے۔ اس لئے کہ کافر کو نعمت سے وہی مومن کرتا
ہے اور مومن کو اپنی نعمت سے کافر بناتا ہے تاکہ اس کے اظہار حکم اور حقیقت کا وقت
ہر ایک میں آجائے اور جب اس گروہ سے ایک شخص نیک خصلتوں کو بری صفتوں میں چھپا دیتا
ہے کہتے ہیں یہ تلبیس کرتا ہے اور اس جگہ کے سوا اس عبارت کو استعمال نہیں کرتے اور نفاق
اور ریا کو تلبیس نہیں کہتے۔ گو اصل میں وہ بھی تلبیس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اقامت فعل حق کے
سوا تلبیس کا استعمال نہیں۔

الشرب۔ طاعت کی شیرینی کو اور کرامت کی لذت کو اور راحت انس کو یہ طائفہ
شرب کہتا ہے۔ اور کوئی شخص کوئی کام لذت شرب کے سوا نہیں کر سکتا۔ جیسے تن کا سیراب ہونا
پانی سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی دل کا شرب راحت اور شیرینی طاعات سے ہے اور میرے شیخ رضی اللہ
عنہ فرماتے ہیں کہ مرید بے شرب اور عارف باشرب ہوتا ہے۔ اور یہ ارادہ و معرفت سے خالی
ہوتے ہیں۔ اس لئے مرید کو چاہیے کہ اپنے کام سے شرب ہو۔ تاکہ ارادت حق طالب بجا لائے
لیکن عارف کو شرب نہ ہونا چاہیے۔ تاکہ بدون ارادہ حق شرب سے اس پر ایسی حالت ہو جائے
کہ اگر اپنے نفس کی طرف رجوع کرے تو آرام نہ پائے۔ واللہ اعلم۔

الذوق۔ یہ شرب کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن شراب راحتوں کے سوا مستعمل نہیں
اور ذوق رنج و راحت کو اچھا محل کرتا ہے جیسا کہ کوئی کہے ذُقْتُ الْحَلَاوَةَ وَذُقْتُ الْبَلَاءَ

Marfat.com

وَذُقْتُ الرَّاحَۃَ تو سب درست ہیں۔ پھر شرب کو بھی کہتے ہیں شَرِبْتُ بِکَاسِ الْوَصْلِ اَوْ بِکَاسِ الْوُدِّ۔ اور ایسی ہی اور بھی مثالیں ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْئًا۔ یعنی مزے سے کھاؤ پیو۔ اور جب ذوق کا بیان فرمایا۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ۔ دوسری جگہ فرمایا۔ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ۔ یہ حدود الفاظ کے حکم ہیں جو صوفیوں کے ہم نے مروجہ اصطلاحات جمع کر دیں۔ اگر سب بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کشفِ حجاب یازدہم، سماع

یاد رکھو حصولِ علم کے پانچ سبب ہوتے ہیں۔ اول سمع دوم بصر سوم ذوق چہارم شم پنجم لمس۔ سمع سُننے کا کام دیتا ہے۔ بصر دیکھنے کے ذریعے علم پہنچاتا ہے۔ ذوق چکھ کر حقیقتِ شے معلوم کی جاتی ہے۔ شم سونگھنے سے پتہ لگانا۔ لمس چھو کر مس کے ذریعے معلوم کرنا۔

یہ پانچ ذریعے جو دل کے لئے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں تا اور ہر چیز کا علم انہیں پانچ وسیلوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے سماعت کے ذریعے آواز اور خبر کا علم ہوتا ہے۔ بصارت کے ذریعے رنگ اور شکلیں معلوم ہوتی ہیں۔ ذائقہ کے ذریعہ شیریں تلخ میٹھا پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ شامہ کے ذریعہ خوشبو بدبو کا علم حاصل ہوتا ہے۔

ان پانچ حواس سے چار کے مقامات خاص ہیں اور ایک تمام بدن میں پھیلا ہوا ہے۔ سماعت کے لئے کان۔ بصارت کے لئے آنکھ۔ ذائقہ کے لئے زبان۔ شامہ کے لئے ناک ہے۔ اور لمس کو تمام بدن میں جگہ ہے۔ اس لئے کہ آنکھ سوا دیکھنے کے اور کام نہیں کرتی۔ اور کان سُننے کے سوا اور کام نہیں دیتا۔ ناک سونگھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔ زبان چکھنے کے سوا اور کسی کام کی نہیں۔ لیکن تمام بدن سے نرم گرم کھردرا سرد وغیرہ معلوم کرنے والا لمس ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک حس تمام اعضاء میں مثل لمس کے پھیلا ہوا ہو۔ اور معتزلہ کے نزدیک ہر حس اپنے محل کے سوا اور جگہ روا نہیں۔ مگر ان کا یہ قول باطل ہے۔ اس لئے کہ لمس کے سوا سب کے محل خاص ہیں۔ اور لمس کا کوئی محل خاص نہیں ہے۔ اور جب ایک بھی ان پانچ سے محل خاص نہیں رکھتا۔ سوائے ایک کے تو

marfat.com
Marfat.com

اموروں کے واسطے بھی یہی صفت روا ہے۔ حالانکہ یہاں یہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس قدر بیان ضروری تھا تاکہ تحقیقِ معنی ہو سکے۔ تو چار حواس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے چار سننے دیکھنے سونگھنے چکھنے کے ہیں اور ایک چھُونا ہے۔ تو یہ امر جائز ہوا کہ حواس مجوبہ علم کو دیکھنا اور خوشبو سونگھنا ہے۔ نعمتوں کو چکھنا ہے اور ایک چھُونا ہے۔ تو یہ ذریعے عقل ہوئے اور یہی اللہ کی طرف رہنما ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کان کے ذریعہ انسان جانتا ہے کہ جہان محدث ہے اور محل تغیر اور جو حادث ہے وہ محدث سے خالی نہیں۔ اس سلئے کہ پیدا کرنے والا ہے اور خالق جنسِ مخلوق سے نہیں۔ اس سلئے کہ وہ خالق ہے یہ مخلوق ہے۔ یہ جسم پذیر ہے وہ پیدا کرنے والا۔ اور جسم دینے والا۔ یہ محدث ہے اور وہ اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ محدود ہے اور اس کا خالق غیر محدود اور سب اشیاء پر قادر ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ تمام معلومات کا علم اس کا تصرف ملک میں جاری ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے برہانِ صادق کے ساتھ رسول بھیجے اور جب تک اس کی معرفت کا وجوب سماعت سے علم نہ ہو لوگوں کا اس پر ایمان لانا اور رسولوں کا حکم ماننا واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ شرع کا وہی موجب ہے۔ اس سبب سے اہلِ سُنّت دنیا میں سماعت کو بصارت پر فضیلت دیتے ہیں اور اگر کوئی خطا کار کہے کہ کان محل خبر ہیں اور آنکھیں محل نظر اور ان سے ہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا تو وہ سماعت سے زیادہ افضل ہے۔

میں کہتا ہوں ہم سمع سے جانتے ہیں کہ دیدارِ الٰہی مومنوں کو بہشت میں ہو گا کیونکہ دیدار کو عقل سے جائز ماننا اس کا حجاب کشف سے زیادہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے خبر سے معلوم کیا ہے کہ مومن کو کشف ہو گا اور اس کی نظر سے حجاب اُٹھ جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو سمع بصر سے افضل ہوا اور یہ بدیہہ ہے کہ تمام امور شریعت سماعت پر مبنی ہیں۔ اگر سماعت نہ ہوتی تو اس کا ثبوت محال ہوتا اور انبیاء علیہم السلام بھی آتے۔ پہلے انھوں نے فرمایا اور لے سُننے والوں نے سُنا تو ایمان لائے۔ پھر انھوں نے معجزات دکھائے اور معجزہ دیکھنے میں اس کی تاکید بھی کان سے تھی۔ تو دلائل سے جو سماعت کا انکار کرے وہ درحقیقت منکرِ شریعت ہے اور اس نے اس کا حکم اپنے اوپر چھپایا۔ اب میں اس کا حکم جامع ظاہر کرتا ہوں۔ انشاء اللہ۔

Marfat.com

تیسواں باب

سماع قرآن اور اس کے متعلقات

اعلیٰ ترین سُننے والی چیز جو دل کو فائدہ دے۔ کلام الٰہی عزاسمہٗ ہے اور اس کلام پاک کے سُننے پر تمام مؤمن اور کافر مکلف ہیں۔ خواہ آدمی ہوں یا جن و پری اور معجزہ قرآنی ظاہر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے اور سُننے سے طول نہیں ہوتا اور اس میں بڑی رقت ہے۔ حتیٰ کہ کفار یہ شب میں پوشیدہ طور پر آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں ہوتے۔ یہ چھپ کر سُنتے اور پسند کرتے بلکہ جامعیت کلام پر اور تعجب ہوتا۔ جیسے نضر بن حارث جو بڑا فصیح اللسان تھا اور عتبہ بن ربیعہ کہ بلاغت میں جادوگر مانا جاتا تھا اور ابو جہل بن ہشام جو کلام و بیان میں شانِ ید بیضا دکھاتا تھا اور خطبات میں خاص شان دکھاتا اور مثل ان کے اور بلغاء و فصحاء عرب۔

حتیٰ کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے کہ عتبہ سُنتے سُنتے بیہوش ہوگیا اور ابو جہل سے بعد میں کہنے لگا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے یہ مخلوقات کا کلام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے پریوں جنوں کو فوج در فوج کر کے بھیجا تا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام پاک سُنیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا۔ ہم نے ایک کلام عجیب سُنا ہے۔ جس کے اثر سے مطلع کیا کہ قرآن بیمار دلوں کو صحت کی طرف لاتا ہے۔ یَهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا۔ تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

اس لئے کہ اس کلام کی نصیحت تمام نصیحتوں سے بہتر ہے اور اس کے الفاظ نہایت مختصر

marfat.com

Marfat.com

اور جامع ہیں۔ اس کا حکم تمام اوامر سے لطیف تر ہے۔ اس کی نہی تمام مناہی سے صاف ہے۔ اس کے مواعید سب وعدوں سے زیادہ دلربا ہیں اور اس کے عذاب کی شان تمام عذابوں سے دل گداز ہے۔ اس کے قصے تمام قصوں سے زیادہ سیر کرنے والے۔ اس کی مثالیں سب مثالوں سے زیادہ فصیح ہیں۔ اس کے سننے سے ہزار دل شکار ہوتے ہیں۔ اس کے لطیفے ہزارہا جانوں کو بلا میں مبتلا کرتے ہیں۔ دنیا داروں کو ذلیل کرتا ہے اور تارک الدنیا کو عزت دیتا ہے۔

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں تلوار سونت کر ان کے قتل کو آمادہ ہوئے اور دل میں سے ان کی محبت نکال۔ حق تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے سورہ طٰہٰ کا لشکر گوشوں پر ان کی گھات میں بٹھا دیا۔ جب وہ بہن کے دروازہ پر آئے تو بہن پڑھ رہی تھیں طٰهٰ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ إِلَّا تَذْكِرَةً لِمَنْ يَخْشَىٰ۔ اے ماہ کامل ہم نے تیری طرف قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت میں پڑے گر ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

یہ آیت سنتے ہی حضرت عمر کی جان اس کے دقائق کا شکار ہوئی اور ان کا دل اس کے لطائف کی زنجیروں میں قید ہو گیا اور صلح اختیار کی اور ارادہ قتل ترک کر کے مخالفت کی بجائے موافقت کی طرف آئے اور مشہور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ آیت پڑھی گئی۔ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا۔ بے شک ہمارے پاس دوزخ ہے اور کھانا گلا گھونٹنے والا عذاب دردناک ہے۔ یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو پڑھا إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ۔ بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے۔ کوئی اس کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔ تو آپ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ آپ کو اٹھا کر گھر لائے۔ ایک ماہ تک آپ بیمار رہے۔ اس لئے آپ پر خوف خداوندی مسلط رہا۔

روایت ہے کہ ایک صحابی نے عبداللہ بن حنظلہ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ ان کے لئے جہنم کا بچھونا ہے اور ان کے لئے اوپر پردہ ہے۔ آپ نے یہ سنتے ہی رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ راوی کہتا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ ان کی جان

Marfat.com

نکل گئی۔ پھر وہ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے کہا۔ بیٹھ جائیے۔ آپ نے کہا۔ اس آیت کی مصیبت مجھے بیٹھنے نہیں دیتی۔

روایت ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اے ایمان والو کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

آپ نے کہا الٰہی ان قلنا قلنا بک وان فعلنا فعلنا بتوفیقک فاین القول والفعل اے میرے رب اگر ہم کہیں تو تیری ہی توفیق سے کہتے ہیں اور اگر کریں تو تیری ہی توفیق سے کرتے ہیں تو کہاں ہے قول اور فعل۔ حضرت شبلی کی روایت ہے کہ ان کے سامنے واذکر ربک اذا نسیت پڑھی گئی۔ یعنی یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ذکر کی شرط نسیان میں ہے اور سب جہان اس کے ذکر میں ہے۔ پھر آپ نے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو کہا مجھے تعجب ہے اس جان پر جو کلام الٰہی سنے اور نہ نکلے۔

ایک بزرگ نے فرمایا۔ ایک وقت میں کلام اللہ پڑھتا تھا۔ واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ یعنی ڈرو اس دن سے جب تم رجوع کرو گے اللہ کی طرف تو ہاتف غیبی نے پکارا آہستہ پڑھ کیونکہ چار پریاں اس کی مصیبت سے مر گئیں۔

ایک درویش فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سے نماز میں قرآن کریم جواز سے زیادہ نہیں پڑھا اور نہ سنا۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ فرمایا اس خوف سے کہ مجھ پر حجت ہو جائے گی۔

ایک روز میں شیخ ابو العباس شقانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہیں میں نے یہ آیت پڑھتے پایا۔ ضَرَبَ اللّٰہُ عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ۔ مثال دیتا ہے اللہ اس بندہ مملوک کی جو کسی شے پر قادر نہیں۔ اور رو رہے تھے کہ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے گمان کیا کہ شاید دنیا سے رحلت فرما گئے۔ میں نے عرض کیا حضور یہ کیا حال ہے۔ فرمایا گیارہ سال ہوئے کہ میں اس آیت تک آیا ہوں۔ اب اس سے آگے جا نہیں سکتا۔

حضرت ابو العباس عطا سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور نے قرآن کریم کی روزانہ کتنی تلاوت مقرر کی ہے۔ اس سے قبل آٹھ پہر میں دور ختم کرتا تھا۔ اب چودہ سال سے آج تک سورہ انفال تک پہنچا ہوں۔ حضرت ابو العباس نے قصاب قاری کو فرمایا پڑھ۔ اس نے پڑھا یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا و

marfat.com
Marfat.com

اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ۔ اے عزیز ہم کو اور اہل کو ضرر پہنچا اور ہم تھوڑا سا اسباب لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر پڑھ۔ اس نے پڑھا۔ قَالُوْا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔ بولے اگر اس نے چرایا ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف چوری کر چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اور پڑھ۔ اس نے پڑھا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں بخشے گا۔ آپ نے عرض کیا۔ الٰہی میں یوسف کے بھائیوں سے زیادہ ہوں اور تو کرم میں یوسف سے زیادہ ہے۔ میرے ساتھ ایسا کر جیسا یوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا۔

اور بایں ہمہ ہم سب اس کلام پاک کے سننے پر مامور ہیں۔ تمام اہل اسلام خواہ وہ مطیع ہوں یا عاصی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس حکم میں سننا اور چپ رہنا خلقت پر حکم فرمایا۔ اس حال میں جب قرآن کریم پڑھا جائے اور یہ بھی فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔ خوشخبری دے میرے ان بندوں کو جو سنتے ہیں کلام اور اچھی تابعداری کرتے ہیں۔ یعنی اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور تعظیم سے سنتے ہیں اور یہ بھی فرمایا اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔ تو لرزجاتا ہے ان کا دل۔ اور یہ بھی فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوئے خبردار ہو اللہ کا ذکر دلوں کا چین ہے اور ایسی بہت سی آیتیں ہیں کہ اس حکم کی تائید کرتی ہیں۔

پھر اس کے برخلاف وہ گروہ بھی ہے کہ کلام الٰہی کو سن کر کان سے دل کی طرف نہیں جانے دیتا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی۔ ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ پردہ ڈالنے سے مراد گوش سماعت بند کرنا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ جہنمی قیامت کے روز کہیں گے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔

Marfat.com

یعنی اگر ہم ایسے ہوتے کہ سُنتے اور سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔
اور فرمایا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا۔ اور ایک گروہ ان سے وہ ہے جو آپ سے سُنتا ہے اور ہم نے کر دیا ہے ان کے دلوں پر حجاب تاکہ نہ سمجھ سکیں اور ان کے کان بہرے ہیں تو گویا وہ ایسے ہیں جیسے سُنا ہی نہیں۔ اور فرمایا۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ یہ ہی وجہ شکایت ہے یعنی تم ایسے نہ جاؤ جیسا اس گروہ نے کہا کہ ہم نے سُنا حالانکہ انہوں نے نہیں سُنا اور ایسی بہت سی آیتیں ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرمایا اقْرَأْ عَلَيَّ فَقَالَ أَنَا أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي۔ مجھ پر قرآن کریم پڑھ۔ ابن مسعود نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھوں۔ حالانکہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے کسی سے سنوں اور یہ دلیل واضح ہے اس بات پر سُننے والا قاری سے زیادہ کامل ہوتا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا۔ میں غیر سے سُننا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اس لئے کہ پڑھنے والا حال سے پڑھے یا غیر حال سے مگر سُننے والا بغیر حال کے نہیں سُنتا کیونکہ کلام کرنے میں ایک نوع تکبر ہوتی ہے اور سُننے میں تواضع۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ مجھے سورت ہود نے بوڑھا کر دیا۔ اور روایت ہے کہ یہ سورۃ ہود کی اس آخری آیت کے متعلق فرمایا۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ انسان امورِ حقیقت میں حق پر قائم ہونے سے عاجز ہے۔ اس لئے بندہ بغیر توفیقِ حق کچھ نہیں کر سکتا تو جب فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ سُنا تو حیران ہوئے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں اس حکم پر قائم رہ سکوں تو دل کے رنج سے قوت جاتی رہی اور رنج پر رنج آتا بڑھا کہ ایک روز تشریف فرما تھے۔ جب اُٹھنے لگے تو ہاتھ زمین پر ٹیک کر قیام فرمایا۔
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور کیا حال ہے۔ ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com
Marfat.com

جوان ہیں تو فرمایا سورۂ ہود نے ہمیں بوڑھا کر دیا۔ میں اس حکم کے سننے سے میرے دل پر ایسی کیفیت
ہو گئی جیسے قوت ساقط ہو گئی ہو۔

حضرت ابو سعید خدری کے اصحاب سے ایک راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کنت فی عصابۃ فیہا ضعفاء المہاجرین وانّ بعضھم یستتر ببعض من العری وقاری یقرء علینا ونحن نستمع القرآن قال فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قام علینا فلما راٰہ القاری سکت قال فسلم فقال ماذا کنتم تصنعون قلنا یا رسول اللہ قاری یقرء علینا ونحن نستمع بقرائتہ فقال النبی علیہ السلام والحمد للہ الذی جعل فی اُمتی من امرت ان اصبر نفسی معہم قال ثم جلس وسطنا لیعدل نفسہ فینا ثم قال بیدہ ھکذا فتحلق القوم فلم یعرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم احد قال وکانوا ضعفاء المہاجرین فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابشروا صعالیک المہاجرین بالفوز التام یوم القیامۃ تدخلون الجنۃ قبل الاغنیاء بنصف یوم وکان مقدارہ خمس مائۃ عام۔

میں ایک ایسے ضعیف مہاجروں کی جماعت میں تھا کہ اُنھوں نے بعض بدن بعض جسم سے عریانی کے سبب چھپا رکھا تھا۔ اور ان میں ایک قاری پڑھ رہا تھا۔ ہم لوگ اس کی قرأت سن رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ جب قاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ آرائی دیکھی وہ خاموش ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام علیک فرمایا اور پوچھا تم کیا کر رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاری ہمیں قرآن کریم سنا رہا تھا۔ ہم سن رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت میں ایسے آدمی پیدا فرمائے۔ جن کے ساتھ میں صبر کرنے پر مامور ہوا۔ راوی کہتے ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہو گئے۔ پھر دست اقدس کے اشارہ سے ہمیں حلقہ کر کے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم نے حلقہ باندھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ضعیف مہاجروں نے نہ پہچانا کہ سب ضعیف کمزور تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بشارت دو مفلسوں مہاجرین

Marfat.com

کو کامل کامیابی کی قیامت کے روز آدھے دن کے لئے جو پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔ غنی لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ بھی حدیث حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے ہے لیکن باختلافِ الفاظ ہے مگر معنی سب کے ایک ہیں۔

فصل اور زرارۃ ابن اوفیٰ کبار صحابہ سے تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ آپ صحابہ میں امامت فرماتے تھے۔ ایک روز ایک آیت پڑھی اور نعرہ مار کر جان دے دی۔ حضرت جبنی کبار تابعین میں سے تھے۔ صالح مرّی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر ایک آیت پڑھی۔ بیہوش ہوئے اور جاں بحق ہوگئے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ میں کوفہ کے ایک گاؤں میں گیا۔ ایک بڑھیا کو دیکھا نماز میں کھڑی تھیں۔ ان کے آثار نیک ظاہر تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئیں۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب سلام کے بعد پوچھا تو قرآن کریم جانتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا کوئی آیت پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ انھوں نے آیت سن کر ایک آواز نکالی اور بیہوش ہوگئیں اور جان استقبال رویتِ حق کے لئے بھیج دی۔ رحمہا اللہ تعالےٰ احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جا رہا تھا کہ ایک جوان کو دیکھا کہ گدڑی کانٹے دار لئے کنوئیں پر کھڑا ہے۔ مجھے فرمایا۔ اے احمد قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کہ تو بروقت آیا ہے۔ مجھے سماعت کلام کی احتیاج ہے۔

فرماتے ہیں کہ مجھے اس حال میں الہام ہوا کہ یہ آیت پڑھ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ جوان بولا قسم بخدا کعبہ تو نے وہی آیت پڑھی جو اس وقت فرشتے نے مجھے سنائی اور جان دی۔ اور اگر ایسی ایسی سب روایتیں بیان کردیں۔ تو اصل مقصد رہ جائے۔ واللہ الموفق۔

marfat.com
Marfat.com

اکتیسواں باب

سماع شعر اور اس کے متعلقات

شعر سننا مباح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی کہا اور سنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ من الشعر لحکمۃ اور فرمایا الحکمۃ ضالۃ المؤمن وَمَنْ وجدھا فھو احق بھا ۔ کلمۂ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ تو جو اسے پائے تو وہ زیادہ اس کا حقدار ہے اور شعر سے وہ شعر مراد ہے کہ جس میں حکمت ہو اور حکمت چونکہ مومن کی گمشدہ چیز ہے کہ اس سے غائب تھی تو جب اسے پایا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصدق کلمۃ قالتہا العرب قول لبید یعنی سب سے سچا کلام جو عرب کے لوگوں میں کہا وہ لبید کا کلام ہے۔

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل　　　وکل نعیم لا محالۃ زائل

خبردار ہو ہر شئے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔

عمر بن شرید اپنے والد سے راوی ہیں کہ قال استنشدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تری من شعر امیۃ ابی الصلت شیئا فانشدتہ مائۃ قافیۃ فکلما مررت علی بیت قال ھیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاد ان یسلم فی شعرہ ۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر سنانے کا حکم دیا اور فرمایا۔ امیہ بن ابی الصلت کے شعر تجھے یاد ہیں۔ تو میں نے سو قافیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے۔ تو جب میں ایک بیت سے گذرتا تو فرماتے اور سنا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے شعروں میں اسلام لے آتا۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بہت سی روایتیں ہیں۔

Marfat.com

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ میں مغالطہ پر ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ تمام اشعار کا سُننا حرام کہتا ہے اور شب و روز غیبت مسلمانوں کی کرتا ہے اور ایک گروہ سب قسم کے اشعار حلال کہتا ہے اور شب و روز چہرے، زلف خد و خال اور معشوق کی صفت غزل میں سُنتا ہے اور ہر ایک اس بحث میں ایک دوسرے پر دلائل لاتا ہے۔ اور میری مراد ان کے کہنے سُننے سے اثبات نفی ہے۔

مشائخ صوفیہ رضی اللہ عنہم کا اس بارہ میں یہ طریقہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے بارے میں سوال ہوا تو حضور نے فرمایا۔ کَلَامٌ حَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِیْحُهُ قَبِیْحٌ۔ یعنی یہ کلام ہے حسن کلام حسن ہے اور قبیح قبیح ہے۔ جس کا سُننا حرام ہے۔ جیسے غیبت، بہتان، فواحشات، کسی کی مذمت یا کلمہ کفر خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں سب حرام ہے۔

اور جس کلام کا نثر میں سُننا حلال ہے جیسے عقلی باتیں اور نصیحت اللہ تعالیٰ کی قدرت پہ دلائل مشاہداتِ حق میں نظر کرنا۔ یہ نظم میں بھی جائز ہے۔

غرضیکہ جیسے حسن کا دیکھنا جو محل خطر ہو ممنوع ہے۔ اس کا چھونا حرام ہے۔ ایسے ہی نظم و نثر جو مرکب شہوات ہوں و محل خطر ہیں۔ ایسا سُننا حرام ہے اور جو لوگ ایسے فحش مضمون کو حلال کہتے ہیں۔ ان کو دیکھنا اور چھونا بھی حلال کہنا چاہیئے۔ اور ایسی صورت میں یہ بے دینی کفر ہے۔

اور جو کہتا ہے کہ میں آنکھ اور رخسار اور زلف کے بیان میں جلوۂ حق دیکھتا ہوں اور حق کو دیکھتا ہوں اور حق کو ڈھونڈتا ہوں۔ وہ درحقیقت واجب کرتا ہے کہ اور چیز کی طرف بھی دھیان کرے اور رخسار خال بھی اور کہے کہ میں اس جلوہ میں حق ڈھونڈتا ہوں۔

اس لئے کہ آنکھ اور کان جائے عبرت اور منبع علم ہے۔ اس لئے واجب ہے تاکہ دوسرا کہے کہ میں چھوتا ہوں۔ اس شخص کو جس کی صفت سُننا جائز ہے۔ اور دوسرا اس کا دیکھنا روا رکھے اور کہے ہیں اس میں حق دیکھتا ہوں اور ایک خواہش دوسری خواہش سے زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔ جس سے معنی معلوم ہو سکیں۔ ایسی صورت میں شریعت بالکل باطل ہوتی ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ۔ دونوں آنکھیں زنا کرتی

marfat.com

Marfat.com

ہیں قرآن سے نظر بندی کے ماتحت یہ حکم اٹھ جاتا ہے اور نامحرموں کے چھونے کی ملامت قطع ہو جاتی ہے اور حدود شرعا بھی ساقط ہو جاتی ہے اور یہ واضح گمراہی ہے۔

اسی وجہ سے جب جاہل صوفیوں نے دیکھا کہ استغراق میں سماع والے شریک ہوتے ہیں۔ اس حال سے خیال کیا کہ یہ سب نفس کی پیروی میں کرتے ہیں۔ تو یہ حلال ہے۔ اگر حلال نہ ہوتا تو یہ نہ کرتے۔ ان کی تقلید میں انھوں نے باطن ترک کر کے ظاہر کیا اور خود ہلاک ہو کر دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور یہ آفات زمانہ سے ایک آفت ہے۔ اس کا بیان اپنے موقعہ پر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

بتیسواں باب

سماع لحن و نغمہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زَیِّنُوْا اَصْوَاتَکُمْ بِالْقُرْآنِ۔ اپنی آوازیں قرآن کریم پڑھنے میں مزین کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَاءُ بڑھاتا ہے مخلوق میں جتنا چاہے۔ مفسرین نے کہا یہ آواز حسن کے متعلق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْمَعَ صَوْتَ دَاوٗدَ فَلْیَسْتَمِعْ صَوْتَ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ۔ جو چاہے کہ داؤد علیہ السلام کی آواز سنے وہ ابو موسیٰ اشعری کی آواز سنے۔

احادیث میں ہے کہ بہشتیوں کے لئے بھی سماع ہوگا اور وہ ایسا ہوگا کہ ایک درخت سے آوازیں مختلف سروں میں آئیں گی۔ جب وہ مختلف آوازیں ملائی جائیں گی تو اس سے طبیعتوں کو بڑی لذت حاصل ہوگی۔ اور اس قسم کی آواز عام مخلوق میں عام ہوتی ہے۔ خواہ وہ آدمیوں میں ہو یا جانوروں میں۔ اس لذت کا باعث یہ ہے کہ روح لطیف ہے اور اس قسم کی آوازوں میں بھی لطافت

Marfat.com

ہے تو جب روح ایسی آوازیں سُنتی ہے تو جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور یہ اس گروہ کا قول ہے جس کا ذکر ہو چکا اور محققین اہلِ خبر اس میں بہت کلام کرتے ہیں بلکہ سروں کے ملانے، زیر و بم کی تحقیق میں انھوں نے کتابیں لکھی ہیں اور اس فن کو بڑی اہمیت دی ہے اور موجودہ زمانہ میں ان کی صنعت کے آثار مزامیر ہیں، جو انھوں نے ایجاد کئے ہیں۔ ان کے ذریعے وہ خواہش نفسانی، لہو و لعب، کھیل تماشے کی زینت کے لئے انھوں نے شیطان سے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ اس حد تک بڑھ کر روایات بنا کر سُناتے ہیں کہ حضرت اسحٰق ایک باغ میں سرود کر رہے تھے۔ اور ایک بلبل بول رہی تھی۔ وہ آواز سُن کر خاموش ہو گئی اور سُنتی رہی۔ حتیٰ کہ وہ درخت سے گر کر مر گئی۔

میں نے اس قسم کی بہت سی حکایتیں سنی ہیں۔ اس سے میری مراد یہ نہیں کہ یہ جو کہتے ہیں سب واہیات ہیں اور تالیف طبع کے لئے اور الحان دلوں کے لئے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا اور ایک امیر کے مہمان خانے میں اُترا۔ میں نے وہاں ایک حبشی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا دھوپ میں تھا۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کی سفارش کے لئے خیال کیا۔ پھر جب کھانا لایا گیا تو امیر بھی خود مہمانوں کی تعظیم کے لئے آیا تاکہ اپنے سامنے سب کو کھانا کھلائے جب میرے سامنے کھانا آیا۔ میں نے کھانے سے انکار کر دیا اور عرب میں اس سے زیادہ کوئی چیز معیوب نہیں سمجھی جاتی کہ مہمان کھانا نہ کھائے۔ چنانچہ امیر خود میرے پاس آیا اور کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اُسے کہا۔ مجھے تیری مہربانی سے بہت کچھ اُمید ہے۔ امیر نے کہا۔ آپ کو میری تمام ملک میں تصرف کا حق ہے لیکن کھانا کھالو۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے تیری ملک کی ضرورت نہیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ یہ غلام جو پابہ جولاں ہے۔ یہ مجھے دے دیا جائے اور بس۔ اس نے کہا۔ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں لیکن اول اس کا قصور معلوم کر لیجئے۔ پھر جیسے آپ چاہیں وہ کریں۔

میں نے پوچھا تو امیر نے کہا یہ میرا غلام ہے اور نہایت خوش الحان ہے۔ میں نے اسے چند اونٹ دیئے تاکہ یہ کھیتوں میں جا کر دانہ وغیرہ لے آئے۔ اس نے ایک ایک۔ یہ دو دو اونٹ کا بار لاد... راستہ میں گاتا ہوا آیا جس سے اونٹ مست ہو گئے اور دوڑتے ہوئے واپس

marfat.com

Marfat.com

آئے اور جتنا بوجھ لاتا تھا۔ اس سے دو چند بوجھ لے آئے۔ جب اُن سے بوجھ اُتار لیا گیا تو وہ اونٹ ایک ایک دو دو کر کے مر گئے۔

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا۔ میں نے کہا مجھے اس بات پر دلیل کی ضرورت ہے۔ اتنے میں چند اونٹ گھاٹ پر آئے کہ پانی پئیں۔ امیر نے ان اونٹوں کے آدمیوں سے پوچھا کہ یہ کتنے روز سے پیاسے ہیں۔ اُنھوں نے کہا تین چار روز سے پیاسے ہیں۔ امیر نے اس غلام کو کہا کہ اب تو گا کر ان اونٹوں کو مست کر۔ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ اس کی آواز سن کر پانی پینا بھول گئے۔ کسی نے پانی کی طرف رُخ نہ کیا اور دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگے اور پراگندہ ہو گئے۔ اس کے بعد امیر نے غلام کو آزاد کر کے مجھے بخش دیا۔

اور اس قسم کے مشاہدے مجھے بلوچوں میں بھی ہوئے کہ وہ گدھے اور اونٹ لے کر چلتے ہیں اور راستے میں اپنے گانے سے انھیں مست کرتے ہیں۔ اور خراسان و عراق میں شکاری رات کو تھال بجاتے ہیں جس سے جنگل کے ہرن کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ شکاری انھیں پکڑ لیتے ہیں۔

اور مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک گروہ جنگل میں جا کر سرود کرتا ہے اور انواع و اقسام کے راگ گاتا ہے۔ جس سے ہرن اس آواز کی طرف آتے ہیں۔ یہ ان کے گرد پھر کر سرود کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہرن مست ہو کر آنکھیں بند کرتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔ وہ لوگ انھیں پکڑ لیتے ہیں اور شیر خوار بچوں میں یہ دستور ہے کہ جب وہ پالنے میں روتے ہیں تو ان کے پاس ان کی ماں یا کوئی انواع اقسام کی آواز کرتا ہے وہ چپ ہو جاتے ہیں اور اس آواز کے سُننے میں محو ہوتے ہیں۔ اور جو بچہ ایسی آواز پہ روتا ہوا چپ ہو جائے اطبا اس بچے کو زیرک کہتے ہیں۔

اور اس کا تجربہ اس طرح حاصل ہوا کہ ایک عجمی بادشاہ مر گیا۔ اس کا دو سالہ بچہ تھا۔ وزیروں نے اسے تخت نشین کرنا چاہا۔ بزرجمہر نے کہا کہ اسے تخت نشینی سے پہلے امتحان کرنا ضروری ہے کہ اس کے حواس درست ہیں یا نہیں تاکہ نظامِ مملکت کی اس سے اُمید ہو سکے۔ لوگوں نے پوچھا وہ امتحان کیسے کیا جائے۔ اس نے گانے والے بلائے اور اس بچے کے آگے وہ گانے لگے۔ بچہ خوشی میں آیا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ بزرجمہر نے کہا یہ بچہ زیرک ہے۔ اس سے نظامِ مملکت کی اُمید ہے۔

اور عقلاء کے نزدیک جس پر آواز کی تاثیر نہ ہو وہ بے حس ہے یا جھوٹا ہے یا نفاق کرتا ہے یا

Marfat.com

آدمی اور جانوروں کے طبقہ سے خارج ہے۔

اور ایک جماعت راگ سُننے کی اس وجہ میں مخالفت کرتی ہے کہ اس میں امر حق تک پہنچتی نہیں ہے اور فقہا کا اتفاق ہے کہ گانا سُننا اس وقت جائز ہے جب راگ رنگ کا سامان موجود نہ ہو اور آواز سُننے سے بری نیت ظاہر نہ ہو اور اس پر وہ دلائل میں بہت سے اخبار و احادیث لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ قالت کانت عندی جاریۃ تغنی فاستاذن عمر فلما احسہ و سمعت حسّہ فرّت فلما دخل عمر تبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ عمر ما اضحکک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت عندی جاریۃ تغنی فلما سمعت حسک فرت فقال عمر لا ابرح حتی اسمع ما کان سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعا رسول اللہ تلک الجاریۃ فاخذت تغنی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک گانے والی لونڈی گا رہی تھی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جب اس لونڈی نے معلوم کیا اور عمر کی آواز سُنی تو وہ بھاگ گئی۔ جب حضرت عمر داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے۔ حضرت عمر نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے ہنسایا۔ حضور نے فرمایا۔ ہمارے پاس ایک لونڈی گا رہی تھی۔ جب اس نے تمہاری آواز سنی تو بھاگ گئی۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ میں ضرور سنوں گا جو میرے حضور نے سُنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلایا۔ وہ آ کر گانے لگی۔ اور حضور سُن رہے تھے اور اکثر صحابہ کرام سے ایسی روایات بیان کی ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب روایات کو اپنی کتاب السماع میں جمع کیا ہے اور اس کی اباحت کا فیصلہ کیا ہے۔

لیکن مشائخ صوفیہ نے اسے مباح کہنا عوام کا کام بتایا ہے۔ اس لئے اعمال مشائخ میں وہی کام رائج ہے جس سے ثواب اور فائدہ حاصل ہو۔ مباح کاموں میں پڑنا عوام کا ہی کام ہے یا چوپاؤں کا۔ بالغ بندوں کو چاہئے کہ ایسا کام کریں جس سے فائدہ حاصل ہو۔ ایک وقت میں مقام مرو میں تھا ایک محدث نے جو ائمہ حدیث میں مشہور تھے مجھ سے کہا۔ میں نے اباحت سماع میں کتاب لکھی ہے میں نے جواب دیا کہ یہ دین میں بڑی مصیبت کی بات ہے کہ ایک امام نے ایسی لہو کو جو سب جیالتوں

marfat.com
Marfat.com

کی جڑ ہے۔ حلال کرے۔ پھر انھوں نے مجھ سے فرمایا۔ اگر آپ حلال نہیں جانتے تو آپ سماع کیوں کرتے ہیں نے کہا۔ اس کا حکم چند صورتوں پر ہے۔ ایک حال پر منحصر نہیں۔ اگر دل میں حلال تاثیر ہو تو حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہو تو حرام ہے۔ اور اگر مباح کی تاثیر ہو تو مباح ہے۔ اور جس کا ظاہر حکم گناہ ہے اس کے باطنی حال میں کئی وجوہ پر اس کا حکم ہے۔ ایک چیز پر مطلق حکم کرنا محال ہے۔

تینتیسواں باب

احکامِ سماع

اچھی طرح سمجھ لو کہ سماع کے متعلق اختلاف طبائع کے ساتھ علیحدہ علیحدہ حکم ہیں۔ جیسے ارادت کے دلوں پر مختلف حکم ہیں اور یہ ظلم ہے کہ کوئی شخص اسے یکساں سمجھے۔ غرض کہ سننے والے دو گروہ ہیں۔ ایک معنی سننے والے دوسرے آواز سننے والے اور ان دونوں میں فائدے بھی ہیں اور آفات بھی اس لئے کہ خوش آواز سننے سے جو معنی آدمیوں میں مرکب ہوتے ہیں وہ جوش میں آتے ہیں۔ اس کے دو نتیجے ہیں۔ اگر طبیعت میں حق ہو تو حق زور دیتا ہے اور اگر باطل ہو تو باطل جوش مارتا ہے۔ جس کی طبیعت میں مادۂ فساد ہو تو وہ جب سماع کرے گا فساد ہی پیدا ہو گا۔ اور یہ دونوں باتیں حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایتوں سے ظاہر ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا تو آپ کو لحن عطا فرما کر گویا آپ کے گلے کو ساز بنا دیا۔ حتیٰ کہ پہاڑ بھی نرم ہوتے اور وحوش و طیور بھی سماعت داؤد علیہ السلام سے باہر آجاتے اور پانی چلتا ہوا ٹھہر جاتا۔ پرندے ہوا سے گر جاتے

روایات میں ہے کہ آپ کی آواز سن کر پرندے ایک ایک ماہ تک مدہوش ہوتے کہ کچھ نہ کھاتے بچے نہ روتے نہ دودھ مانگتے۔ اور جب خلقت وہاں سے واپس جاتی تو بہت سے آدمی آپ کے

Marfat.com

کلام سے متاثر ہو کر مر جاتے۔ حتیٰ کہ ایک بار تخمینہ لگایا گیا تو سات سو خوبصورت لونڈیاں اور بارہ ہزار بوڑھے مر گئے تھے۔ پھر مشیت حق اس طرف ہوئی کہ حق اور حقیقت نیوش لوگوں سامعین حرص و آز سے جدا کیا جائے۔ چنانچہ شیطان کی بے قراری نے زور پکڑا۔ اور اسے ان کے دلوں میں وسواس التماس ڈالنے کی اجازت ملی۔ تاکہ وہ حیلہ سازی سے جو کچھ کر سکتا ہے کرے۔ تو اس نے جنسری اور طنبورہ کی ترکیب نکالی اور مجلس داؤد علیہ السلام کے مقابل ایک مجلس تیار کی۔

چنانچہ سامعین داؤد علیہ السلام کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک اہل شقاوت جو مزامیر کی طرف مائل ہو گیا۔ دوسرا صرف لحن داؤد کا مشتاق رہا۔ اور جو اہل معنی تھے وہ لحن داؤد کے سوا اور کسی طرف مائل نہ ہوتے۔ اس لئے کہ وہ حق کو ہی دیکھتے تھے اور اگر شیطانی ساز سنتے تو اس میں بجانب اللہ انہیں فتنہ نظر آیا۔ اور جب لحن داؤد سنتے تو اس میں ہدایت حق دیکھتے۔ حتیٰ کہ سب سے رہ گئے اور متعلقات سے رو گرداں ہو کر کماحقہ صواب کو صواب دیکھا اور خطا کو خطا۔ تو جس کا سماع ایسا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے سب اس کو حلال ہے اور ایک گروہ مدعیوں کا کہتا ہے کہ ہم پر سماع کا اثر برخلاف پڑتا ہے اور یہ محال ہے۔ اس لئے کہ کمال ولایت یہ ہے کہ ہر چیز کی اصلیت نظر آئے تاکہ اس کا دیکھنا صحیح ہو اور اگر اس کے برخلاف دیکھے تو وہ دیکھنا درست نہیں۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ الٰہی ہمیں ہر چیز اپنی اصلیت میں دکھا دے۔ تو جب دیکھنا درست ہوا۔ یعنی چیزوں کو مطابق اصل تو چاہیے کہ سماع میں وہ درست ہو اور اسے ایسا سنے جیسا کہ وہ اپنی صفت اور حکم میں ہے اور جو لوگ ساز اور باجے میں مبتلا ہیں اور نفسانی خواہش اور شہوات میں ہیں۔ وہ برخلاف اصلیت کے سنتے ہیں۔ اگر اس حکم کے مطابق اصل سماع کرتے تو سب آفات سے بچے رہتے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ گمراہوں نے کلام الٰہی سنا اور اس سے ان کی گمراہی زیادہ ہو گئی جیسے نضر بن حارث نے کہا ھٰذَا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ یہ پہلے قصے ہیں اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب وحی تھا کہہ بیٹھا۔ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اور ایک گروہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ کو دلیل بنا بیٹھا کہ اس کا دیدار نہیں ہو گا۔ اور ایک گروہ نے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کو مکان اور جہت کا ثبوت۔ اور ایک گروہ نے وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا کو جہت کی دلیل بنایا۔

marfat.com
Marfat.com

جیسا ان کا دل گمراہی کا محل تھا۔ اسے کلام الٰہی سُننے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایسے ہی جب مرتد نے شعر شاعری کی طرف نگاہ کی اور اس کی طبع پیدا کرنے والے کو دیکھا اور اپنے دلوں کو آراستہ کرنے والی چیز کا اس میں مطالعہ کیا اور فاعل فعل پر دلیل کی تو اس گروہ نے حق میں راستہ گم کیا اور باطل میں راستہ پایا اور ان معنیٰ کا انکار ظاہر ہو چکا ہے۔

اور مشائخ رضی اللہ عنہم نے ان معنیٰ میں لطیف کلمات بیان کئے ہیں جو اس کتاب میں نہیں سمکتے۔

فصل میں اس فصل میں ثابت کرتا ہوں تاکہ کامل فائدہ ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں السماع وارد الحق یزعج القلوب الی الحق فمن اصغی الیہ بنفس تزندق ومن اصغی الیہ بحق تحقق۔ سماع واردِ حق ہے اور دلوں کا الٰی کی طرف میلان ہے جو اسے حق سے سُنتا ہے وہ حق کی طرف راستہ پاتا ہے اور نفس سے سُنتا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔ اس سے حضرت ذوالنون کی مراد یہ نہیں ہے کہ سماع علتِ وصلِ حق ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ سُننے والے کو معنی حق سُننے چاہئیں نہ کہ آواز۔ اور اس کا دل ورودِ حق کا محل ہو۔ تو جب وہ معنی دل پر پہنچتے ہیں۔ دل کو ابھارتے ہیں۔

اور جو سماع تابع حق ہو وہ مکاشفِ حق ہوتا ہے اور جو نفس کے تابع ہو وہ محجوب ہوتا ہے۔ تاویل سے تعلق پیدا کرتا ہے اس کا ثمر کشف ہوتا ہے اور اس سماع سے پردہ لیکن زندقہ ایک فارسی لفظ سے معرب کیا گیا ہے اور عجمی زبان میں زندقہ زند تاویل ہے اور اس سبب سے انھوں نے اپنی کتاب کی تفسیر کو زند و پاژند کہا ہے۔ اور جب اہل لغت چاہتے ہیں کہ ابنا مجوس کو کسی نام سے ظاہر کریں تو زندیق کہتے ہیں۔

اس بنا پر وہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ مسلمان کرے اس کے لئے تاویل ہے۔ اس لئے کہ اس کا ظاہر نقص ہے اور تنزیل دیانت دار قول ہے اور تاویل اس سے باہر ہے۔ اور مشتبہ فقیر جو آج ان میں سے باقی ہیں یہی کہتے ہیں اور یہ زندیق نام ان کے لئے علم ہے۔ تو اس سے ذوالنون مصری کی مراد یہ ہے کہ اہل تحقیق سماع محقق ہوتے ہیں اور نفسانی لوگ تاویل کنندہ۔ تو جو اس کی تاویل حقیقت سے دور کرتے ہیں وہ اس سبب سے گنہگار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ السّماع ظاھرہٗ فتنۃٌ و باطنہٗ عبرۃٌ فمن عرف الاشارۃ حل لہ استماع العبرۃ والافقد استدعی الفتنۃ وتعرض للبلیۃ سماع بظاہر فتنہ ہے اور بباطن عبرت جو اس کے اشارات کا فہم حاصل کرلے۔ اس کے لئے سماع عبرت حلال ہے۔ ورنہ وہ فتنہ اپنے لئے بلا رہا ہے اور بلاؤں کے لئے اپنے کو پیش کر رہا ہے۔ یعنی جس کا دل بالکل حدیث حق میں مستغرق نہیں اس کے لئے سماع بلا ہے اور وہ مورد آفات ہے۔

حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ جبکہ ایک شخص نے کہ کر سماع سے پوچھا لیتنا تخلصنا منہ راسًا براس۔ کاش کہ ہم اس سماع سے سر بسر چھوٹ جاتے اس لئے کہ آدمی سب چیزوں کے حق ادا کرنے میں عاجز ہے جب کسی چیز کا حق فوت ہوجائے تو بندہ اس میں اپنا قصور دیکھتا ہے اور جب اپنا قصور دیکھتا ہے تو آرزو کرتا ہے کہ کاش اس سے چھوٹ جائے۔

ایک شیخ فرماتے ہیں السماع تنبیہ الاسرار لما فیہ من المغیبات سماع بیدار کرتا ہے باطن سے اور لازم کرتا ہے کہ اس سے ہمیشہ حق کی جانب حاضر ہوجائے۔ اس لئے کہ رازوں کا غائب ہونا مدعیوں کے حق میں برا ہے اور یہ ان کی بری صفتوں سے ہے۔ اس لئے کہ اگر دوست دوست سے غائب ہو تو بھی دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غیبت آئے تو دوستی جاتی رہے۔ یہی میرے شیخ نے فرمایا ہے السماع زاد المضطرین فمن وصل استغنی عن السماع۔ سماع تھکے ماندوں کا توشہ ہے۔ جب پہنچ گیا اسے سماع سے استغنا حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وصل کے محل میں سماعت معزول ہوتی ہے کیونکہ سماع خبر ہے اور خبر غائب سے ہوتی ہے اور جب روبرو ہوگیا تو سننا جاتا رہا۔

حضری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایش اعمل بالسماع ینقطع اذا انقطع ممن یسمع منہ ینبغی ان یکون سماعک متصلا غیر منقطع۔ میں سماع کو کیا کروں کہ جب سننا بند ہوجاتا ہے تو سماع بھی بند ہوجاتا ہے اور چاہئے کہ یہ تیرا سماع متصل ہو اور کبھی بند نہ ہو اور ہمت کا نشان اجتماع ہے۔

جب گلستان محبت میں جمع ہو کیونکہ جب بندہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے تو سب جہان حتی کہ جماد تک سب اس کے لئے سماع ہوجاتے ہیں اور بہت بڑا درجہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

marfat.com

Marfat.com

چونتیسواں باب

اختلافِ سماع

مشائخ و محققان کے اندر سماع میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع آلۂ غیب ہے اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ بحالتِ مشاہدہ سماع محال ہے۔ کیونکہ دوست وصل کے محل میں اور دوست کے دیکھنے کے وقت سماع سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سماع خبر کے واسطے ہے اور خبر دیدار کے وقت دوری اور حجاب اور مشغول ہوتی ہے تو سماع مبتدیوں کا آلہ ہے۔ اس سے غفلت اور پراگندگی جمع ہو جاتی ہے اور جو جمع ہونا ضرور ہوا اس سے پراگندہ ہو جاتا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع آلۂ حضور ہے اس لئے کہ محبت میں کلیت درکار ہے تاکہ کل محب کا کل محبوب میں مستغرق نہ ہو۔ وہ محبت میں ناقص ہے تو جیسا کہ دل کو وصل کے محل میں محبت نصیب ہے اور سر میں مشاہدہ اور روح کو وصل اور تن کو خدمت۔ تو چاہیئے کہ کان کا نصیب بھی ہو جائے جیسے آنکھوں کو دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ کسی شاعر نے ہزل کے محل میں خوب کہا ہے جب کہ اس نے شراب کی دوستی کا دعویٰ کیا ہے ؎

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر   ولا تسقنی سرا اذا امکن الجھر

یعنی مجھے شراب دے تاکہ میری آنکھیں دیکھیں اور ہاتھ چھوئیں اور زبان چکھے اور ناک سونگھے۔ ایک حاسہ ان میں سے بے نصیب رہ جاتا ہے اور وہ کان ہے تو اب کہے جا یہ شراب ہے تاکہ کان بھی اپنا حصہ پائے تاکہ تمام حواس میرے اس میں ہوں اور اس سے لذت پائیں۔

کہتے ہیں کہ سماع آلۂ حضور ہے۔ اس لئے کہ غائب خود غائب ہے اور غائب خود منکر ہوتا ہے اور منکر اس لائق نہیں ہوتا۔

تو سماع دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک بالواسطہ دوسرا بلا واسطہ۔

Marfat.com

جو سنانے والے سے سنا جائے وہ آلہ غیبت ہوتا ہے اور جو یار سے سُنا جائے وہ حضور کا آلہ ہوتا ہے۔ اس سبب سے کسی پیر نے کہا۔ میں مخلوق کو اس درجہ نہیں جانتا کہ ان کی بات سنوں یا اس کا ذکر کروں۔ مگر خاصان حق اس درجہ میں ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

پینتیسواں باب

مقاماتِ سماع

جاننا چاہیئے کہ ان میں سے ہر ایک کا سماع میں ایک رتبہ ہے۔ اس لئے کہ مشرب اور ذوق سماع بمقدار مرتبہ ہوتا ہے جیسے تائب جو کچھ سُنتا ہے اس کو حسرت اور ندامت کا مددگار ہوتا ہے اور مشتاق کے لئے شوق اور رویت کا سرمایہ ہوتا ہے۔ اور صاحب یقین کو یقین کا درجہ ہوتا ہے اور مرید کے لئے بیان کی تحقیق اور محب کو قطع تعلقات کا باعث اور فقیر کے لئے کل سے ناامیدی اور اصل سماع مثل آفتاب ہے جو سب چیزوں پر روشن ہوتا ہے۔ لیکن ہر چیز اپنے مرتبہ کے موافق اس سے مزہ پاتی ہے۔ ایک کو روشن کرتا ہے ایک کو پگھلا دیتا ہے۔ ایک کو منور کرتا ہے۔ یہ سب گروہ جو ہم نے بیان کئے تین مرتبہ میں ہیں۔ ایک ان میں سے مبتدی ہے دوسرا متوسط ہے۔ تیسرا کامل۔ اور میں ان میں ہر ایک کے حال میں تین فصل بیان کرتا ہوں تاکہ تیرے قریب الفہم ہو۔

فصل جاننا چاہیئے کہ سماع واردِ حق ہے۔ اس کی ترکیب ہزل و لہو سے مرکب ہے اور مبتدی کی طبیعت کسی حال میں قابلِ ذکر نہیں اور ان ربانی معنی کے وارد ہونے سے طبع کو سوز اور قہر سے بلندی اور پستی ہوتی ہے۔ جیسے کہ ایک گروہ کے لوگ سماع میں بیہوش ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو حد اعتدال سے باہر نہ

marfat.com
Marfat.com

جائے اور اس کے لئے دلیل ظاہر ہے۔ اور مشہور ہے کہ روم کے شفاخانہ میں ایک عجیب باجہ بنایا گیا ہے جسے انگلیون کہتے ہیں اور جس چیز میں کوئی بڑی عجیب بات ہو۔ اس کا نام روم والے انگلیون رکھتے ہیں۔ جیسے کتاب وحی کو انگلیون کہتے ہیں اور مانی کی نقاشی کو بھی انگلیون کہتے ہیں اور مثل اس کے مظاہر حکمت پر ایسے نام لاتے ہیں۔ اور اس سے مراد اظہار حکم ہے۔ بلکہ وہ ایک ساز ہے کمال سے منڈھا ہوا۔ ہفتہ میں دو بار مریض کو اس کے پاس لے جاتے ہیں اور اسے بجاتے ہیں اور بیمار کے مرض کے اندازے تک اُسے بجاتے ہیں۔ پھر اُسے وہاں سے لاتے ہیں۔ اور جب کسی کو مارنا چاہیں تو اسے زیادہ مدت تک وہاں رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی مدتیں مقرر ہیں لیکن موت کے اسباب ہوتے ہیں۔ چنانچہ طبیب ہمیشہ سنتے ہیں۔ ان میں اس کا اثر ہوتا ہے نہ ہونا چاہیے۔

اس لئے کہ وہ طبیعت کے موافق ہو گیا ہوتا ہے اور مبتدیوں کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے اور میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے اس کی زندگی اس زہر سے ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام کا تمام زہر ہوتا ہے۔

میں نے ترکستان میں ایک شہر دیکھا جو سرحد اسلامی پر ہے۔ وہاں ایک پہاڑ آتش فشاں تھا جو آگ کے شعلے دے رہا تھا۔ اور اس کے پتھروں سے نوشادر جوش مار کر ابل رہا تھا اور اس آگ میں چوہے تھے۔ جب انہیں اس آگ سے باہر لایا جائے تو وہ مر جاتے تھے۔ اس بیان سے مراد صرف یہ ہے کہ مبتدیوں کے لئے یہ سب اضطراب ہوتا ہے۔ جب ان پر وارد حق کا حلول ہو جاتا ہے تو پھر سب برداشت ہوتا ہے۔ جب متواتر کسی پر کوئی معاملہ ہو تو وہ موجب سکون ہو جاتا ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ روح الامین جب پہلی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تاب نہ لائے۔ جب بار بار جلوہ افروز ہوئے تو پھر جبریل علیہ السلام اگر ایک ساعت نہ آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنگدل ہو جاتے۔ اس کے بہت سے شواہد ہیں اور یہ حالات بھی مبتدیوں کے اضطراب کی دلیل ہیں اور منتہیوں کے سماع میں سکون کی حجت۔

اور مشہور ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ کا ایک مرید تھا کہ سماع میں بہت بیقرار ہوتا اور درویش اس کی طرف مشغول ہوتے۔ حتیٰ کہ شیخ سے اس کی شکایت کی جنید نے اسے فرمایا۔ اگر

Marfat.com

اس کے بعد تو سماع میں بیقرار ہوا تو میں تجھے صحبت سے مشرف نہ کروں گا۔ ابو محمد جریری فرماتے ہیں کہ میں سماع میں حضرت جنید کی طرف دیکھتا تھا۔ لب بند اور خاموش تشریف فرماتے اور آپ کے بدن پر ہر بال سے چشمہ کھلا ہوا ہے۔ آپ ایک روز کامل ویسے ہی بیہوش پڑے رہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ سماع میں زیادہ درست تھے۔ یا پیر کی حرمت زیادہ تھی۔ کہتے ہیں ایک مرد نے سماع میں نعرہ مارا۔ پیر نے فرمایا۔ چپ رہ۔ اس نے سر گھٹنے پر رکھا۔ جب دیکھا تو انتقال کر چکا تھا۔

اور ابو مسلم فارس بن غالب فارسی سے میں نے سنا کہ ایک درویش سماع میں اضطراب کر رہے تھے۔ ایک نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھتے ہی انتقال کر گئے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا اس نے سماع میں جان دے دی اور دقی دراج سے راوی ہیں کہ میں ابن الفرطی کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے پر بصرہ اور ابلہ کے درمیان جا رہا تھا۔ ایک محل پر پہنچا۔ اس کے دروازے پر ایک مرد بیٹھا ہوا تھا اور ایک لونڈی اس کے سامنے بیٹھی تھی جو سرود کر رہی تھی اور یہ بیت پڑھ رہی تھی۔

فی سبیل اللہ ودًّا کان منی لک ابتل　　　کل یوم تبتلون غیر ھذا بیدل اجمل

میری دوستی جو تجھ سے فی سبیل اللہ تھی مرے ساتھ بدلا کرے۔ اور ہر روز تو مبتلا ہوتا ہے کہ زیادہ اجمل ہے۔ اور ایک نوجوان کو دیکھا کہ محل کے نیچے کھڑا ہے۔ گدڑی اس کے جسم پر ہے اور چھاگل ہاتھ میں اور پکار رہا ہے۔ اے کنیزک تجھے خدا کی قسم یہ شعر ایک بار اور سنا دے۔ میری زندگی میں ایک سانس زیادہ نہیں ہے۔ شاید اس شعر کے سنتے ہی دم نکل جائے۔ کنیز نے وہ شعر پڑھا اور اس جوان نے نعرہ مارا اور جان دے دی۔ محل کے مالک نے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ اور محل سے نیچے اترا۔ اور اس نوجوان کی تجہیز و تکفین کی اور بصرہ کے تمام رہنے والوں نے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ پھر وہ پیر مرد صاحب محل نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے بصرہ والو۔ میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے اپنی تمام ملکیت فی سبیل اللہ وقف کی اور سب غلام آزاد کئے۔ یہ کہا اور وہاں سے چل دیا۔ پھر اس کی خبر کسی کو نہ ملی۔

اس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مرید کو غلبہ سماع میں ایسا حال چاہئے تاکہ اس کے سماع سے گناہگار گناہوں سے نجات پائیں۔ اور موجودہ زمانہ میں مجالس سماع یہ ہیں کہ گمراہوں کا گروہ

marfat.com
Marfat.com

فاسقوں کا مجمع اس میں شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ حق طریق سے سماع کرتے ہیں۔ فاسق لوگ ان پیروں کو اپنے موافق پاکر گناہوں پر زیادہ حریص ہو جاتے ہیں اور آخر دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔

لوگوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر ہم عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کلیسا جائیں تو جائز ہے یعنی اس ارادہ سے وہاں جائیں کہ ان کی ذلت اور کم فہمی دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اپنی نعمت اسلام پر شکر کریں تو پھر اس میں ہمارا مواخذہ تو نہ ہوگا۔ شیخ نے فرمایا۔ اگر تم ایسے ہو کہ وہاں جاکر واپس آتے ہوئے ان میں سے چند آدمی اپنے ساتھ لا سکو تو تمہارے جانے میں مضائقہ نہیں اور اگر تم اس قابل نہیں ہو تو ہرگز نہ جاؤ۔ اس نے کہا اگر صاحب حجرہ شراب خانہ میں جاتا ہے تو خراباتی کہلاتا ہے اور خراباتی حجرہ میں آتا ہے تو صاحب حجرہ کہلانے لگتا ہے۔

ایک بزرگ شیخ نے فرمایا کہ میں بغداد جا رہا تھا اور ایک درویش میرے ساتھ تھا۔ میں نے ایک گویّے کی آواز سنی جو یہ شعر گا رہا تھا۔

منى ان تكن حقا تكن احسن المنى　　　والا فقد عشنا بها زمنا رغدا

جب سماع راستی سے ہو تو سب آرزوؤں سے بہتر ہے۔ ورنہ یقیناً ہم نے سماع میں زندگی ہی گذاری ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ایسا ہی حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش دیکھا کہ وہ گانے والے کی آواز میں محو تھا۔ میں نے بھی اس طرف کان لگائے تو وہ یہ شعر گا رہا تھا ؎

امدّ كفى بالخضوع　　　الى الذى جاد بالصنيع

جس نے راگ سننے میں سخاوت کی اس کے پاس ترنج بھی کافی ہے۔ اس درویش نے نعرہ مارا اور گر پڑا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو اسے مردہ پایا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص کے ساتھ راستہ میں جا رہا تھا۔ ایک پہاڑ پر میرے دل میں طرب و خوشی محسوس ہوئی۔ میں نے یہ شعر پڑھے ؎

صح عند الناس انى عاشق　　　غير ان لم يعرفوا عشقى لمن

ما ليس فى الانسان شىء حسن　　　الا واحسن منه صوت حسن

لوگوں میں صحیح ہے کہ میں عاشق ہوں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ میں کس کا عاشق ہوں۔ انسان میں کوئی

Marfat.com

شے اچھی نہیں۔ لیکن اس میں ایک آواز خوب ہے۔

مجھے حضرت ابراہیم خواص نے فرمایا۔ یہ رباعی پھر پڑھ۔ میں نے پھر پڑھی۔ آپ نے چند قدم وجد سے زمین پر مارے۔ میں نے جب دیکھا تو آپ کے قدم پتھر میں ایسے دھنسے ہوئے تھے جیسے موم میں پھر آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا۔ میں بہشت میں تھا اور تو نے مجھے نہ دیکھا۔ اس قسم کی حکایتیں کتاب کی گنجائش سے بہت زیادہ ہیں۔ میں نے اپنے سامنے ایک درویش کو آذربائیجان کے پہاڑوں میں جاتا دیکھا اور وہ متفکر ہو کر یہ بیت پڑھ رہا تھا اور زار زار رو رہا تھا ؎

واللہ ما طلعت شمس ولا غربت	الا وانت من قلبی ووسواسی
ولا جلست الی قوم احدثہم	الا وانت حدیثی بین جلاسی
ولا ذکرتک محزوناً ولا طرباً	الا وحبک مقرون بانفاسی
ولا ھممت بشرب الماء من عطش	الا رأیت خیالاً منک فی الکاس
فلو قدرت علی الاتیان لزرتکم	سحبا علی الوجہ او مشیا علی الراس

خدا کی قسم کوئی ایسا دن یا رات نہیں ہوئی۔ مگر تیری دھن مجھے لگی ہوئی ہے اور میں کسی قوم میں باتیں کرنے نہ بیٹھا۔ مگر ہم نشینوں میں تیرا ہی ذکر کرتا ہوں۔ اور میں نے غم یا خوشی میں تجھے یاد نہ کیا۔ مگر تیری محبت میرے ہر سانس میں موجود رہی اور میں نے پیاس میں کبھی پانی پینے کا ارادہ نہ کیا۔ مگر پیالہ میں تیری خیالی تصویر تھی۔ اگر میں قادر ہوتا تیری ذات پر۔ تو سر کے بل حاضر ہوتا یا چہرہ رگڑتا ہوا پہنچتا۔

یہ اشعار پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر تغیر ہوا۔ تھوڑی دیر وہ پتھر کے سہارے سے بیٹھا اور جان دے دی۔

فصل

اور مشائخ کے ایک گروہ نے قصائد اور اشعار اور قرآن مجید کا بالحان سننا اور ایسے الحان میں پڑھنا مکروہ کہا ہے جو اس کی حد سے نکل جائے اور اس طرح گانے سے مریدوں کو ڈرایا ہے اور خود اجتناب کیا ہے اور ممانعت میں مبالغہ کیا ہے۔

اور یہ چند گروہ ہیں اور ہر گروہ کے لئے اس میں علت اور وجہ ہے۔ ایک گروہ وہ ہے کہ اس طرح گانے پر حرام کی روایتیں دی ہیں اور گذشتہ لوگوں کے اتباع میں ان کے مقلد ہوئے ہیں۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کنیز شیریں کو سرود کرنے سے منع فرمانا

marfat.com

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو جو سرود کر رہا تھا دُرّے مارے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گانے والی کنیزکوں سے روکا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حبشیہ حبشیہ کے دیکھنے سے منع کیا گیا اور فرمایا وہ شیطان کی ہمنشیں ہے اور مثل اس کے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری بڑی دلیل غنا کی کراہت پر اجماع اُمت ہے۔ ہمارے زمانہ میں اور ہم سے پہلے لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ غنا مکروہ ہے حتیٰ کہ ایک گروہ اسے حرام کہتا ہے۔

اور اس قسم کے اقوال حضرت ابوالحارث بنانی سے منقول ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ایک قول ہے کہ فرماتے ہیں۔ میں سماع میں اس حد تک تھا کہ ایک رات ایک شخص میرے حجرہ کے دروازہ پر آیا اور کہا طالبان حضور حق کی جماعت جمع ہے اور ابوالحارث کی زیارت کی مشتاق ہے۔ میں نے کہا چلو اور باہر آیا۔ میں ابھی کچھ دیر اس کے پیچھے چلا تھا کہ ایک جماعت کے پاس پہنچا جو حلقہ باندھے بیٹھی تھی۔ ان کے درمیان ایک ضعیف العمر تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے میری تعظیم کی اور مجھ سے اجازت مانگی کہ چند بیت پڑھیں۔ میں نے اجازت دی۔

وہ خوش الحانی سے بیت پڑھنے لگے جس کا مضمون فراق کا شکوہ تھا۔ اتنے میں سب وجد کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور نعرے مارنے لگے۔ اور لطیف اشارے کر رہے تھے۔ میں ان کے حال پر تعجب کرتا تھا۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر اس ضعیف العمر نے مجھ سے کہا۔ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں اور یہ اہل حلقہ کون ہیں۔ میں نے کہا تیرا اقبال مجھ سے سوال سے روکتا ہے۔

اس نے کہا میں عزازیل ہوں جسے اب ابلیس کہتے ہیں اور یہ سب میرے بچے ہیں اور اس طرح بیٹھنے اور غنا کرنے میں مجھے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ میں خود مصیبت فراق میں ہوں اور خوش نصیبی کا زمانہ یاد کرتا ہوں۔ دوسرے پارسا لوگوں کو اس طرح گمراہ کر لیتا ہوں اور انھیں غلطی کا شکار کر لیتا ہوں حضرت ابوالحارث بنانی فرماتے ہیں اس وقت سے میرے دل سے سماع کا خیال جاتا رہا۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ میں نے شیخ امام ابوالعباس اشقانی سے سُنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک دن میں ایک مجلس میں تھا۔ ایک گروہ سماع کر رہا تھا۔ میں نے ان کے مابین شیاطین دیکھے کہ ناچ کر رہے تھے اور اس جماعت کی طرف توجہ کرتے تھے۔ یہ حلقہ اس سے گرم ہوتا تھا۔

دوسرا گروہ اس خوف سے کہ مرید بیہودگی اور بلا میں مبتلا نہ ہوں اور ان کا عقیدہ برباد اور توبہ

Marfat.com

ترک کر کے گناہ کی طرف رجوع نہ کریں اور خواہش نفسانی ان میں قوی نہ ہو جائے اور ہوس کا ارادہ ان کی صلاحیت فسخ نہ کر دے۔ کیونکہ وہ محل بلا اور سرمایۂ فساد ہے اور سماع میں مشغول نہ ہو جائیں۔ ان میں نہ بیٹھے۔

اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے مرید کو استغفار توبہ کے وقت کہا کہ اگر تو اپنا ایمان سلامت چاہتا ہے اور توبہ کی رعایت کرنا چاہتا ہے تو اس سماع سے جو صوفی کرتے ہیں منکر ہو جا اور اپنے کو اہل سماع سے نہ سمجھ۔ جب تک تو جوان ہے اور جب بڑھا ہو جائے تو اپنے گناہوں پر ملامت کر۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل سماع کے دو گروہ ہیں۔

ایک لاہی۔ دوسرا الہٰی۔

لاہی تو عین فساد ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہے۔

اور الہٰی مجاہدات و ریاضات کے انہماک میں مخلوقات سے دل قطع کئے ہوئے اور موجودات سے روگرداں اور فتنوں کو اپنی ذات سے دور رکھے ہوئے ہیں۔ اور اس قسم کی جماعت سے بے غم ہیں نہ ہی کامیاب ہیں۔ پھر ہم نے اس گروہ میں دیکھا تو ہمیں ان کی ترکیب اچھی نظر آئی اور اس چیز سے جو ہمارے وقت کے موافق ہے مشغول ہونا اچھا معلوم ہوا۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ جب سماع میں عام فساد ہے اور ہمارے سننے سے عوام کا اعتقاد پراگندہ ہوتا ہے اور ہماری وجہ سے عوام اس سے حجاب میں ہیں اور ہمارے ہی سبب سے گناہگار ہوتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ عوام پر شفقت کریں اور خواص کو نصیحت کریں تاکہ وہ اسے ترک کر دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اغیار کو نصیحت ہو جائے گی اور اس فتنہ کو مٹانے کے لئے یہ طریق کافی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ اسلام میں انسان کی خوبی یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دے جن کا نتیجہ کچھ نہ ہو اور اسے اختیار کرے جو ضروری ہے اور بیہودہ بات میں مشغول ہونا تضیع اوقات ہے اور دوستی کے ساتھ کہ دوست کا وقت عزیز ہوتا ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہئے اور دوسرے خاص گروہ نے کہا ہے کہ سماع خبر ہے اور اس کی لذت مراد کا حاصل کرنا اور یہ بچوں کا کام ہے۔ ظاہر میں خبر کی کیا قدر ہے تو مشاہدہ کا کام ہی رکھنا چاہئے۔ یہ ہیں احکام سماع کہ ہم نے مختصر بیان کئے۔ اب وجد اور وجود اور تواجد پر ایک باب مرتب کیا گیا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

marfat.com

Marfat.com

چھتیسواں باب

وجد، وجود، تواجد

جاننا چاہئے کہ وجد اور وجود مصدر ہیں۔ ایک کے معنی غم ہیں اور دوسرے کے معنی پانا ہیں جب دونوں کا فاعل ایک ہوتا ہے تو ان میں مصدر کے سوا فرق نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہتے ہیں وَجَدَ یَجِدُ وُجُوداً وَوِجداناً اس میں معنی پالینے کے ہیں اور وَجَدَ یَجِدُ وَجْداً کہیں گے تو اندوہگیں ہونے کے معنی ہوں گے۔ اور جب وَجَدَ یَجِدُ جِدَۃً کہیں گے تو تونگر کے معنی لئے جائیں گے اور وَجَدَ یَجِدُ مَوْجُوْدَۃً جب غصہ میں ہوتا ہو۔

ان سب کا فرق مصدروں سے معلوم ہوتا ہے۔ فعلوں میں فرق نہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرق ان کا مصادر سے ہے نہ کہ افعال سے اور مراد اس گروہ کی وجد اور وجود سے اثبات دو حال کا کرنا ہے۔ جو بحالتِ سماع ان میں پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک قرین غم ہوتا ہے اور دوسرا حصول مراد سے کامیاب ہوتا ہے اور اندوہ کی حقیقت محبوب کا گم ہونا اور مراد سے رُک جانا ہے اور پانا حصولِ مراد ہے اور حزن اور وجد میں یہ فرق ہے کہ حزن اس غم کا نام ہے جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو غیر کے نصیب محبت کی وجہ پر ہو اور یہ سب تغیرات طالب کی صفات ہیں والحق لا یتغیر۔ اور حق نہیں بدلتا۔ اور وجد کی کیفیت عبارت سے بیان نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ ایک الم ہے اور دیکھنے کے بعد الم کو قلم سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تو وجد طالب و مطلوب میں ایک راز ہوتا ہے جس کا بیان کشفِ غیب میں ہوتا ہے اور کیفیت سے وجود نشان ہے اور اشارہ کا اس میں دخل نہیں کیونکہ یہ بحالتِ مشاہدہ خوش ہے اور خوشی طلب سے نہیں ملتی اور وجود ایک فضیلت ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے اور اس میں اشارہ کو دخل نہیں۔

اور میرے نزدیک وجد الم قلبی ہے۔ خواہ وہ خوشی سے ہو یا غم سے یا تکلیف یا آرام سے

Marfat.com

اور وجود دل سے غم کا ازالہ ہے اور اس سے پی محبت مراد ہوتی ہے اور واجد کی صفت یہ ہے کہ حالت
حجاب بوجہ شوق کے سبب حرکت میں آئے۔ ایسے حال میں کہ اس پر کشف ہو۔ اِمَّا زَفِیْرٌ وَ اِمَّا
نَفِیْرٌ وَ اِمَّا حَنِیْنٌ وَ اِمَّا اَنِیْنٌ اِمَّا عَیْشٌ وَ اِمَّا طَیْشٌ اِمَّا کَرْبٌ وَ اِمَّا طَرَبٌ یعنی ٹھنڈے
سانس لینا یا چلانا، رونا یا زاری غم میں کرنا۔ خوشی یا غصہ کرنا۔ رنج یا فرحت کا مظاہرہ کرنا۔

اس میں مشائخ مختلف ہیں کہ وجد کامل ہے یا وجود۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وجود صفت مریدین کی ہے اور وجد صفت عرفا ہے۔ جب عارفوں کا درجہ مرید سے بلند ہے لازمی ہے کہ ان کا وصف ان سے کامل تر ہو۔ اس لئے کہ جو چیز دریافت کے تحت میں آئے وہ گھری گئی اور وہ صفت جو جنس ہے وہ ادراک ہے بالا اور ظاہر ہے کہ ادراک حد کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات حد سے بالا و برتر ہے تو بندہ نے جو کچھ پایا وہ مشرب ہے اور جو نہ پایا اس کا طالب ہے اور یہاں طلب منقطع اور طالب عاجز اور واجد کو اس حقیقت حق کا طالب کہا جا سکتا ہے اور اگر کہیں کہ وجد مریدوں کے سوز کا نام ہے اور وجود تحفہ محبان ہے اور محبوں کا درجہ مریدوں سے بلند ہوتا ہے تاکہ تحفہ سے کامل آرام حاصل ہو اور سوز میں طلب کا درجہ کم ہے اور یہ معنی ایک حکایت کے بغیر واضح نہ ہوں گے اور وہ حکایت یہ ہے۔

ایک روز حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ غلبۂ حال میں حضرت جنید کی خدمت میں آئے اور آپ کو غمناک پایا۔ پوچھا۔ اے شیخ کیا بات ہے۔ جنید نے فرمایا۔ من طلب وجد جس نے ڈھونڈا پایا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا۔ حضرت من وجد طلب صحیح ہے جس نے پایا اس نے طلب کیا۔ پھر مشائخ نے اس میں بیان کیا ہے کہ شبلی نے یہ اس لئے کہا کہ وجد سے ایک نشان دیا۔ دوسرے نے وجود کی طرف اشارہ کیا۔ میرے نزدیک حضرت جنید کا قول معتبر ہے۔ اس لئے کہ جب میں نے پہچانا کہ معبود ہماری جنس سے نہیں تو اسے غم زیادہ ہوتا ہے اور اس کے متعلق اس کتاب میں ذکر ہو چکا اور مشائخ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کہ سلطان کا علم سلطان وجد سے زیادہ قوی ہونا چاہئے اس لئے کہ جب سلطان وجد قوی ہے تو درجہ محل خطر میں ہوتا ہے اور جب سلطان علم قوی ہوتا ہے تو علم محل امن میں ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے یہ مراد ہے کہ ہر حال میں چاہئے کہ طالب علم اور متبع شرع ہو کیونکہ جب وجد میں مغلوب ہوتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ گیا تو ثواب و عذاب اٹھ گیا۔ اور جب ثواب و عذاب جاتا رہا۔ عزت اور اہانت بھی جاتی رہی۔ اس وقت اس کا

marfat.com
Marfat.com

حکم دیوانوں کا حکم ہوتا ہے۔ اولیاء و مقربین کا ان پر حکم نہیں ہوتا جب علم کی سلطنت حال کی سلطنت پر غالب ہوئی تو بندہ امر و نہی کی پناہ میں آیا اور عزت کے خیمہ میں پردہ نشین اور ہمیشہ مشکور ہوتا ہے

پھر جب سلطانِ حال سلطانِ علم پر غالب ہوتا ہے تو بندہ صعقل سے باہر ہو جاتا ہے اور اپنے محلِ نقص میں خطاب سے محروم رہتا ہے۔ اس حال میں معذور ہوتا ہے یا معزور۔ بعینہٖ یہی حضرت جنید کا قول ہے جو انھوں نے فرمایا کہ راستے دو ہیں۔ ایک علم سے ایک عمل سے۔ جو عمل بے علم ہو اگرچہ اچھا ہو مگر جہالت اور نقص ہوتا ہے۔ اور علم اگرچہ بے عمل ہو عزت اور شرف ہوتا ہے۔

اسی وجہ میں حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کفر اھل الھمۃ اشرف من اسلام اھل المنیۃ اہلِ ہمت کا کفر اشرف ہے کہ وہ کفران صورت پذیر نہیں ہوتا لیکن اگر فرض کریں تو اہلِ ہمت کا کفر اہلِ نیت کا ایمان سے بہتر ہے۔ اور جنید رحمۃ اللہ علیہ نے شبلی کو فرمایا الشبلی سکرانٌ ولو افاق من سکرہ لجاء منہ منذر ما ینتفع بہ شبلی مستی میں ہے اگر ہوش میں ہوتا تو البتہ ایسا منذر ہوتا جس سے کوئی نفع نہ پاتا۔

مشہور حکایتوں میں ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن مسروق اور ابو العباس بن عطا ایک جگہ جمع تھے اور ایک قوال بیت گا رہا تھا۔ یہ تواجد میں تھے۔ مگر حضرت جنید سکون میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے کہا۔ اے شیخ آپ کو اس سماع سے حظ نہیں۔ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ تو اسے ایسے خیال کرتا ہے اور وہ بادلوں کی طرح چلتا ہے اور وجد کی حالت میں۔

تواجد عین تکلف ہے اور یہ انعام اور شواہد حق کا اس پر جوش ہے اور وصل کی فکر اور تمنا مردوں کی چال ہے۔ ایک گروہ رسمی ہے جو حرکات ظاہری کی تقلید کرتا ہے اور رقص کی ترتیب کرتا ہے۔ ان کے اشارات کو آرائش دیتا ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ ایک گروہ محقق ہے۔ اس کی مراد حرکات اور رسوم سے حالات اور وجد کا طلب کرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ اذا قرءتم القرآن فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا جب تم قرآن پڑھو تو رویا کرو۔ اگر رونا نہ آئے تو اوروں کو رلاؤ۔ اس خبر سے اثبات تواجد

Marfat.com

ظاہر ہوتی ہے۔

اور اسی سبب سے اس پیر نے کہ ہزار فرسنگ جھوٹ پر چلتا ہوں اس سے ایک قدم راستی پر آتا ہے اور اس باب میں بہت زیادہ بیان ہے لیکن میں اس پر اختصار کرتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

سینتیسواں باب

رقص اور متعلقاتِ رقص

جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت میں رقص کی کچھ اصل نہیں البتہ بطریق ہزل ہو تو لغو ہے۔ اس لئے کہ جب کوشش کر کے کیا جائے تو سب عقلاء اسے لہو کہتے ہیں۔

اور مشائخ سے کسی نے اسے اچھا نہیں جانا اور جو بطور پھرتی اور بناوٹ کے جاہ اور وہ مشائخ میں ملے ہوئے ہیں اور بنا بنا کر اثر جاتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

اور جب وجدی حرکت اور عمل تواجد کے مانند ہو اور اہل ہزل اس کی تقلید کریں اور اس میں غلو کر کے اس سے ایک مذہب بنالیں وہ بھی باطل ہے۔

میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا جن کا یہ خیال تھا کہ تصوف کے اندر یہ بھی ایک مذہب ہے۔ انھوں نے یہ اختیار کیا۔ اور ایک گروہ اس کی اصل کا منکر ہے۔

غرضکہ ناچنا شرعاً عقلاً بُرا ہے۔ سب لوگوں نے اسے مومن سے محال مانا ہے اور کہا ہے کہ افضل لوگ ایسا کام نہیں کرتے۔ البتہ جب اس سے دل میں خفت حاصل ہو اور خفقان غالب آجائے۔

اور وقت زور دے اور حال اپنا اضطراب بیدار کرے اور ترتیب رسوم ظاہر ہو۔ اس سے جو اضطراب ہو وہ رقص ہے نہ کہ ناچنا کودنا۔ اس میں طبع پوری نہیں ہوتی بلکہ وہ جان کا گداز

marfat.com
Marfat.com

کرنا ہوتا ہے۔ اور وہ شخص طریق صواب سے بعید ہے جو اس کیفیت کو رقص کہتا ہے اور ایسی حالت ہے کہ اس کی ترجمانی زبان سے نہیں ہو سکتی۔ من لم یذق لا یدری النظر فی الاحداث جس نے ذوقِ عرفان نہیں چکھا وہ جوانوں کی طرف نظر کرنا نہیں جانتا۔

غرضیکہ نوجوانانِ عشق کی طرف دیکھنا ان کی صحبت میں بیٹھنا خطرناک ہے اور اسے جائز کہنے والا کافرِ طریقت ہے اور جو آثار اس میں بیان کرتے ہیں وہ نادان اور واہیات ہیں۔

میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا جو نوجوانوں کی تہمت سے اہلِ طریقت سے منکر تھا۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک مذہب بنا لیا ہے۔

اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم ہر حال میں اسے آفت جانتے ہیں اور یہ حلولیوں کا ایک نشان اولیاء اللہ اور صوفیوں میں رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اڑتیسواں باب

جامہ دری

جاننا چاہیے کہ کپڑے پھاڑنا گروہِ صوفیہ میں ایک جماعت میں رہا ہے اور بڑے بزرگوں کی مجلسوں میں یہ کام ہوا ہے۔ میں نے عالموں کا ایک گروہ دیکھا کہ وہ رقص کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ کپڑے پھاڑنا درست نہیں بلکہ فساد ہے اور یہ محال ہے کہ جس فساد سے ضلالت مراد ہو وہ بہتر بھی ہو۔ اور اکثر لوگ سالم کپڑے پھاڑتے اور قطع کرتے ہیں۔ پھر سیتے ہیں چنانچہ آستین تنا اور جیب و داماں علیحدہ علیحدہ کر کے سیتے ہیں۔

تو اس میں کچھ فرق نہیں کہ کپڑے کے سو ٹکڑے کریں اور ملا کر سئیں اور پانچ ٹکڑے کریں اور سئیں۔ اس لئے کہ کپڑے کا ٹکڑا سینے سے مومن کے دل میں راحت ہوتی ہے اور اس کی ضرورت عام ہوتی ہے۔ تو جو کپڑے گدڑی پر سیتے ہیں تو اس کی طریقت میں اصل نہیں۔

Marfat.com

البتہ سماع میں بحالتِ صحت حواس پھاڑنا نہ چاہیے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی ہے۔ لیکن اگر سُننے والے کو غلبہ ہو جیسے حکمِ الٰہی ادا نہ ہو سکے اور بے خبر ہو تو معذور ہے۔ جب ایک کا یہ حال ہو اور ایک گروہ اس کی موافقت میں کپڑے پھاڑے تو روا ہے اور طریقت میں کپڑا پھاڑنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک، وہ درویش جو خود حالتِ سماع میں مغلوب ہو کر خود کپڑے پھاڑے۔ دوسرا وہ کہ اپنے پیر اور پیشوا کے حکم سے کپڑے پھاڑے۔ وہ یا تو گناہ سے استغفار کرنے کی صورت میں یا سکر کی اور وجد کی حالت میں اور ان سب سے کپڑے پھاڑنا مشکل ہوتا ہے جو سماع سے ہو۔ یہ دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک مجروح کپڑا دوسرا درست کپڑا۔

مجروح کپڑے کی دو شرطیں ہیں۔ یا تو پھاڑنے کے بعد سیئں اور بعد میں پہن لیں یا پھاڑنے کے بعد اور درویشوں میں تبرکاً تقسیم کریں۔

لیکن جب درست ہو تو دیکھنا چاہیے کہ کپڑا اچھالنے سے درویش کی کیا مراد ہے۔ اگر قوال کو دینے کا ارادہ ہو تو اُسے ہی دینا چاہیے۔ اور اگر جماعت کو دینا منظور ہو تو اسی کو دینا چاہیے اور اگر اس نے یونہی ڈال دیا تو پیر کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر وہ جماعت کو تقسیم کرنے کا حکم دیں تو پھاڑ کر تقسیم کریں یا ایک درویش کو دینا چاہیں دے دیں یا قوال کے حوالے کر دیں۔ اگر قوال کو دینا ہو تو درویش کی مراد اور اتفاق شرط نہیں۔

اور جب اتفاق کے بعد دینا ہو تو درویش کا کپڑا قوال کو نہ دے کیونکہ یہ نالائق کو دینا ہے اور وہ کپڑا اگر درویش نے حالتِ اختیار میں دیا ہو گا یا حالتِ اضطرار میں۔ دوسروں کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور اگر جماعت کے ارادہ پر کپڑا جدا کیا ہے یا ان کی مراد کے بغیر تو اس کی موافقت شرط ہے جب کپڑا پھینکنے میں اتفاق کیا گیا تو پھر پیر کو زیبا نہیں کہ وہ درویشوں کا کپڑا قوال کو دے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ ان کا محب جو چاہے کرے درویشوں کو دے یا سب پھاڑ کر تقسیم کرے۔

اور اگر کپڑا مغلوبیت کی حالت میں گر پڑا ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں قوال کو دینا چاہیے کیونکہ اس میں حدیث ہے۔ من قَتَلَ قَتِیلاً فَلَہٗ سَلَبُہٗ۔ جس نے عاشق کو قتل کیا۔ اس کا لباس اسی کے لئے ہے۔ اگر وہ قوال کو نہ دیں تو شرطِ طریقت سے باہر ہو جاتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اس میں پیر کو بھی اختیار ہے۔ جیسا مذہب فقہا میں بادشاہ کی اجازت کے بغیر مقتول کا کپڑا قاتل کو نہیں دیتے۔ یہاں بھی یہ کپڑا بدوں حکم پیر کے قوال کو نہ دینا چاہیے۔ لیکن اگر پیر کسی کو نہ دینا چاہے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

انتالیسواں باب

آدابِ سماع

جاننا چاہیے کہ شرط ادب سماع یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے اور اسے عادت نہ بنائے اور دیر کے بعد کرے تاکہ اس کی عظمت دل سے نہ جائے۔ یہ بھی لازم ہے کہ جب سماع کرے تو شیخ وہاں حاضر ہو اور عوام سے وہ جگہ خالی ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ قوال صاحب عزت ہو اور دل شغلوں سے خالی ہو اور طبیعت لہو ولعب سے متنفر ہو اور تکلف درمیان نہ ہو اور جب تک قوتِ سماع پیدا نہ ہو۔ یہ شرط نہیں کہ تو اس میں مبالغہ کرے۔

جب قوتِ سماع قوی ہو جائے تو اسے آپ سے ہٹانا شرط نہیں اور قوتِ سماع کا تابع ہو جائے۔ یعنی جو اس کا مقتضا ہو وہی کرے۔ اگر وہ قوت ہلائے تو ہلے۔ اگر ٹھہرائے تو ٹھہرا رہے اور حرتِ طبع اور سوز اور وجد میں فرق کرے اور چاہیے کہ سننے والے کو اس قدر طاقت دیدار ہو کہ وارد حق قبول کر سکے اور اس کی داد دے سکے۔ اور جب اس کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو تکلف سے اسے اپنے آپ سے دفع نہ کرے اور جب اس کی قوت ٹوٹ جائے تو تکلف سے جذب نہ کرے اور چاہیے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے مدد کی اُمید نہ رکھے اور اگر کوئی مدد کرے تو منع نہ کرے اور اس کا اس کی نیت میں امتحان نہ کرے۔ کیونکہ اس میں آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی ہوتی ہے اور کسی کے سماع میں دخل نہ دے تاکہ اس کا وقت پراگندہ نہ ہو۔ اور اس کے روزگار میں تصرف نہ کرے۔

Marfat.com

اور چاہیے کہ اگر قوال خوش گو ہو تو اسے یہ نہ کہے تو نے خوب کہا ہے اور اگر ناخوش کہے تو اسے بُرا نہ کہے۔ یا اگر وہ شعر ناموزوں کہے جو طبع کو پریشان کرے تو یہ نہ کہے کہ اچھا کہو اور دل میں اس سے غصہ نہ کرے اور اسے درمیان نہ دیکھے بلکہ سب حوالہ حق کرے۔ اور وہ درست سُنے اور اگر کسی گروہ کو سماع میں دیکھے تو اس کو اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں کہ اپنی ہوشیاری میں اس کی مستی نہ دیکھے اور چاہیے کہ اپنے وقت میں بآرام ہو۔ اس سے اسے فائدہ ہوگا۔ اور سلطان وقت کی عزت کرے تاکہ اس کی برکتیں اسے ملیں۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ مجھے وہ پسند ہے کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ چھوڑیں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو کیونکہ اس میں بڑے خطرے ہیں اور سنت ہے۔ اس لئے کہ عورتیں چھت سے یا بلند مکان سے انھیں ان کی حالت سماع میں دیکھتی ہیں اور اس سبب سے سُننے والے کو سخت حجاب پڑتے ہیں۔ اور چاہیے کہ جوان بچوں کو بھی اس کے درمیان نہ بٹھائیں اور ایسا نہ ہو کہ اس کے بعد جاہل صوفیوں نے ان باتوں کو مذہب بنا رکھا ہے اور سچ کو درمیان سے دور کر دیا ہے اور میں اس جنس کی آفتوں سے جو مجھ پر گزریں استغفار کرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں تاکہ مرے ظاہر و باطن کو آفات سے بچائے اور میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کے حکموں کی رعایت رکھیں۔ وباللہ التوفیق۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیراً
کثیراً برحمتک یا ارحم الراحمین امین ثم امین تم

تصحیح کردہ
فقیر قادری محمد اعجاز الرضوی عفی عنہ

marfat.com
Marfat.com

Marfat.com